ننگِ ملت ، ننگِ دین ، ننگِ وطن

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدُ السلام قادیانی کی اِسلام اور پاکستان
دُشمنی پر مبنی تاریخی و تحقیقی دستاویز

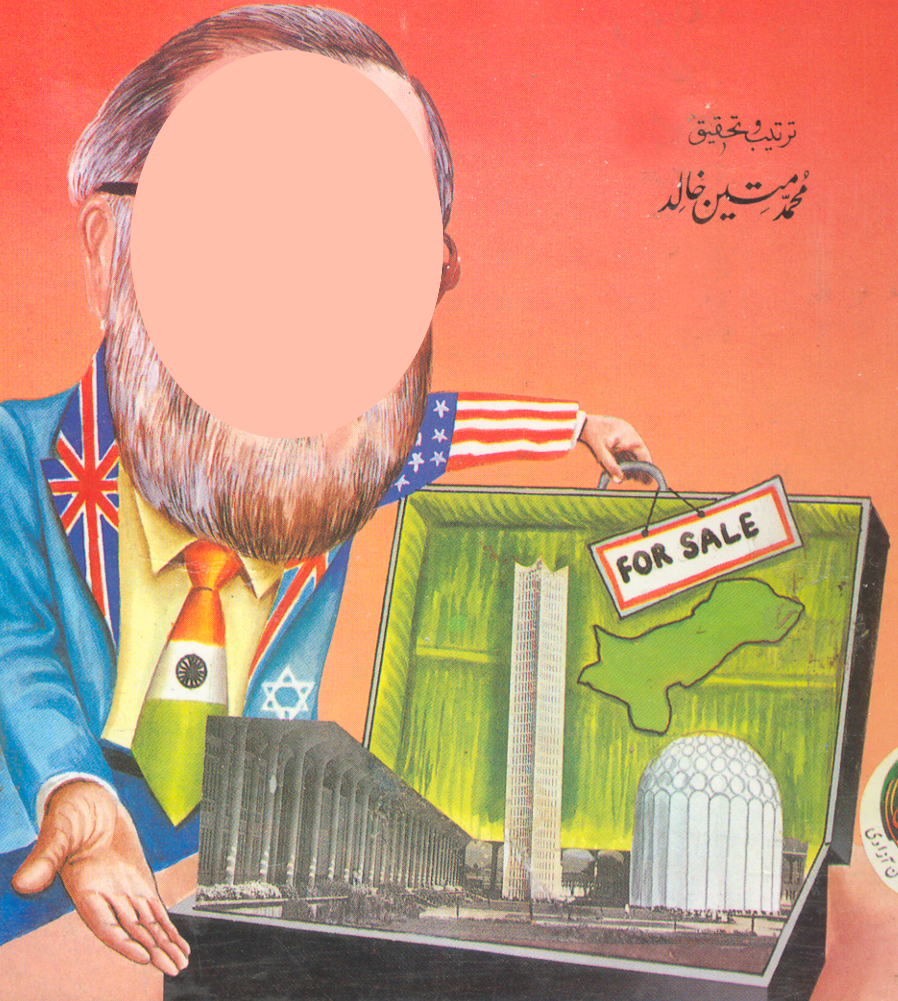

ترتیب و تحقیق

مُحمد متین خالد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غدار پاکستان

"گوئبلز نے کہا تھا کہ اتنا جھوٹ بولو' اتنا جھوٹ بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے۔ بالکل یہی فلسفہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے متعلق اپنایا گیا۔ ہمارے نام نہاد صحافیوں اور دانشوروں نے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اس "غدار پاکستان" کو ہیرو بنا کر پیش کیا جو انتہائی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو ہیرو بنا کر پیش کرنے والے ان عقل کے اندھوں سے پوچھنا چاہیے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے تمام تر مراعات حاصل کرنے کے باوجود اپنی پوری زندگی کی "تحقیق" کے نتیجے میں عالم اسلام بالخصوص پاکستان کو کیا تحفہ دیا؟ ان کی کون سی ایجاد یا دریافت ہے' جس نے ہمارا سر فخر سے بلند کیا؟ ان کا کون سا کارنامہ ہے' جس سے پاکستان کو کوئی فائدہ پہنچا؟ ان کی کون سی خدمت ہے' جس سے اہل پاکستان کے مسائل میں ذرا سی بھی کمی واقع ہوئی؟ انہوں نے کون سا ایسا تیر مارا' جس پر انہیں نوبل انعام سے نوازا گیا؟ یہ سوالات آج تک تشنہ جوابات ہیں!"

ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدُ السلام قادیانی کی اِسلام اور پاکستان
دُشمنی پر مبنی تاریخی و تحقیقی دستاویز

ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان ☎ 514122

جملہ حقوق محفوظ

- نام کتاب -------- غدار پاکستان (ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی)
- ترتیب و تحقیق -------- محمد متین خالد
- اشاعت اول -------- اگست 1998ء
- تعداد -------- ایک ہزار
- قیمت -------- 200 روپے
- مطبع -------- شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت چوک لاہور
- ناشر -------- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان

----- ملنے کا پتہ -----

- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔ فون:514122
- مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور۔ فون:7237500

انتساب

فرزند اسلام، محسن پاکستان، عظیم عالمی ایٹمی سائنس دان

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

کے نام

- نوبیل پرائز بھی جن کے جاوداں کارناموں کا متحمل نہیں!
- جس نے پاکستان کو ساتویں ایٹمی قوت بنا کر پوری دنیا میں معتبر کیا!
- جسے دنیا کا کوئی لالچ اور دھمکی محبتِ پاکستان سے نہ روک سکی!
- جس نے پاکستان دشمن قوتوں کی نیندیں حرام کر دیں!
- جن سے ہر پاکستانی بے پایاں محبت کرتا ہے اور ہر قادیانی بے پناہ نفرت کرتا ہے کیونکہ انہوں نے پاکستان کو ناقابل تسخیر ملک بنا دیا جو قادیانی عقاید و عزائم کے منافی ہے!

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

آئینہ

❄ انتساب		5
❄ پاکستان اور قادیانی	(عبدالقادر حسن)	9
❄ نقاب کشائی	(پروفیسر مغیث الدین شیخ)	11
❄ ڈاکٹر عبدالسلام کا اصل چہرہ	(طارق اسماعیل ساگر)	14
❄ قلم ہو یا قینچی......	(صاحبزادہ طارق محمود)	17
❄ پاکستان دشمن ایوارڈ یافتہ	(حفیظ الرحمٰن قریشی)	21
❄ زیر نقاب	(محمد متین خالد)	24
❑ غدار پاکستان	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ	27
❑ ڈاکٹر عبدالسلام کی کہوٹہ دشمنی	زاہد ملک	65
❑ ڈاکٹر قدیر کے خلاف قادیانی سازش	یونس خلش	77
❑ آستین کا سانپ	ڈاکٹر ام خولہ	97
❑ نوبیل پرائز اور ڈاکٹر عبدالسلام	شفیق مرزا	147
❑ ڈاکٹر عبدالسلام، پاکستان دشمن طاقتوں کی شخصی یادگار	علامہ ابوٹیپو خالد الازہری	153
❑ دانشورانہ خودمذمتی کے شہ پارے	ارشاد احمد عارف	177
❑ ڈاکٹر عبدالسلام کون؟	محمد طاہر رزاق	183
❑ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبیل پرائز کیوں ملا؟	محمد ازہر	191
❑ ڈاکٹر عبدالسلام کے نظریات	سرفراز جبرئیلی	199

- ❑ ڈاکٹر عبدالسلام کون تھا؟ — ابو طلحہ محمد راشد حمادی — 205
- ❑ ڈاکٹر عبدالسلام اسلام اور پاکستان دشمن شخصیت — محمد نوید شاہین — 211
- * غدار کی سزا (نظم) — مظفر وارثی — 308

پاکستان اور قادیانی

قادیانیت' مرزائیت یا احمدیت اسے جو بھی نام دیں' یہ امت مسلمہ کے لیے ایک ایسا سنگین خطرہ ہے' جو اس کے اندر رہ کر' اس میں شامل ہو کر اور مسلم معاشرے میں گھل مل کر اسے' اس کے ایمان سے محروم کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اہل پاکستان کو اس فرقے سے یوں سب سے زیادہ خطرہ ہے کہ ان کے ملک نے اسے غیر مسلم فرقہ قرار دے کر اسے ایکسپوز کیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جس ملک کے وہ خصوصی اور مراعات یافتہ شہری تھے' اسی ملک میں وہ ایک دوسرے درجے کے شہری بن گئے اور غیر مسلم قرار پا کر امت مسلمہ سے الگ ہوگئے۔ غیر مسلم قرار پا جانے کے اس واقعہ کے بعد اس طبقہ کے لوگوں کو نہ صرف یہ کہ پاکستان کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں رہی بلکہ وہ اس کے دشمن بن چکے ہیں۔ میں یہ کہہ کر کوئی انکشاف نہیں کر رہا ہوں۔ اگر کوئی دوسرا بھی ان کی جگہ ہوتا اور ایسے ہی حالات سے دو چار ہوتا تو یہی کرتا' جو وہ کر رہے ہیں۔

اس فرقے کے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ ڈاکٹر عبدالسلام کی زندگی میں ہوا۔ وہ بھی ایک پاکستانی تھے اور قدرتی بات ہے کہ ملک سے باہر رہ کر بھی انہوں نے وہی کچھ محسوس کیا' جو کوئی قادیانی پاکستان کے اندر رہ کر محسوس کر سکتا ہے اور کر رہا ہے۔ آنجہانی ڈاکٹر صاحب ایک نامور سائنس دان تھے۔ ان کا شعبہ چونکہ سائنس تھا' اس لیے وہ پاکستان کے سائنسی شعبے سے زیادہ متعلق تھے اور اس سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ ایٹمی توانائی اسی سائنسی شعبہ میں شامل ہے۔ چنانچہ انہوں نے پاکستان کی اس شعبہ میں ترقی کو پسند نہیں کیا۔ یہ ان کی مذہبی مجبوری تھی۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ فرقہ "جہاد" کے خلاف ہے اور اس کے مطابق جہاد اب منسوخ ہوچکا ہے۔ پاکستان میں ایٹمی شعبہ کا زیادہ تر تعلق چونکہ براہ راست دفاع اور جہاد سے تھا' اس لیے بھی ڈاکٹر سلام صاحب اس شعبے میں ترقی کے قائل نہیں تھے۔ لہذا انہوں نے پاکستان کی ایٹمی توانائی میں ترقی کو کبھی پسند نہیں کیا اور

ظاہر ہے کہ جو لوگ اس ترقی میں مصروف تھے' وہ بھی ان کے لیے انتہائی ناپسندیدہ تھے۔ اس ضمن میں مکمل تفصیلات اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرقہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے کیوں خلاف ہے اور کیوں ان کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف رہتا ہے۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ اس محب وطن اور محسن پاکستان سائنس دان کو پریشان رکھا جائے اور اسے طرح طرح سے تنگ کیا جائے۔ کبھی تو اس کی ذاتی زندگی پر حملے کیے جائیں اور کبھی بن پڑے تو اس کے کام کے بجٹ میں تخفیف کی کوشش کی جائے تاکہ وہ اپنی سرگرمیوں میں مصروف نہ رہ سکے۔ ہر قادیانی کا مذہبی عقیدہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے خلیفہ کے حکم کا پابند ہے اور پھر کسی اور کا۔ خواہ اس کے لیے اسے کتنی ہی قربانی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ قادیانی پاکستان کے سخت دشمن ہیں۔ وہ اپنے خلیفہ کی ہدایات کے مطابق اکھنڈ بھارت کے لیے دن رات کوشاں ہیں اور ہر چھوٹا بڑا قادیانی پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے اپنا "مذہبی" فریضہ "بخیر و خوبی" سرانجام دے رہا ہے۔ اس تناظر میں اس فرقہ کا اب سیاسی نقطہ نظر سے بھی جائزہ لینا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ فرقہ سیاست میں بھرپور کردار ادا کر رہا ہے اور پاکستان کے خلاف اس کی سیاسی سرگرمیاں عالمی سطح پر جاری ہیں۔

ہر پاکستانی کے لیے یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ متین خالد صاحب نے اس سلسلے میں تمام مواد جمع کر دیا ہے۔ کتابوں اور اخبارات میں جو کچھ بکھرا پڑا تھا' وہ سب انہوں نے یکجا کر دیا ہے۔ لکھنے والوں کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعہ قوم کو خبردار کرتے رہیں۔ یہ فریضہ متین صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ ادا کر دیا ہے اور اس طرح وہ سرخرو ہوگئے ہیں۔ یہ نوجوان پوری قوم کے شکریے کا مستحق ہے۔ امید کی جانی چاہیے کہ وہ یہ سلسلہ جاری رکھیں گے اور کتاب کے ہر نئے ایڈیشن میں اضافے کرتے رہیں گے۔ میں خالد کی درازی عمر اور زور قلم کے لیے دعاگو ہوں۔

عبدالقادر حسن

کالم نگار "غیر سیاسی باتیں"
روزنامہ "جنگ" لاہور

نقاب کشائی

پاکستان میں قادیانیوں اور یہودیوں کے مشترکہ مفادات اور طریقہ واردات میں بڑی ہم آہنگی اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہودی اپنے پڑھے لکھے دانشوروں' پالیسی سازوں' اور سائنس دانوں کی سازشوں کو ان کے علمی' سائنسی اور سیاسی کارناموں کی شہہ سرخیوں کے نیچے دبانے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔ سیدھے سادھے قارئین اور پروفیشنلز' ان کی کاوشوں کو پڑھنے اور ان کے حق میں اس حد تک رطب اللسان ہو جاتے ہیں کہ ان کی اسرائیل دوستی' سیاسی جانبداری اور انسانیت دشمنی سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ کچھ یہی صورت حال پاکستان میں قادیانیوں کی ہے جن کا طریقہ واردات امریکی یہودیوں سے ملتا جلتا ہے۔ اپنے افراد کو پاکستان ایسی ایک اسلامی ریاست کے اہم اور حساس شعبہ جات مثلاً فوج' عدلیہ' اٹیمی توانائی کمیشن' میڈیا اور تعلیمی اداروں میں کلیدی عہدوں پر فائز کروانا ان کا اولین مشن اور ہدف ہے جس میں وہ تقریباً پوری طرح کامیاب ہو چکے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کے انسانی حقوق کے علمبردار اور میڈیا میں موجود ان کے ہم نوا' مسلسل حقوق انسانی اور انسان دوستی کے نام پر ان کی تعلیمی' سیاسی اور پیشہ ورانہ مہارت کے حق میں جذباتی ہوتے چلے جا رہے ہیں جبکہ ان کی اسلام اور پاکستان دشمنی' بھارت اور اسرائیل نوازی کی بابت اہم اور خفیہ دستاویزات منظر عام پر لانے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی جاتی۔ خاص طور پر یہی صورت حال پاکستان کے نامور قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں صادق آتی ہے۔

قادیانیوں اور امریکی یہودیوں میں ایک قدر مشترک یہ بھی ہے کہ یہ

دونوں گروہ اپنی سازشوں اور اثر و رسوخ کے باعث ملک کے اہم شعبہ جات جن میں فوج' محکمہ داخلہ و خارجہ' شعبہ اقتصادی امور' بیورو کریسی' عدالتوں اور میڈیا وغیرہ کے علاوہ رائے عامہ کو متاثر کرنے اور انہیں ہموار کرنے والے اداروں میں بتدریج اور غیر محسوس انداز میں داخل ہونے اور ان اہم اداروں کو کنٹرول کرنے کے لئے جہد مسلسل سے کام لیتے ہیں۔ نیویارک ٹائمز ہو یا ہالی وڈ کی فلم انڈسٹری' امریکہ کے بڑے بڑے THINK TANKS ہوں یا سیاسی جماعتوں کی لابنگ کرنے والے ادارے' ان لوگوں کی شمولیت اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ امریکہ کے مشہور کانگریس مین پال فنڈلے (PAUL FUNDLY) نے ان اداروں پر یہودی کنٹرول کی بابت اپنی مشہور کتاب "DARE TO SPEAK OUT THEY" میں سیر حاصل اور مدلل بحث کرکے نہ صرف امریکی قوم بلکہ دنیا بھر کے انصاف دوست اداروں کو خبردار کیا ہے۔ جناب محمد متین خالد کی زیر نظر کتاب "غدار پاکستان" کے لب لباب اور روح کو سمجھنے کے لئے' پال فنڈلے کی مذکورہ کتاب کا پڑھا جانا بہت ضروری ہے۔

برادر عزیز محمد متین خالد نے "غدار پاکستان" تحریر کرکے شہادت حق کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اسلام کی سربلندی' تحفظ ختم نبوت و تحفظ ناموس رسالت ﷺ' فتنہ قادیانیت کی سرکوبی اور پاکستان دوستی ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں اور اس کے لئے وہ مصلحت کی آلائش سے پاک لہجہ' خوابیدہ ضمیروں کو جھنجھوڑنے کا دوٹوک انداز اور شفاعت محمدی ﷺ کی آرزو کا جذبہ لئے اپنے فرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں عقاب کی نظر اور چیتے کی برق رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہی وہ مبارک اور زندہ جاوید جذبہ ہے جس پر ہزارہا جذبوں کو قربان کیا جاسکتا ہے۔

زیر نظر کتاب "غدار پاکستان" ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اور ان کے ہم نواؤں کی طرف سے پاکستان کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹنے والی مکروہ سازشوں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ میرے نزدیک اس کتاب کی ایک بڑی خوبی ڈاکٹر عبدالسلام کی بابت ایسے لکھنے والے افراد کا انتخاب ہے کہ جن کی وجہ شہرت ان کی تحریروں کی معروضیت ہے۔ اس کتاب میں جذبات سے کم اور حقیقت و تحقیق سے

زیادہ کام لیا گیا ہے۔ یہ کتاب ان تمام سیکولر' "روشن خیال" اور "ترقی پسند" دانشوروں کے لئے بالخصوص اور عام قاری کے لئے بالعموم' دعوت فکر دیتی ہے کہ وہ آئیں اور غیر جانبداری سے دیکھیں اور تجزیہ کریں کہ قادیانیوں کو کلیدی اور خاص عہدوں پر فائز کرنے کے کیا بھیانک نتائج نکلتے ہیں اور قوم کو مجموعی طور پر اس کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے؟ کیونکہ ہر قادیانی سب سے پہلے اپنی جماعت کا وفادار اور جواب دہ ہے' بعد میں کسی اور کا۔ قادیانی جماعت اسلام دشمن طاقتوں کی آلہ کار ہے۔ لہٰذا وہ ان کی سرپرستی کر کے اور انہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کر کے' ان سے ہر قسم کے راز حاصل کرتے ہیں۔

یہ کتاب ان تمام سائنس دانوں کے لئے چراغ راہ کا کام کرے گی جو قادیانیوں کی "معصومیت" اور ان کی سائنسی اور علمی صلاحیتوں پر بے جا اور جذباتی طور پر "ایمان" رکھتے ہیں۔ مجھے یہی کچھ کہنا تھا۔ باقی آپ خود کتاب پڑھ کر رائے قائم کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ آپ خالد کی رائے سے اتفاق کریں گے۔

دعاگو

پروفیسر ڈاکٹر قاری مغیث الدین شیخ

شعبہ ابلاغیات

پنجاب یونیورسٹی' لاہور

ڈاکٹر عبدالسلام کا اصل چہرہ

توحید اور نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت پر ایمان کسی بھی مسلمان کی زندگی کا وہ عقیدہ ہے، جس پر کوئی بحث قابل قبول نہیں۔

توحید میں کسی بھی سطح پر شرک کی ملاوٹ ہو جائے تو مسلمان ایمان سے خارج اور اللہ کے نزدیک معتوب ہو جاتا ہے۔

اور......

ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے آخری نبی ہونے کے عقیدے میں کسی بھی طرح کی بدگمانی، بے ایقانی، بددیانتی سوائے گمراہی اور ذلالت کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔

وہ نبی مکرم ﷺ کہ جس کی آواز کے سامنے قرآن نے اس کے پیروکاروں کو اپنی آوازیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہو..... اس ختم الرسل ﷺ کی نبوت میں کسی بھی حوالے سے، کسی بھی چکربازی سے کوئی بھی مداخلت ایسا ہی گناہ کبیرہ ہے، جیسے اللہ جل شانہ کی صفات سے کسی انسان کو متصف کرنا۔

کچھ بدبخت جن کی عقل پر اللہ نے پردہ ڈال دیا اور جو اپنے شیطانی اور جھوٹے دلائل کے ساتھ ایک سازش کے تحت امت مسلمہ کو گمراہ کر رہے ہیں، ایسے ظالموں کے سامنے کچھ اللہ کے بندے محض اللہ کی خوشنودی اور عشق رسول ﷺ کو اپنے ایمان کا حصہ بنا کر کفر اور گمراہی کے اس طوفان کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایسے بندوں پر یہ اللہ کا خصوصی انعام ہے کیونکہ ایسی سعادت قسمت والوں کے حصہ میں آتی ہے اور بقول شاعر

ع تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خالد متین صاحب کا شمار اللہ کے انہی برگزیدہ بندوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے محدود وسائل کے ساتھ جس استقامت اور پامردی سے شان رسالت مآب ﷺ میں ہونے والی کسی بھی گستاخی کا پردہ چاک کر رہے ہیں' کسی بھی ناہنجاری کو بے نقاب کر رہے ہیں' یہ اللہ کی عطا ہے۔

فتنہ قادیانیت نے قلب اسلام پر نقب لگائی ہے۔ یوں تو ہر مسلمان کی زندگی کا اول و آخر مقصد یہی ہونا چاہیے جسے خالد متین نے مقصد حیات بنایا ہے لیکن ہماری بدبختی کی انتہا ہے کہ آج ہمارے پاس اپنے مسائل کے علاوہ کسی اور مسئلے پر سوچنے کا وقت ہی نہیں اور یہی زوال امت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ منافقت کی کوکھ سے جنم لینے والے معاشروں کا سب سے بڑا المیہ یہی ہوتا ہے کہ وہاں حق کو پذیرائی بہت مشکل سے ملتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خالد متین ایسے لوگ دنیاوی جاہ و حشمت سے بے نیاز جس مشن پر گامزن ہیں' یہی انشاء اللہ ان کے لیے توشہ آخرت بنے گا۔

خالد متین صاحب نے فتنہ قادیانیت کے محاسبے اور محاکے کے لیے کئی کتابیں اب تک لکھی ہیں اور ہر کتاب اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ ان کتابوں میں انہوں نے جدید سائنٹیفک انداز میں اپنے قاری کے ذہن کو اپروچ کیا ہے اور کسی کٹھ ملا کی طرح ضد سے نہیں' دلیل اور شرافت سے اپنی بات سمجھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں ان کی کتاب "ثبوت حاضر ہیں" بلاشبہ اپنی حیثیت میں ایک خصوصی اہمیت کی حامل اور ناقابل فراموش تحقیق کا نمونہ ہے۔ جس میں خالد متین صاحب نے قادیانیوں کی مستند کتب سے ان کی خرافات کو حوالے دے کر شائع کرنے کی بجائے نفس مضمون اسی کتاب سے لے کر شائع کیا ہے۔ یقیناً یہ کتاب قادیانیوں کے لیے سوچ اور اصلاح کے کئی در وا کرے گی۔

ان کی موجودہ کتاب میں ڈاکٹر عبدالسلام کے حوالے سے جو مضامین جمع کیے گئے ہیں' وہ بھی خاصے کی چیز ہیں۔ اور ان کے خلوص نیت اور محنت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان مضامین میں ڈاکٹر عبدالسلام کا اصلی چہرہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے اور ایسے بہت سے

پہلو بے نقاب کیے ہیں جو ابھی تک تاریکی میں چھپے ہوئے تھے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے اور انہیں اپنے مشن پر گامزن رکھے۔

بندہ ناچیز

طارق اسمٰعیل ساگر

انچارج میگزین

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور

قلم ہو یا قینچی

عقاب کی نظروں کا مرکز اور محور اس کا شکار ہوتا ہے۔ جھپٹنا' پلٹنا اور پلٹ کر جھپٹنا ہی اس کی اصل زندگی ہے۔ کسی بھی مشق میں کامیابی و کامرانی اسی جذبہ کی مرہون منت ہے۔ جناب محمد متین خالد ایک مدت سے "خانہ ساز نبوت" کا خانہ خراب کرنے میں اپنے لہو کو گرم اور خود کو سرگرم رکھے ہوئے ہیں۔ وہ بلاشبہ عقاب ہیں اور مرزائیت کے لیے باعث عتاب ہیں۔ متین خالد گفتگو کے نہیں' جستجو کے آدمی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جھپٹنے' پلٹنے کے عقابی طرز کے مطابق قادیانی فتنہ کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔

متین خالد کی تمام تر صلاحیتیں ختم نبوت کے تحفظ اور مرزائیت کی بیخ کنی کے لیے وقف ہیں۔ تاثرات پر مبنی "قادیانیت ہماری نظر میں" موصوف کی پہلی تالیف تھی۔ حال ہی میں انہوں نے "ثبوت حاضر ہیں" کے عنوان سے قادیانیت کو "ان کی" نظر میں پیش کر کے ایک قابل تحسین خدمت سرانجام دی ہے۔ یہ دستاویز مسلمانوں کے لیے مرزائیت کا تصویری خبرنامہ ہے اور بھٹکے ہوئے قادیانیوں کے لیے انصاف کا پیمانہ اور دعوت فکر کا خزانہ ہے۔ قادیانیت پر تین حروف بھیجنے والوں کی نظر میں متین خالد کا ایک اور شاہکار "قادیانیت سے اسلام تک" چند روز پہلے منظر عام پر آیا ہے۔ قبل ازیں انہوں نے جناب رسالت مآب ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالہ سے معطر تحریروں کو یکجا کر کے عقیدت و محبت کا دلاویز گلدستہ مرتب کیا تھا۔ جسے انہوں نے "جب حضور ﷺ آئے" کا نام دیا۔ ان کی یہ کاوش ہادی کونین ﷺ سے والہانہ عشق کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

متین خالد کی موجودہ تالیف "غدار پاکستان" (ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی) وقت کی ضرورت اور موجودہ دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے تاریخی کارنامہ اور غوری میزائل کے کامیاب تجربے کے بعد اس کتاب کی افادیت اور اہمیت اس لیے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ اس میں ڈاکٹر عبدالسلام سے منسوب ان کی چیرہ دستیوں'

سازشوں' ریشہ دوانیوں اور ملک دشمن حقائق پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے۔ یہی وہ غدار وطن تھا' جس کی پوری جماعت نام نہاد ترقی پسندوں سے مل کر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف زہر اگلتی رہی۔ انہیں بددل اور بدنام کرنے کے لیے مختلف نوعیت کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے رہے۔ کامیابی کا دارومدار نیت' اخلاص اور مسلسل محنت پر موقوف ہوتا ہے۔ چونکہ پاکستان کا نام ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ہاتھوں روشن ہونا تھا' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں سرخرو اور سربلند کر دیا۔

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست

متین خالد صاحب کی موجودہ تالیف ڈاکٹر عبدالسلام المعروف نوبل انعام یافتہ کی اسلام' عالم اسلام اور پاکستان دشمنی پر مبنی ایک غیر معمولی دستاویز ہے۔ یہ کتاب درحقیقت ان تمام مضامین کا مجموعہ ہے' جو اکثر و پیشتر مختلف رسائل جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ آنجہانی ایک متعصب' کٹر اور پکے قادیانی تھے۔ انہوں نے اپنے مذہبی تشخص کو اجاگر کرنے کے لیے "لباس پیغمبری" زیب تن کر کے نوبل انعام حاصل کیا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے اسے مرزا غلام احمد قادیانی کا معجزہ قرار دیتے ہوئے فخریہ انداز میں کہا تھا:

"میں پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا غلام ہوں پھر مسلمان ہوں اور پھر پاکستانی"۔

قادیانیوں اور مسلمانوں میں بلحاظ مذہب یہی واضح فرق ہے کہ وہ جناب رسالت مآب ﷺ کے مقابل مرزا غلام احمد قادیانی کے غلام' پیروکار اور ماننے والے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے عقیدتاً جو کچھ کہا' یہی بات سابق وزیر خارجہ چودھری ظفراللہ خاں قادیانی نے بانی پاکستان محمد علی جناحؒ کے جنازہ کے موقع پر جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہی تھی کہ "آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم سمجھ لیں"۔ دونوں قادیانی رہنماؤں کے عقیدہ کے پیش نظر ان کی مذہبی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام اگر راسخ العقیدہ مسلمان ہوتے تو نوبل انعام کبھی نہ پاتے۔ نوبل پرائز کا حقدار ٹھہرنا ہی ان کے مذہبی طور پر گمراہ ہونے کی دلیل ہے۔ آج تک کسی معروف مسلمان مفکر'

محقق، دانشور یا سائنس دان کو کسی بھی شعبہ میں نوبل انعام نہیں دیا گیا۔ صرف مصر کے سابق صدر انوار السادات کو امن کا نوبل انعام دیا گیا۔ وہ بھی اس وقت جب انہوں نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ گویا یہودی انعام مسلمانوں سے غداری کے صلہ میں یا اسلام دشمن خدمات کے عوض دیا جاتا ہے۔

نوبل انعام پانا کوئی اعزاز کی بات نہیں۔ کیونکہ جسے پیا چاہیے، وہی صدا سہاگن ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے نوبل انعام انفرادی طور پر حاصل نہیں کیا تھا بلکہ ۱۹۷۹ء میں طبیعات کے شعبہ میں تین اشخاص کو مشترکہ طور پر انعام دیا گیا۔ البتہ ۱۹۳۰ء میں ایک ہندو نے انفرادی طور پر نوبل انعام حاصل کیا تھا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ ڈاکٹر عبدالسلام کا کوئی کارنامہ نہیں بلکہ انہیں نوازنے کا ایک بہانہ ہے۔

نوبل انعام سے قطع نظر قادیانی جماعت یہ بتائے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی وطن عزیز سے متعلق کیا خدمات ہیں؟ ۱۹۷۴ء میں بھارت نے جب پہلا ایٹمی دھماکہ کیا، ڈاکٹر صاحب صدر پاکستان کے ایٹمی مشیر تھے۔ بھارت کے جواب میں ان کی کوئی سی زبانی یا عملی خدمت ہو تو سامنے لائی جائے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا ایک معمولی بیان بعض اوقات بھارتی ایٹمی تجربات کے جواب میں پوری قوم کا مورال اپ کر دیتا ہے۔ اب تو غوری میزائل کے کامیاب تجربے کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھارت کی تمام تر جنگی ایٹمی ٹیکنالوجی میں حاصل شدہ برتری کو خاک میں ملا دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو "سرخاب کا پر" لگا کر اس لیے نمایاں کیا گیا تاکہ پاکستان کے تمام ایٹمی راز اور پروگرام اسرائیل تک پہنچائے جا سکیں..... یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں ایٹمی ٹیکنالوجی میں کوئی سی پیش رفت نہ ہو سکی۔ البتہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے مختصر وقت میں نہ صرف قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں، بلکہ اپنے سے پانچ گنا بڑے ملک کے جنگی جنوں کا نشہ بھی ہرن کر دیا ہے۔ ڈاکٹر قدیر خان کا زرخیز دماغ اب غزنوی میزائل اور ابدالی میزائل کی تیاری میں مشغول ہے۔

متین خالد مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے وقت اور موقع محل کی مناسبت سے ایک ایسے عنوان سے تالیف تیار کی ہے، جس کی ایک مدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ راقم کی خواہش تھی کہ مجموعہ مضامین کی بجائے ایک مربوط کتاب لکھی جاتی اور

حسب ضرورت مضامین میں سے حوالے اس طرح دیے جاتے جس طرح عدالت میں کسی مجرم کے گواہ پیش کیے جاتے ہیں۔ بہرحال متین خالد کی قینچی ہو یا قلم' مرزائیت کے لیے دونوں نشتر ہیں۔ قینچی کا شور اور قلم کا زور اللہ کرے اور زیادہ......

طالب دعا

صاحبزادہ طارق محمود
ایڈیٹر ماہنامہ "لولاک" ملتان
حال مقیم فیصل آباد

پاکستان دشمن ایوارڈ یافتہ

مرزائی لوگ آنجہانی ڈاکٹر عبدالسلام کو فزکس میں ایک تہائی نوبل انعام ملنے کو' رئیس المغضوبین و الضالین مرزا غلام احمد قادیانی کا معجزہ قرار دے رہے ہیں اور اس امر کو جھوٹے نبی کی "صداقت" کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ دراصل قادیان کے "نقب زنان نبوت" کا سارا پاکھنڈ ایسے ہی بودے دعووں پہ استوار ہے۔ مرزا قادیانی زندگی بھر' بے سروپا دعووں سے ساہ لوح لوگوں کو متاع ایمان سے محروم کر کے' جہنم کا ایندھن بناتے رہے' تعجب ہے کہ قادیانیوں کو ایک تہائی نوبل انعام ملنے پر بغلیں بجاتے ہوئے ندامت نہیں ہوئی کہ اب تک بیسیوں سائنس دانوں کو فزکس اور سائنس کے دوسرے شعبوں میں مکمل (ایک تہائی نہیں) انعام مل چکا ہے۔ ان میں عیسائی' یہودی' بدھ' ہندو بلکہ دہریے بھی شامل ہیں۔ ایک مصری نجیب محفوظ کو بھی ادب پر یہ انعام ملا ہے لیکن "حضرت" کا تصرف عبدالسلام کو بمشکل نوبل انعام کا تیسرا حصہ دلا سکا ہے!!

استعماری اور اسلام دشمن قوتیں اسلامی نام کے حامل غیر مسلم کو یہ انعام دے کر جو فوائد حاصل کرنا چاہتی تھیں' وہ کر لیا۔ جیسا کہ قارئین کرام اس کتاب کے مطالعہ کے دوران خود دیکھیں گے کہ یہ انعام ڈاکٹر عبدالسلام کو فزکس کی دنیا میں کوئی انقلابی تھیوری پیش کرنے پر نہیں دیا گیا بلکہ اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کی خدمات انجام دینے کا صلہ ہے۔ نوبل انعام کمیٹی کی پس پردہ قوتوں کو اس انعام کی آڑ میں ایک دفعہ پھر عالمی رائے عامہ کو اسلام اور پاکستان کے خلاف دل کھول کر پراپیگنڈہ کرنے کا موقع ملا۔ اس انعام کے بعد قادیانی ذریت نے مغربی ذرائع ابلاغ کے کندھوں پر سوار ہو کر اسلام اور پاکستان کو بہت بدنام کیا ہے۔ رجعت پسند' دہشت گرد' بنیادی انسانی حقوق کے غاصب' تنگ دل' متعصب' ترقی دشمن الغرض' کون سی گالی ہے جو اسلام دشمن مغربی دانش وروں اور سیاست دانوں نے قادیانیوں کے ساتھ مل کر ہمیں نہیں دی ہے۔

اگر محض سائنس ہی حقیقت نما ہوتی تو آج سائنس دان دنیا کے سب سے بڑے موحد اور حق پرست ہوتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سائنس اپنی اصل کے اعتبار سے (بلکہ نبوت اور خداداد راست فکری کے بعد سب سے بڑی) کشاف حقیقت ہے۔ سائنس دانوں میں بھی' بڑے بڑے خدا پرست ہوئے ہیں اور ہیں لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ بعض بڑے سائنس دان بھی حقیقت کو نہ پا سکے۔ یہاں تک کہ بعض ہندو سائنس دانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ جن لیبارٹریوں میں انہوں نے انکشافات کے کارنامے انجام دیئے' وہاں کرشن اور رام کی مورتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ بعض ہندو یا بت پرست سائنسدانوں کی زندگی کے روزمرہ معمول میں صبح کا آغاز مورتی پوجا سے ہونا بتایا گیا۔ ان حالات میں جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے نوبل پرائز سے ملنے والی رقم کا دسواں حصہ قادیانی جماعت کے فنڈ میں دیا' یا یہ کہ موصوف نے' اٹلی میں قائم اپنے سیاسی مرکز میں بعض سائنس دانوں کی تصاویر کے ساتھ ساتھ فرقہ ضالہ کے بانی' آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی تصویر بھی سجا رکھی تھی تو ہمیں ہندو سائنس دانوں اور اس مرزائی سائنس دان میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔

قادیانیوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز دیا جانا' کسی پاکستانی کے اعزاز کے بجائے اسے قادیانی نبوت کی روحانی فتوحات کا ایک حصہ اور "حضرت صاحب" کے تصرف کا کرشمہ قرار دیا۔ پھر ان باطل دعووں کا نہایت شد و مد سے ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ اس غلط پراپیگنڈے نے بعض مرعوب ذہنوں کو مسموم بھی کیا۔ قادیانیوں کی اس جسارت پر غیرت مند اور ختم نبوت کے پروانے اہل قلم تڑپ اٹھے۔ چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر نہایت ہی بصیرت افروز مقالات سپرد قلم فرمائے' جو نہایت کثرت سے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ جن کی اشاعت نے مرزائی ڈھنڈورچیوں کا پول کھول دیا۔ ان کے فریب کا پردہ چاک ہوا' راسخ العقیدہ اور دردمند مسلمان اہل قلم کے بروقت قلمی تعاقب نے لاتعداد معصوم ذہنوں کو گمراہ ہونے سے بچالیا۔

قارئین کرام آئندہ صفحات میں ان مقالات کا مطالعہ کریں گے تو انہیں ان کی قدر و قیمت کا خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔ ممتاز اہل قلم کی یہ منتخب تحریریں' دینی و ملی حمیت کی

حامل ہیں۔ لکھنے والوں نے محض مخالفت برائے مخالفت کی بناء پر قلم و قرطاس کا استعمال نہیں کیا بلکہ موضوع کو ملک و ملت کے لیے سنگین خطرہ سمجھ کر قلم اٹھایا ہے اور موضوع کی وضاحت کا حق ادا کر دیا ہے۔ قادیانیوں نے ان تحریروں کو شائع ہونے سے روکنے کے لیے کیا کیا حربے اختیار کیے اور نوکر شاہی میں گھسے ہوئے نام نہاد حکام ایجنٹوں کو جس طرح استعمال کیا' اس کا اندازہ کتاب میں شامل مقالے "ڈاکٹر عبدالسلام' قادیانی اور نوبل انعام" کے تعارفی نوٹ سے ہوتا ہے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں کہ "ماہنامہ بینات" میں حکام نے اس مقالے کو شائع نہیں ہونے دیا۔

کتاب میں شامل مقالات ختم نبوت کے میدان میں بہت بڑی اسلامی خدمت بلکہ جہاد بالقلم کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن مختلف اخبارات و جرائد میں بکھری ہونے کی بناء پر سب لوگوں کے لیے ان سے مستفید و مستفیض ہونا ممکن نہیں ہے۔ نیز یہ خدشہ بھی ہے کہ یہ بیش قیمت مضامین وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اخبارات و رسائل کے صفحات میں گم ہو کر فراموش نہ ہو جائیں۔ جناب متین خالد نے انہیں کتابی شکل دے کر بکھرے موتیوں کو لڑی میں پرو کر بیش قیمت مالا بنا دیا ہے۔

متین خالد عقیدہ ختم نبوت کی لازوال محبت سے سرشار صالح نوجوان ہیں۔ انہوں نے گزشتہ چند برسوں کی قلیل مدت میں اس میدان میں نہایت ہی قابل قدر لٹریچر فراہم کیا ہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ پہلے انہوں نے "ثبوت حاضر ہیں" کے نام سے ایک ضخیم کتاب مرتب اور شائع کی ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی طرف سے کچھ کہے بغیر' قادیانیت کی "امہات" تحریریں جمع کر دی ہیں۔ اگر کسی کے دل میں ذرا سا بھی قبول حق کا مادہ ہو گا اور جو بھی مرزائی اسے دل و دماغ کو کھلا رکھ کر پڑھے گا' وہ ہدایت پائے گا۔ متین خالد صاحب نے مقالات جمع کرنے کے لیے بڑی محنت اور عرق ریزی کی ہے۔ یقیناً امت مسلمہ کو اس محنت سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ ان کی دیگر تصنیفات کی طرح انشاء اللہ یہ کاوش بھی قبول عام کی سعادت حاصل کرے گی۔ وما توفیقی الا باللہ

حفیظ الرحمٰن قریشی عفا اللہ عنہ

۲۳ مارچ ۱۹۹۸ء' لاہور

زیر نقاب

اسلام دشمن قوتوں کو ہمیشہ ہی سے ایسے بدقماش اور ننگ وطن آلہ کاروں کی ضرورت رہی ہے' جو ملت اسلامیہ کے حساس اور خفیہ معاملات کی مخبری کر کے ان کے ناپاک عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ اس مقصد خبیثہ کے لیے انہیں اپنے پرانے نمک خواروں کا مکمل تعاون حاصل رہا ہے' جنہیں انہوں نے اپنے خزانہ عامرہ کا منہ کھول کر ہر قسم کی پرتعیش مراعات فراہم کیں۔ بلاشبہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ایسے ہی ضمیر فروش لوگوں میں شامل تھے۔

دوسرے شعبوں کی طرح نوبل انعام میں بھی یہودیوں کی اجارہ داری ہے۔ ان کا غرور' نخوت' اور تعصب کسی ایسے شخص کو خاطر میں نہیں لاتا' جو ان کی سازشوں اور مکروہ سرگرمیوں کا حامی اور آلہ کار نہ ہو۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی' یہودیوں کے اس میرٹ پر سوفیصد پورے اترتے تھے' لہٰذا انہوں نے ایک سازش کے تحت ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام سے نوازا اور اس کی آڑ میں اپنے خفیہ مقاصد حاصل کیے۔

ڈاکٹر عبدالسلام نے مغربی طاقتوں اور اسرائیل کے اشارے پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سمیت تمام دوسرے محب وطن سائنس دانوں کو بے حوصلہ کرنے کے متعدد اقدامات کیے۔ پاکستان کے تمام ایٹمی راز ملک دشمن ممالک کو فراہم کیے۔ انہیں کہوٹہ ایٹمی سنٹر اور دوسرے حساس قومی معاملات کی ایک ایک خبر پہنچاتے رہے۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کبھی بھی دفاع کے معاملے میں خودکفیل نہ ہو سکے اور ہمیشہ بڑی طاقتوں کا دست نگر رہے۔

گوئبلز نے کہا تھا کہ اتنا جھوٹ بولو' اتنا جھوٹ بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے۔ بالکل یہی فلسفہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے متعلق اپنایا گیا۔ ہمارے نام نہاد صحافیوں اور دانشوروں نے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اس "غدار پاکستان" کو ہیرو بنا کر پیش کیا جو انتہائی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو ہیرو بنا کر پیش کرنے والے ان عقل کے اندھوں سے پوچھنا چاہیے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے تمام تر مراعات حاصل کرنے کے باوجود اپنی پوری زندگی کی "تحقیق" کے نتیجے میں عالم اسلام بالخصوص پاکستان کو کیا تحفہ دیا؟ ان کی کون سی ایجاد یا دریافت ہے' جس نے ہمارا

سر فخر سے بلند کیا؟ ان کا کون سا کارنامہ ہے' جس سے پاکستان کو کوئی فائدہ پہنچا؟ ان کی کون سی خدمت ہے' جس سے اہل پاکستان کے مسائل میں ذرا سی بھی کمی واقع ہوئی؟ انہوں نے کون سا ایسا تیر مارا' جس پر انہیں نوبل انعام سے نوازا گیا؟ یہ سوالات آج تک تشنہ جوابات ہیں!

ڈاکٹر عبدالسلام مسلمانوں کو کیا سمجھتے تھے؟ اس سلسلہ میں معروف صحافی و کالم نویس جناب تنویر قیصر شاہد نے ایک دلچسپ مگر فکر انگیز واقعہ اپنی ذاتی ملاقات میں مجھے بتایا۔ یہ واقعہ انہی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ لندن میں قیام کے دوران بی بی سی لندن کی طرف سے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بطور معاون' ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر ان کا تفصیلی انٹرویو کرنے گیا۔ میرے دوست نے ڈاکٹر سلام کا خاصا طویل انٹرویو کیا اور ڈاکٹر صاحب نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ جوابات دیے۔ انٹرویو کے دوران میں بالکل خاموش' پوری دلچسپی کے ساتھ سوال و جواب سنتا رہا۔ دوران انٹرویو انہوں نے ملازم کو کھانا دسترخوان پر لگانے کا حکم دیا۔ انٹرویو کے تقریباً آخر میں ڈاکٹر عبدالسلام مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ آپ معاون کے طور پر تشریف لائے ہیں مگر آپ نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میری خواہش ہے کہ آپ بھی کوئی سوال کریں۔ ان کے اصرار پر میں نے بڑی عاجزی سے کہا کہ چونکہ میرا دوست آپ سے بڑا جامع انٹرویو کر رہا ہے اور میں اس میں کوئی تشنگی محسوس نہیں کر رہا' ویسے بھی میں آپ کی شخصیت اور آپ کے کام کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے آپ کے متعلق خاصا پڑھا بھی ہے۔ جھنگ سے لے کر اٹلی تک آپ کی تمام سرگرمیاں میری نظروں سے گزرتی رہی ہیں لیکن پھر بھی ایک خاص مصلحت کے تحت میں اس سلسلہ میں کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام فخریہ انداز میں مسکرائے اور ایک مرتبہ پھر اپنے علمی گھمنڈ اور غرور سے مجھے "مفتوح" سمجھتے ہوئے "فاتح" کے انداز میں "حملہ آور" ہوتے ہوئے کہا کہ "نہیں... آپ ضرور سوال کریں' مجھے بہت خوشی ہوگی"۔ بالآخر ڈاکٹر صاحب کے پرزور اصرار پر میں نے انہیں کہا کہ آپ وعدہ فرمائیں کہ آپ کسی تفصیل میں گئے بغیر میرے سوال کا دو ٹوک الفاظ "ہاں" یا "نہیں" میں جواب دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے وعدہ فرمایا کہ "ٹھیک! بالکل ایسا ہی ہوگا؟" میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ چونکہ آپ کا تعلق قادیانی جماعت سے ہے' جو نہ صرف حضور نبی کریم ﷺ کی بحیثیت آخری نبی منکر ہے' بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد آپ لوگ (قادیان' بھارت کے ایک مخبوط الحواس شخص) مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں۔ جبکہ مسلمان مرزا قادیانی کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ ماننے پر آپ مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام بغیر کسی توقف کے بولے کہ "میں ہر اس شخص کو کافر سمجھتا ہوں جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا"۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے اس جواب پر میں نے انہیں کہا کہ مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا۔ اس موقع

پر انہوں نے اخلاق سے گری ہوئی ایک عجیب حرکت کی کہ اپنے ملازم کو بلا کر دستر خوان سے کھانا اٹھوا دیا۔ پھر ڈاکٹر صاحب کو پریشان دیکھ کر ہم دونوں دوست ان سے اجازت لے کر رخصت ہوئے"۔

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک متعصب اور جنونی قادیانی تھے جو سائنس کی آڑ میں قادیانیت پھیلاتے رہے۔ انہوں نے پوری زندگی میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو اسلام اور پاکستان دشمن ممالک کے مقاصد سے متصادم ہو۔ پاکستان کے دفاع کے متعلق بھارت' اسرائیل یا امریکہ کے خلاف ایک لفظ بھی کہنا' ان کی ایمان دوستی کے منافی تھا۔ درحقیقت قادیانیت نقل بمطابق اصل کا ایسا پیکنگ ہے' جس کی ہر زہریلی گولی کو ورق نقرہ میں ملفوف کر دیا گیا ہے۔ انگریز نے اس مذہب کو الہامات و روایات اور کشف و کرامات کے سانچوں میں ڈھال کر پروان چڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کے دل و دماغ بلکہ جسم و جان تک انگریز کی قید میں ہوتے ہیں۔ جسے اس نے ہمیشہ اپنے مفاد کی خاطر استعمال کیا۔

یہ ایک المیہ ہے کہ قادیانیوں کے مکر و فریب اور سازشوں کی بھٹیوں میں اسلام مدتوں سے جل رہا ہے اور ہمارے نام نہاد دانشوروں کا ایک خاص گروہ جن کی جبینوں اور عقلوں پر جہالت اور اغراض کے دھندلکوں اور جالوں نے قبضہ کر رکھا ہے' قادیانیت کو مضبوط بنانے میں مصروف ہے۔ یہ لوگ چند ٹکوں کی خاطر وطن کی سالمیت اور ناموس سے کھیل جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سانحہ ہے جسے ایک بے رحم مورخ ہی بے نقاب کر سکتا ہے۔

؎ بڑا مزا ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کر دے

بلاشبہ ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کی تاریخ کا منحوس اور بھیانک کردار ہے جن کی سازشوں سے پاکستان کو تعلیمی' سائنسی بالخصوص دفاعی لحاظ سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ زیر نظر کتاب ڈاکٹر عبدالسلام کی اسلام اور پاکستان کے خلاف "زیر نقاب" مکروہ سازشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس کے مطالعے سے نہ صرف ہر محب وطن کی آنکھیں کھل جائیں گی بلکہ انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرے گا۔

اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں حضرت مولانا اللہ وسایا (چیف ایڈیٹر ہفت روزہ "ختم نبوت انٹرنیشنل" کراچی)' جناب سعید اللہ صدیق (مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور) جناب محمد طاہر رزاق' جناب ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری' جناب رفیق غوری (چیف ایڈیٹر جی۔ این۔ این) جناب حافظ شفیق الرحمٰن (روزنامہ "پاکستان")' محترم سید محمد کفیل شاہ بخاری (مدیر "نقیب ختم نبوت" ملتان)' محترم خالد لطیف چیمہ (چیچہ وطنی)' برادر مکرم محمد شاہین پرواز' جناب عزیز الرحمٰن ثانی اور محمد اعجاز بلوچ نے بھرپور معاونت اور قیمتی مشوروں سے نوازا جس کے لیے میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مجاہد ختم نبوت جناب ظفر اقبال (جرمنی) میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں کہ جن کے بھرپور تعاون سے یہ کتاب جلد منظر عام پر آگئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محمد متین خالد لاہور کینٹ

غدارِ پاکستان

غدارِ پاکستان

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے لئے نوبل انعام تجویز ہوا۔ اور ۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو یہ انعام دے دیا گیا ——

یہ انعام کیا ہے؟ اور قادیانی اس سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں ان امور پر غور و فکر کی ضرورت تھی مگر ان امور پر پردہ ڈالنے کے لئے قادیانی یہودی لابی نے اس کا بے پناہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ کسی کو اس پر غور و فکر کا موقع ہی نہ ملا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نوبل انعام کا حصول گویا ایک مافوق الفطرت معجزہ ہے، جو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے ذریعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس کو مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت کی دلیل بنانے کی بھی کوشش کی گئی، بہت سے مسلمان جن کو نہیں معلوم کہ نوبل انعام کیا چیز ہے اور جو نہیں جانتے تھے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کون ہے؟ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نوبل انعام کی حقیقت واضح کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اور اس کی قادیانی یہودی لابی اس نوبل انعام سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے اور آئندہ اسلامی ممالک پر اس کے اثرات کیا ہوں گے۔

نوبل انعام کیا چیز ہے؟

محمد مجیب اصغر قادیانی نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی پر ایک کتابچہ "پہلا احمدی مسلمان سائنس دان عبدالسلام" کے نام سے بچوں کے لئے لکھا ہے، جس میں وہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالے سے لکھتا ہے:

"بچو! نوبل انعام ایک سویڈش سائنس دان مسٹر الفرڈ بن ہارڈ نوبیل کی

یاد میں دیا جاتا ہے۔ نوبیل ۲۱ اکتوبر ۱۸۳۳ء میں سٹاک ہوم کے مقام پر جو کہ سویڈن کا دارالحکومت ہے پیدا ہوا اور ۱۰ دسمبر ۱۸۹۶ء کو اٹلی میں فوت ہوا نوبیل ایک بہت بڑا کیمیا دان اور انجینئر تھا۔ اس کی وصیت کے مطابق ایک فاؤنڈیشن بنائی گئی جس کا نام نوبیل فاؤنڈیشن رکھا گیا۔ یہ فاؤنڈیشن ہر سال ۵ انعامات دیتی ہے۔ ان انعامات کی تقسیم کا آغاز دسمبر ۱۹۰۱ء میں ہوا جو کہ الفرڈ نوبیل کی پانچویں برسی تھی۔

نوبل انعام فزکس، فزیالوجی، کیمسٹری یا میڈیسن، ادب اور امن کے شعبوں اور میدانوں میں نمایاں اور امتیازی کارنامہ سرانجام دینے والے کو دیا جاتا ہے۔ ہر انعام ایک طلائی تمغہ اور سرٹیفکیٹ اور رقم بطور انعام جو کہ تقریباً ۸۰ ہزار پونڈ پر مشتمل ہوتی ہے دی جاتی ہے۔ نوبیل انعام حاصل کرنے والے امیدواروں کے نام مختلف ایجنسیوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور وہ انعام کے صحیح حقدار کا فیصلہ کرتی ہیں، مثلاً فزکس اور کیمسٹری رائل اکیڈمی آف سائنس سٹاک ہوم کے سپرد ہوتی ہے۔ فزیالوجی یا میڈیسن کیرولین میڈیکل انسٹیٹیوٹ سٹاک ہوم کے سپرد ہوتی ہے۔ ادب کا مضمون سویڈش اکیڈمی آف فرانس اور اسپین کے سپرد اور امن کا انعام ایک کمیٹی کے سپرد ہوتا ہے جس کے پانچ ممبر ہوتے ہیں جو کہ ناروجین پارلیمینٹ چنتی ہے۔ "

(کتاب مذکورہ صفحہ ۵۱۴۹)

نوبل انعام کے بارے میں مزید معلومات یہ ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

(۱) الفریڈ برنارڈ نوبل ڈائنامائٹ کا موجد اور سائنٹسٹ تھا جنگی آلات، بارود اور تارپیڈا وغیرہ پر تحقیقات کرتا رہا، بالاخر اس نے جنگی آلات تیار کرنے والی دنیا کی سب سے نامور کمپنی "بوفورز کمپنی" خرید لی۔

(۲) ڈائنامائٹ کے تجربات کرتے اس کے بھائی کی اور تین اور اشخاص کی موت واقع ہوئی، جو اس کے تجربات کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس سے اس شخص پر قنوطیت کی کیفیت طاری ہوئی۔ اور گویا اس کے کفارہ میں اس نے اپنی جائیداد کا بڑا حصہ "نوبل انعام" کے لئے وقف کر دیا۔

(۳) وقف کی اصل رقم (اس زمانہ کے ایکسچینج کے مطابق) تراسی لاکھ گیارہ ہزار ڈالر تھی۔ وصیت یہ کی گئی کہ اصل رقم بینک میں محفوظ رہے، اور اس کے سود سے انعامات کی رقم پانچ شعبوں میں (جن کا تذکرہ مذکورہ بالا اقتباس میں آچکا ہے۔) مساوی تقسیم کی جائے۔

ہر شعبہ میں اگر ایک ہی آدمی انعام کا مستحق قرار دیا جائے تو اس شعبہ کے حصہ کی پوری انعامی رقم اس کو دی جائے اور اگر کسی شعبے میں ایک سے زائد افراد کے نام (جن کی تعداد تین سے زیادہ کسی صورت نہیں ہونی چاہئے) انعام کے لئے تجویز کئے جائیں تو اس شعبہ کے حصہ کی سودی رقم ان افراد میں برابر تقسیم کر دی جائے۔ ایک شرط یہ بھی رکھی گئی کہ اگر مجوزہ شخص انعام وصول کرنے سے انکار کر دے تو اس کا حصہ اصل زر میں شامل کر دیا جائے۔

چنانچہ ۱۹۴۸ میں ہر شعبہ کے حصہ میں سود کی یہ سالانہ رقم بتیس ہزار ڈالر آئی اور ۱۹۸۰ء میں یہ سودی رقم بڑھ کر دو لاکھ دس ہزار ڈالر ہو گئی۔

(۴) فزکس کے شعبہ میں تقریباً سو افراد کو یہ سودی انعام مل چکا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں سر سی وی رمن (ہندوستانی ہندو) واحد شخص تھا جس کو فزکس میں نوبل انعام ملا اور ۱۹۸۳ء میں ایک اور ہندوستانی امریکن کو یہ انعام ملا۔

(۵) ادب کے شعبہ میں رابندر ناتھ ٹیگور بنگالی ہندو کو ۱۹۱۳ء میں یہ نوبل انعام ملا۔ گزشتہ چند سالوں میں جنوبی امریکہ کے چند باشندوں اور جاپان کے ادیب کو نوبل انعام ملا۔

(۶) امن کے شعبہ میں ۱۹۷۳ء میں امریکہ کے ہنری کیسنجر اور شمالی ویت نام کے مسٹر تھو کو نوبل انعام ملا۔ لیکن مسٹر تھو کی غیرت نے اس انعام کے وصول کرنے سے انکار کر دیا ان دونوں کے لئے یہ انعام ویت نام میں جنگ بندی کی بات چیت کی بنا پر تجویز کیا گیا تھا۔

۱۹۷۹ء میں ہندی قومیت کی حامل ایک متجردہ خاتون ''ٹریسا'' کو امن کے ''نوبل انعام'' سے نوازا گیا اور ۱۹۷۸ء میں مصر کے سابق صدر انور سادات اور اسرائیل کے اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر بیگن کو ''امن کا نوبل انعام'' عطا کیا گیا۔ محض اس

خوشی میں کہ موخرالذکر نے اول الذکر سے "اسرائیل" کو باقاعدہ تسلیم کرالیا تھا۔

مندرجہ بالا اشارات سے درج ذیل امور معلوم ہوئے۔

اول۔ یہ کہ انعامات اس شخص (مسٹر نوبل) کی یاد میں دیئے جاتے ہیں جس نے دنیا کو مہلک ہتھیاروں کا سبق پڑھایا اور جو امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ وغیرہ کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔

دوم۔ یہ انعامات جس رقم سے دیئے جاتے ہیں وہ خالص سود کی رقم ہے، جس کے لینے دینے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون قرار دیا ہے۔

"عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا مو کلہ کاتبہ و شاہدیہ وقال ھم سواء"

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ سود لینے والے پر، اس کے دینے والے پر، اس کے لکھنے والے پر، اس کے گواہوں پر اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

اور جس کو قرآن کریم نے خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے:

فان لم تفعلو افاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ۔

سوم۔ یہ انعام نہ کوئی خرق عادت معجزہ ہے اور نہ انسانی تاریخ کا کوئی غیر معمولی واقعہ ہے۔ مختلف ممالک میں سرکاری اور نجی طور پر مختلف قسم کے انعامات جو ہر سال تقسیم کئے جاتے ہیں، اسی قسم کا ایک انعام یہ "نوبل انعام" بھی ہے۔ چنانچہ یہ "نوبل انعام" ہر سال کچھ لوگوں کو ملتا ہے۔ ہندوستان اور بنگال کے ہندوؤں کو بھی مل چکا ہے۔ اسرائیل کے یہودی کو بھی دیا جاچکا ہے اور نصرانی مبلغہ "ٹریسا" بھی اس شرف سے (اگر اس کو شرف کہنا صحیح ہے) مشرف ہوچکی ہے۔

الغرض یہ نوبل انعام جو قریباً ایک صدی سے مروج ہے، سینکڑوں اشخاص کو مل چکا ہے۔ کیا یہ کہیں سننے میں آیا ہے کہ سینکڑوں یہودی، نصرانی اور دہریئے یہ کہہ کر دنیا پر پل پڑے ہوں کہ ہمیں نوبل انعام کا ملنا ہمارے مذہب کی حقانیت کی دلیل ہے۔ یہ

میرے مذہب کے برحق ہونے کا معجزہ ہے لہٰذا میرا دین اور میرا نظریہ حیات سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو جو انعام دیا گیا تھا وہ ایک مشترکہ انعام تھا جو طبیعات کے شعبہ میں ۱۹۷۹ء میں تین اشخاص کو دیا گیا جن میں ایک ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی بھی تھا۔ اس سے بڑا کارنامہ تو اس ہندو کا تھا۔ جس نے ۱۹۳۰ء میں طبیعات کا انعام تن تنہا حاصل کیا۔ اب اگر ایک قادیانی کو طبیعات کا مشترکہ انعام ملنا اس کے مذہب کی حقانیت کی دلیل ہے تو اس سے نصف صدی قبل ایک ہندو کو تن تنہا ہی انعام ملنا بدرجہ اولیٰ ہندو مذہب کی حقانیت کی دلیل ہونی چاہئے۔ اس لئے اس کو ایک غیر معمولی اور خرق عادت واقعہ کی حیثیت سے پیش کرنا قادیانی مراق کی شعبدہ کاری ہے۔

چہارم۔ ان انعامات کی تقسیم میں تقسیم کنندگان کی کچھ سیاسی و مذہبی مصلحتیں کار فرما ہوتی ہیں اور جن افراد کو ان انعامات کے لئے منتخب کیا جاتا ہے ان کے انتخاب میں بھی یہی مصلحتیں جھلکتی ہیں۔

چنانچہ ان سینکڑوں افراد کے ناموں کی فہرست پر سرسری نظر ڈالئے.......... جن کو نوبل انعام سے نوازا گیا ان میں آپ کو الا ماشاء اللہ سب کے سب یہودی، عیسائی اور دہریئے نظر آئیں گے۔ سویڈن کے منصفوں کی نگاہ میں پوری صدی میں ایک مسلمان بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو طب، ادب، طبیعات وغیرہ کے کسی شعبہ میں کوئی اہم کارنامہ انجام دے سکا ہو، ہر شخص منصفان سویڈن کی نگاہ انتخاب کی داد دے گا۔ جب وہ یہ دیکھے گا کہ رابندر ناتھ ٹیگور ہندو کو بنگالی زبان کی شاعری پر نوبل انعام کا مستحق سمجھا گیا۔ جاپانی ادیب کو اپنی زبان میں ادبی کارنامے پر نوبل انعام کا استحقاق بخشا گیا۔ جنوبی امریکہ کی ریاستوں کے باشندوں کے اپنی زبانوں میں ادبی کارناموں کو مستند سمجھتے ہوئے لائق انعام سمجھا گیا۔ لیکن برکوچک پاک وہند کے کسی ادیب، کسی شاعر اور کسی صاحب فن کی طرف منصفان سویڈن کی نظریں نہیں اٹھ سکیں.......... کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ مسلمان تھے۔ مثال کے طور پر ہمارے علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کو لیجئے، پوری دنیا میں ان کے ادب و زبان کا غلغلہ بلند ہے۔ انگلستان کے نامور پروفیسروں نے ان کے ادبی شہ پاروں کو انگریزی میں منتقل کیا ہے اور دانایان مغرب، علامہ کے افکار پر سر دھنتے ہیں۔ لیکن وہ

نوبل انعام کے مستحق نہیں گردانے گئے ہیں۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان تھے۔ حکیم اجمل خان مرحوم نے شعبہ طب میں کیسا نام پیدا کیا۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی وغیرہ نے سائنسی ریسرچ میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ لیکن نوبل انعام کے مستحق نہ ٹھہرے۔ یہ تو چند مثالیں محض برائے تذکرہ زبان قلم پر آگئیں۔ ورنہ ایک صدی کے پوری دنیائے اسلام کے نابغہ افراد کی فہرست کون مرتب کر سکتا ہے۔ لیکن کسی کو نوبل انعام کے لائق نہیں سمجھا گیا اور ڈاکٹر عبدالسلام میں کوئی خوبی تھی یا نہیں تھی مگر اس کی یہی ایک خوبی تھی کہ وہ قادیانی تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کا یہودیوں سے بھی بڑھ کر دشمن تھا۔ بس اس کی یہی خوبی منصفان سویڈن کو پسند آگئی اور نوبل انعام اس کے قدموں میں نچھاور کر دیا گیا۔

اگر ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ایسا ہی لائق سائنس دان تھا تو جس دن ہندوستان نے ۱۹۷۳ء میں ایٹمی دھماکہ کیا تھا ڈاکٹر عبدالسلام کو اس سے اگلے ہی دن پاکستان میں جوابی ایٹمی دھماکہ کر دینا چاہئے تھا یہ اس وقت صدر پاکستان کا ایٹمی مشیر تھا اور ایسا ایٹمی دھماکہ اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا نام تو ہے نیوکلر ایٹمی فزکس کے شعبہ میں مہارت کا۔ لیکن اس کی بے لیاقتی (یا پاکستان دشمنی) نے پاکستان کو ہندوستان کے مقابلے میں سالوں پیچھے دھکیل دیا، اس وقت جبکہ ہندوستانی سائنس دانوں نے اپنی لیاقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کر دکھایا ہوتا تو ایٹمی صلاحیت میں پاکستان دریوزہ گر مغرب نہ ہوتا اور بین الاقوامی سیاسی تناظر میں ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت پر کوئی حرف گیری نہ کی جاتی۔ بین الاقوامی سطح پر یہ سمجھا جاتا کہ ہندوستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تو پاکستان نے بھی کر دیا اور یوں بات آئی گئی ہو جاتی لیکن ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی اس وقت کی نا اہلی، بے لیاقتی اور پاکستان دشمنی نے یہ دن دکھایا کہ آج سارے عالم میں پاکستان کی ایٹمی ریسرچ کے خلاف شور و غوغا کیا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ امریکہ بہادر جو پاکستان کا سب سے بڑا ہمدرد اور حلیف تصور کیا جاتا ہے، وہ بھی آئے دن ہمیں ایٹمی ریسرچ کے خلاف متنبہ کرتا رہتا ہے اور بھارت پاکستان کی "نیوکلر انرجی" کے خلاف دنیا بھر کے ذہن کو مسموم کرتا رہتا ہے اور لطف یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے بھارت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی سے

دوستانہ روابط ہیں اس پورے تناظر میں دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی سائنسی مہارت کا حدود اربعہ کیا ہے؟ .... اور یہ کہ وہ پاکستان کا کس قدر مخلص ہے۔

پنجم۔ بعض غیور اور باحمیت افراد اس سودی انعام کے وصول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک خاص قسم کی "رشوت" ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام کیوں دیا گیا؟

۱۹۷۹ء میں دو امریکن سائنس دانوں کے ساتھ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بھی فزکس کے شعبہ میں مسٹر نوبل کے وصیت کردہ سودی انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ (اور اس شعبہ کا حصہ ان تینوں میں تقسیم ہوا) یقیناً اس سے بھی یہودی قادیانی لابی کے تہہ در تہہ مفادات وابستہ ہونگے۔ جن کی طرف اہل نظر نے دبے الفاظ میں اشارے بھی کئے ہیں چنانچہ ہمارے ملک کے نامور سائنس دان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب سے ایک انٹرویو میں جب سوال کیا گیا کہ۔

> "ڈاکٹر عبدالسلام صاحب (قادیانی) کو جو نوبل انعام ملا ہے اس کے بارے میں آپ کی رائے؟"

جواب میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

> "وہ بھی نظریات کی بنیاد پر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام ۱۹۵۷ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے آخر کار آئن شائن کی صد سالہ یوم وفات پر ان کا مطلوبہ انعام دے دیا گیا دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے جو ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔ یہودی چاہتے تھے کہ آئن شائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا جائے سو ڈاکٹر عبدالسلام کو بھی انعام سے نوازا گیا۔"
>
> (ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ فروری ۱۹۸۶ء جلد ۲۷ شمارہ ۴)

یہودی قادیانی مفادات کی ایک جھلک

جیسا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ یہودی قادیانی مفادات متحد

ہیں، قادیانیت، یہودیت و صیہونیت کی سب سے بڑی حلیف ہے، اور عالمی سطح پر پروپیگنڈا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے میں دونوں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں اب ذرا جائزہ لیجئے کہ قادیانیوں نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو ملنے والے نوبل سودی انعام سے کیا مفادات حاصل کیے۔

ا۔ سب سے پہلے اس انعام کی ایسے غیر معمولی طریقے پر تشہیر کی گئی اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو ایک مافوق الفطرت شخصیت ثابت کرنے کا بے پناہ پروپیگنڈا کیا گیا۔ اور اس انعام کو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے اپنے روحانی پیشوا مرزا غلام قادیانی کی نبوت کا معجزہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ قادیانی اخبار روزنامہ الفضل نے ۱۳ نومبر ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں لکھا:

"نوبل انعام ملنے سے ایک دن پہلے"

"لندن، جماعت احمدیہ برطانیہ کے زیر اہتمام لندن مسجد کے محمود ہال میں سنڈے اسکول کے طلباء سے پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام نے جو خطاب فرمایا اس کے بارے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس خطاب میں محترم ڈاکٹر صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ارشاد سنایا۔"

"میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔"

اور اسی موقع پر مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیش گوئی کی طرف توجہ دلائی کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت دی ہے کہ وہ علم و عقل میں اس قدر ترقی کریں گے کہ دنیا ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

یہ تقریب ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو ہوئی اور اس سے اگلے ہی دن ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام دینے کا اعلان کر دیا

گیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ علیٰ ذالک"

محمود مجیب قادیانی نے اپنے کتابچہ "ڈاکٹر عبدالسلام" میں لکھا ہے۔

"ان کے وجود سے بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی ایک عظیم پیش گوئی پوری ہوئی تھی جیسا کہ اس واقعہ سے اسی (۸۰) سال پہلے آپ نے خدا سے خبر پاکر اعلان کیا تھا کہ :

"میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے اثر سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔"

(صفحہ ۷)

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے خود بھی قادیانیوں کے سالانہ جلسہ ۱۹۷۹ء میں تقریر کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کی اس پیش گوئی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا :

"میں اس پاک ذات کی حمد و ستائش سے لبریز ہوں کہ اس نے امام وقت، میرے والدین کی اور جماعت کے دوستوں کی مسلسل اور متواتر دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا اور عالم اسلام اور پاکستان کے لئے خوشی کا سامان پیدا کر دیا۔"

(قادیانی اخبار "الفضل" ربوہ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء)

اس طرح قادیانیوں نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو دیئے گئے سودی انعام کا مسلسل پروپیگنڈا کیا، اسے ایک معجزہ اور انسانی تاریخ کے ایک مافوق الفطرت واقعہ کے رنگ میں پیش کیا اور اس کے حوالے سے سادہ لوح لوگوں کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا یہ انعام حاصل کرنا گویا مرزا غلام قادیانی کی صداقت کا ایک معجزہ ہے۔ حالانکہ اہل نظر جانتے ہیں کہ ان چیزوں سے، جن کو قادیانی ملاحدہ مابہ الافتخار سمجھتے ہیں حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کو کوئی مناسبت نہیں، جو ایک یہودی کو، ایک عیسائی کو، ایک ہندو کو ایک بد ھسٹ کو اور ایک چوہڑے چمار کو بھی میسر آسکتی ہے، وہ کسی نبی یا اس کے امتی کے لئے مایۂ افتخار کیسے ہو سکتی ہے؟ بلکہ اس کے برعکس اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ سود جیسی ملعون چیز کے ملنے پر فخر کرنا قادیانیوں اور ان کے متنبی کذاب مرزا غلام قادیانی کے جھوٹا ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔

۲۔ قادیانیوں کے اسلام کش نظریات اور کفریہ عقائد کی بناء پر پوری امت اسلامیہ قادیانیوں کو مسیلمہ کذاب کے ماننے والوں کی طرح مرتد اور خارج از اسلام سمجھتی تھی۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان قومی اسمبلی نے آئینی طور پر بھی انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیکر ان کا نام "غیر مسلم باشندگان مملکت" کی فہرست میں درج کر دیا تھا۔ عالم اسلام اور پاکستان پارلیمنٹ کا یہ فیصلہ قادیانیت پر ایک کاری ضرب کی حیثیت رکھتا تھا، جس سے قادیانیت کے ارتدادی جراثیم کے پھیلنے اور پھولنے کے راستے ایک حد تک بند ہو گئے تھے۔ نیز اس سے مرزا غلام احمد قادیانی کی پیش گوئی بھی حرف غلط ثابت ہو گئی تھی۔ مرزا کی پیش گوئی یہ تھی کہ:

"جو لوگ (قادیانی جماعت سے) باہر رہیں گے ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کی حیثیت چوہڑے چماروں کی ہوگی۔ "

مرزا محمود احمد قادیانی کے بقول:

"اس عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ احمدیت کا پودا جو اس وقت بالکل کمزور نظر آتا ہے۔ "

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک دن ایسا تناور درخت بن جائے گا۔ کہ اقوام عالم اس کے سایہ میں آرام پائیں گے اور جماعت احمدیہ جو اس وقت بالکل معمولی اور بے حیثیت سی نظر آتی ہے اس قدر اہمیت اور طاقت حاصل کرے گی کہ دنیا کے مذہب تہذیب و تمدن اور سیاست کی باگ اس کے ہاتھ میں ہوگی، ہر قسم کا اقتدار اسے حاصل ہو گا، اور اپنے اثر و رسوخ کے لحاظ سے یہ دنیا کی معزز ترین جماعت ہوگی۔ دنیا کا کثیر حصہ اس میں شامل ہو جائے گا، ہاں جو اپنی بدقسمتی سے علیحدہ رہیں گے وہ بالکل بے حیثیت ہو جائیں گے سوسائٹی کے اندر ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ دنیا کے مذہبی تمدنی یا سیاسی دائرے کے اندر ان کی آواز ایسی ہی غیر موثر اور ناقابل التفات ہوگی جیسی کہ موجودہ زمانہ میں چوہڑے چماروں کی ہے۔ " (تو گویا قانونی حکومت کے مجوزہ دستور و آئین میں مرزا غلام احمد قادیانی کی پیش گوئی کے بموجب غیر قادیانیوں کی یہ حیثیت ہوگی۔ مؤلف)

(سالانہ جلسہ ۱۹۳۲ء میں مرزا محمود احمد قادیانی کی افتتاحی تقریر مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۲ نمبر ۹ مورخہ ۲۹/ جنوری ۱۹۳۳ء (قادیانی مذہب طبع پنجم ۷۵۸)

لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا کہ قادیانیوں کو "غیر مسلم" قرار دیا گیا۔ اور پاکستان کے آئین میں قادیانیوں کی دونوں جماعتوں...... قادیانی اور لاہوری...... کا نام شیڈول کاسٹ (چوہڑے چماروں) کے بعد درج کر دیا گیا۔

قادیانی یہودی لابی ایک عرصہ سے کوشاں تھی کہ قادیانیوں کے ماتھے سے سیاہی کا یہ داغ کسی طرح مٹا دیا جائے۔ اور اس سڑے عضو کو جسد ملت سے کاٹ کر جو پھینک دیا گیا تھا کسی طرح دوبارہ جسد سے اس کا پیوند لگا دیا جائے۔ چنانچہ قادیانی یہودی لابی نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو ملنے والے نوبل انعام کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا۔ اور اسے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا نشان قرار دے کر ڈاکٹر عبداسلام قادیانی کو "مسلمان سائنس دان" باور کرانے کی کوشش کی۔ قادیانی اخبار روزنامہ "الفضل" ربوہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں

"عالم اسلام کے قابل فخر سپوت اور احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے فدائی نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے کہا کہ سائنس کے میدان میں اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرنے کا صرف یہی طریق ہے کہ ہمارے احمدی نوجوان ان علوم میں درجہ کمال کو پہنچیں۔

محترم ڈاکٹر سلام صاحب نے کہا کہ ہماری جماعت اسلام کے احیاء کے لئے کھڑی ہوئی ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ دیگر علوم کے علاوہ سائنسی علوم میں بھی آگے بڑھیں اور کمال حاصل کریں۔ اور اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو دنیا میں دوبارہ قائم کریں۔"

(الفضل ربوہ۔ ۱۳/ نومبر ۱۹۷۹ء)

۱۸/ دسمبر ۱۹۷۹ء کو پاکستان قومی اسمبلی ہال میں ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو نوبل انعام کی خوشی میں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی۔ اس اجلاس میں

تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے کہا۔ "میں پہلا مسلمان سائنس دان ہوں جسے یہ انعام ملا ہے۔"

اس طرح قادیانیوں نے اٹھتے بیٹھتے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے "پہلا مسلمان سائنس دان" ہونے کا وظیفہ رٹنا شروع کر دیا۔ اس پروپیگنڈا کا مقصد ظاہر تھا کہ اگر ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی "مسلمان" ہے تو باقی قادیانی بھی اسی کے ہم مذہب ہونے کے ناطے "پکے سچے مسلمان" ہیں۔

اس پروپیگنڈا کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے عرب بھائی اور دوسرے ممالک کے حضرات، جو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے مذہب و عقیدے سے واقف نہیں تھے، اس کو واقعتاً مسلمان سمجھنے لگے۔ چنانچہ مراکش کے شاہ حسن نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے نام ایک طویل شاہی فرمان جاری کیا جس کے ذریعہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو مراکش کی قومی اکیڈمی کا کارکن منتخب کیا۔ اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ:

"آپ کی کامیابی سے اسلامی تہذیب و فکر جگمگا اٹھے ہیں۔"

(روزنامہ الفضل ۲۹/ جون ۱۹۸۰ء)

سعودیہ کے شہزادہ محمد بن فیصل السعود نے اپنے برقیہ میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو تہنیت کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ:

"ڈاکٹر سلام کے لئے نوبل انعام مسلمانوں کے لئے باعث مسرت ہے۔ اور ہمیں اس پر بڑی مسرت ہوئی ہے۔"

(قادیانی ہفت روزہ "لاہور" ۱۸/ نومبر ۱۹۷۹ء)

جنوری ۱۹۸۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ترجمان پندرہ روزہ "تہذیب الاخلاق" نے "عبدالسلام نمبر" نکالا، جس میں "اسلام اور سائنس" کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ پروفیسر نسیم انصاری کے قلم سے شائع کیا گیا۔ جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"ابتدا اس اقرار سے کرتا ہوں کہ میرا عقیدہ اور عمل اسلام پر ہے۔ اور

ایں اس وجہ سے مسلمان ہوں کہ قرآن کریم پر میرا ایمان ہے"

(صفحہ ۱۱)

اسی شمارے میں ایک مضمون "عبدالسلام۔ ایک مجاہد سائنس دان" کے عنوان سے پروفیسر آئی احمد (جو غالباً خود بھی قادیانی ہیں) کا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

"وہ (ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی) اپنے دین اسلام کی حقانیت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی ہدایات پر سختی سے عمل بھی کرتے ہیں۔"

(صفحہ ۳۵)

اسی پرچہ میں پروفیسر جان نرمیان (یہ صاحب غالباً یہودی ہیں) کی ایک.......... تقریر کا ترجمہ ڈاکٹر عالم حسین کے قلم سے ہے جس میں کہا گیا ہے۔

"عبدالسلام (قادیانی) دین اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی کو نظریہ وحدت کے لئے وقف کر دیا ہے۔"

(صفحہ ۳۷)

یہ میں نے چند مثالیں ذکر کی ہیں۔ ورنہ اس قسم کی بے شمار تحریریں موجود ہیں جن میں مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو اسلام کی سند عطا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گویا نوبل انعام کے حوالے سے قادیانی یہودی لابی کی طرف سے قادیانیت کو اسلام اور اسلام کو قادیانیت باور کرانے کی گہری سازش کی گئی، جس کے ذریعہ اچھے اچھے سمجھدار حضرات کو فریب دیا گیا ہے۔

(۳) مسٹر نوبل کے وصیت کردہ سودی انعام کے ذریعہ اسلام کی سند حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے خر دجال کی طرح اسلامی ممالک کا دورہ کیا ہے اور جگہ جگہ "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" قائم کرنے کا نعرہ بلند کیا.......... جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ اور ہمدرد عبدالسلام قادیانی ہے۔ چنانچہ اسلامی ممالک نے "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کے نعرے سے مسحور ہو کر اس کی منظوری دے دی، روزنامہ نوائے وقت لکھتا ہے۔

"نوبل پرائز حاصل کرنے والے پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام نے ۱۹۷۳ء میں ایک تجویز پیش کی تھی کہ مسلمان ممالک کو مل کر ایک

اسلامی سائنس فاؤنڈیشن قائم کرنی چاہئے۔ گزشتہ ہفتہ جدہ میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں اس ادارے کے قیام کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا۔ یوں تو اسلامی سربراہ کانفرنس نے فروری ۷۴ء میں ہی ڈاکٹر عبدالسلام کی تجویز کی منظوری دے دی تھی۔ مگر اس پر عملدر آمد کرنے کا فیصلہ اب ہوا ہے۔ جدہ کی جس کانفرنس نے فاؤنڈیشن کے قیام کو عملی صورت دینے کا فیصلہ کیا ہے اس میں دوسرے اسلامی ملکوں کے سائنس دانوں کے علاوہ ڈاکٹر عبدالسلام نے خود بھی شرکت کی ہے اس موقع پر تمام مسلمان ملکوں کے سائنس دانوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز حاصل کرنے پر مبارکباد دی اور اسے اسلامی دنیا کے لئے قابل فخر کارنامہ قرار دیا۔ "

(روزنامہ نوائے وقت اداریہ مورخہ ۱۸/ نومبر ۱۹۷۹ء)

سعودی عرب میں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ لیکن "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کی فسوں کاری دیکھئے کہ جدہ میں ڈاکٹر عبدالسلام کی پذیرائی کی جاتی ہے۔ اسے سائنسی برات کا دولہا بنایا جاتا ہے۔ اور اس کو "اسلامی دنیا کے لئے قابل فخر" قرار دیا جاتا ہے۔

"بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست" ؟

مسلمانوں کی خود فراموشی اور دشمنان اسلام کی عیاری و مکاری کا کمال ہے کہ حجاز مقدس کی برگزیدہ سرزمین کے شہر جدہ میں یہ باضابطہ تسلیم شدہ کافرو مرتد قادیانی "مسلم سائنس فاؤنڈیشن" کا اجلاس منعقد کروا کر اور اس کے دولہا کی حیثیت سے اس میں شرکت کر کے "المملکہ السعودیۃ العربیہ" کے اس قانون کا کس طرح منہ چڑاتا ہے۔ جس کی رو سے سعودی عرب میں قادیانیوں کے لئے داخلہ اور ویزا ممنوع ہے۔ اور یہ تو شکر ہوا کہ اس نے یہ کانفرنس حرمین شریفین میں منعقد نہیں کروائی ورنہ اس کے نجس قدم حرمین شریفین کو گندہ کرتے اور وہ دنیائے اسلام کے اس فیصلہ پر طمانچہ لگاتا کہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لئے حرمین شریفین میں ان کے داخلہ پر پابندی ہے۔ اندازہ کیجئے کہ قادیانی یہودی سازشوں کے جال کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر اپنے مفادات کس طرح حاصل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی حجاز کی مقدس سرزمین میں پذیرائی ہوئی تو اس نے اپنے سحر آفرین نعرے کو مزید بلند آہنگی سے دہرانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ۵/ کروڑ ڈالر کی خطیر رقم اسلامی ممالک سے منظور کرا کے دم لیا۔

قادیانی اخبار ”الفضل ربوہ“ میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا انٹرویو شائع ہوا۔ جس میں ان سے سوال کیا گیا۔

”اسلامی کانفرس نے جو ”سائنس فاؤنڈیشن“ قائم کیا تھا، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟“

اس کے جواب میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے کہا:

”یہ اچھی سمت میں ایک حرکت ہوئی ہے۔ میں اس سے بہت خوش ہوں در حقیقت ابتدائی تجویز موجودہ صورت سے بہت اعلیٰ تھی۔ میں نے ۱۹۷۴ء میں مسٹر بھٹو کو اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ ایک بلین ڈالر کے سرمایہ سے ایک فاؤنڈیشن قائم کیا جائے اور سربراہی کانفرنس نے اسے تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد اس بارے میں کچھ نہیں ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۸۱ء میں جنرل ضیاء الحق اس پر راضی ہو گئے کہ اس معاملہ کو طائف سربراہ کانفرنس میں اٹھائیں۔ فاؤنڈیشن قائم کر دیا گیا لیکن اس کی رقم کو گھٹا کر صرف پچاس ملین ڈالر (۵ کروڑ ڈالر) کر دیا گیا۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ دراصل جو رقم اب تک فاؤنڈیشن کو ملی ہے وہ صرف چھ ملین ڈالر میں آپ مجھ سے اتفاق کریں گے مسلمان حکومتیں اس سے زیادہ دے سکتی ہے۔“

(روزنامہ ”الفضل ربوہ“ ۸/ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

خطیر رقم وصول کرنے کے بعد بھی ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو مسلم ممالک کے رویہ سے شکایت رہی اور وہ ان سے مایوسی کا اظہار کرتا رہا۔ چنانچہ روزنامہ جنگ لندن لکھتا ہے:

”نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام سائنس فاؤنڈیشن قائم کریں گے۔ اسلامی کانفرنس نے ایک ارب ڈالر کے بجائے ۵/ کروڑ ڈالر کی منظوری دی ہے۔“

"جدہ (جنگ فارن کم) ڈیسک۔ نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام اسلامی ملکوں میں سائنس کے فروغ کے لئے فاؤنڈیشن قائم کریں گے تاکہ اسلامی ممالک کے باصلاحیت سائنس دان اپنے علم میں اضافہ کر سکیں، گلف ٹائمز کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر سلام نے کہا کہ اسلامی ملکوں میں سائنسی علوم کے فروغ کے لئے ٹھوس اقدامات نہیں کئے گئے ڈاکٹر سلام نے ٹرسٹی اٹلی میں نظریاتی طبیعات کا بین الاقوامی مرکز قائم کیا ہے جس کے وہ ڈائریکٹر ہیں اس مرکز سے ایک ہزار سائنس دان طبیعات کی تربیت حاصل کرتے ہیں ڈاکٹر سلام کے مرکز کو بین الاقوامی ایٹمی ادارے اور یونیسکو کا بھی تعاون حاصل ہے ڈاکٹر سلام نے بتایا کہ فاؤنڈیشن غیر سیاسی ادارہ ہو گا اور اسے مسلم ممالک کے سائنس دان چلائیں گے۔ اس کے علاوہ اسے اسلامی کانفرنس کا تنظیم سے منسلک کر دیا جائے گا تاہم ڈاکٹر سلام نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ مجوزہ فاؤنڈیشن کے لئے انہوں نے ایک ارب ڈالر کی تجویز رکھی تھی لیکن اسلامی کانفرنس نے اس کے لئے ۵/ کروڑ ڈالر کی منظوری دی۔"

(جنگ لندن ۸/ اگست ۱۹۸۵ء)

اور روزنامہ نوائے وقت کراچی لکھتا ہے:

"ڈاکٹر عبدالسلام کو اسلامی طبیعاتی فاؤنڈیشن کے قیام میں مالی دشواریوں کا سامنا۔"

"نیو یارک ۱۰/ اگست (اپ پ) نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا ہے کہ اسلامی ممالک بین الاقوامی سائنس میں بالکل الگ تھلگ ہیں اور انہیں سائنس کی ترقی کا طریقہ معلوم نہیں انہوں نے کہا کہ وہ سائنس کے فروغ اور ترقی کے لئے ایک فاؤنڈیشن قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اسلامی کانفرنس نے اس منصوبہ کی توثیق کی ہے کہ ڈاکٹر سلام کے تجویز کردہ ایک ارب ڈالر کی بجائے مسلم کانفرنس نے ۵/ کروڑ ڈالر کی منظوری دی ہے اور ایک سال میں صرف ۶۰/ لاکھ ڈالر جاری کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے ڈاکٹر سلام مایوس نظر آتے ہیں۔"

(نوائے وقت کراچی ۱۱/ اگست ۱۹۸۵ء)

مایوسی کا یہ اظہار مسلم ممالک کو غیرت دلانے اور مطلوبہ رقم پر انہیں برانگیختہ کرنے کے لئے تھا۔ بالآخر "جوئندہ یابندہ" کے مصداق ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی، مسلم ممالک سے اپنی مطلوبہ رقم وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا چنانچہ قادیانی اخبار ہفت روزہ "لاہور" کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ:

"ڈاکٹر عبدالسلام نے مشرق وسطیٰ کے تیل پیدا کرنے والے ممالک پر زور دیا ہے کہ وہ اس خطہ ارض میں سائنسی علوم کے فروغ کے لئے ایک سائنس فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں لائیں .... انہوں نے مشورۃً یہ تجویز پیش کی کہ اس فاؤنڈیشن کی تشکیل میں ابتدائی طور پر ایک بلین ڈالر صرف کرنے چاہئیں جو مسلم طلبہ کو ایسی سائنسی تعلیم کے حصول میں امداد دیں گے .... اس فاؤنڈیشن کو اسلامی دنیا کے ممتاز و معروف سائنس دان چلائیں۔

"ڈاکٹر سلام نے دنیائے اسلام میں سائنسی علوم کے فروغ کے سلسلہ میں کویت کے رول کو سراہا۔ انہوں نے کہا کہ کویت کی سائنس فاؤنڈیشن اور کویت یونیورسٹی نے انہیں بڑی دریا دلی سے اتنے فنڈز دیئے ہیں۔"

(قادیانی ہفت روزہ "لاہور" ۲/ اگست ۱۹۸۲ء صفحہ ۵)

غور فرمایئے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی، ابتدائی مرحلہ میں اسلامی ممالک سے لے کر ساٹھ لاکھ ڈالر یعنی گیارہ کروڑ روپے ہضم کر جاتا ہے۔ دل میں باغ باغ ہو گا کہ اتنی خطیر رقم مجھے مسلمان نوجوانوں کو قادیانی بنانے کے لئے بلاشرکت غیرے مل گئی لیکن عیاری و مکاری کا کمال دیکھو کہ زر طلبی کی ہوس "ہل من مزید" پکارتی ہے اور وہ اسلامی ممالک کو غیرت دلانے کے لئے ان کی سرد مہری و نالائقی اور بے توجہی کا مسلسل پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے اور ان کے سامنے پانچ کروڑ ڈالر یعنی ۸۵ ارب روپے کا ہدف دہراتا رہتا ہے تاآنکہ اسے مطلوبہ رقم میسر آجاتی ہے۔

قارئین نے ایسے بہت سے واقعات سن رکھے ہوں گے کہ روپیہ پیسہ عورت، دوا، علاج اور تعلیم کا لالچ دے کر غریب خاندانوں کو عیسائی یا قادیانی بنا لیا گیا۔ اگر

دس ہزار سے ایک خاندان کا ایمان خریدا جا سکتا ہے تو ذرا حساب لگا کر دیکھئے کہ جس شخص کے ہاتھ پچاسی ارب روپے کی رقم تھما دی گئی ہو وہ کتنے نوجوانوں اور کتنے خاندانوں کو اس کے ذریعے قادیانی بنانے کی کوشش کرے گا؟ حیف صد حیف کہ ....
"میاں کی جوتی میاں کے سر" کے مصداق مسلمانوں ہی کے روپے سے مسلمانوں کو کافر و مرتد بنایا جارہا ہے اور مسلمان اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

سائنس فاؤنڈیشن اور قادیانی مقاصد

مسٹر نوبل کے وصیت کردہ سودی انعام کے حوالے سے قادیانیوں نے جو فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی اور جن کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

- ○ قادیانیوں کو مسلمان ثابت کرنا۔
- ○ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو اسلامی دنیا کا ہیرو اور محسن بنا کر پیش کرنا۔
- ○ مسلم ممالک کے پیسے سے "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کے نام پر "قادیانی فاؤنڈیشن" قائم کرنا۔

درد مند مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ قادیانی فوائد بھی کافی تھے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کے ذریعہ یہودی۔ قادیانی لابی ابھی بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اور ان کے مقاصد کہیں گہرے ہیں۔ ذیل میں چند نکات پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو عالم اسلام سے خیر خواہی و ہمدردی رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ ان امکانات کو نظر انداز نہ کرے۔ بلکہ ان پر عقل و دانائی کے ساتھ غور کرے۔

(۱) علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے پنڈت نہرو کے نام اپنے خط میں تحریر فرمایا تھا:

"قادیانی، اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں"

علامہ اقبال مرحوم کا یہ تجزیہ ان کے برسہا برس کے تجربہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جسے انہوں نے ایک فقرے میں قلمبند کر دیا۔ ہر وہ شخص جسے قادیانی ذہنیت کا مطالعہ کرنے کی فرصت میسر آئی ہو۔ یا جسے قادیانیوں سے کبھی سابقہ پڑا ہو اسے علیٰ

وجہ البصیرت اس کا یقین ہو جائے گا کہ قادیانی، اسلام کے، مسلمانوں کے اور اسلامی ممالک کے غدار ہیں جس طرح کوئی مسلمان کسی یہودی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ نہ اسے ملت اسلامیہ کا مخلص سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان کسی قادیانی کو ملت اسلامیہ کا ہمدرد اور بہی خواہ تسلیم نہیں کر سکتا۔

قادیانی، طاغوتی قوتوں کے جاسوس :
مسلمانوں کی جاسوسی!

قادیانیوں کی اسلام اور مسلمانوں سے غداری کا یہ عالم ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی، "انگریزوں کی پولیٹیکل خیر خواہی" کی غرض سے مسلمانوں کی مخبری کیا کرتا تھا۔ انگریزی دور اقتدار میں ہندوستان کے جو مسلمان حریت پسندانہ جذبات اور آزادی وطن کی لگن رکھتے تھے، مرزا غلام احمد قادیانی ان کے احوال و کوائف "پولیٹیکل راز" کی حیثیت سے گورنمنٹ برطانیہ کو پہنچایا کرتا تھا، مرزا قادیانی کے اشتہارات کا جو مجموعہ تین جلدوں میں قادیانیوں نے اپنے مرکز ربوہ سے شائع کیا ہے اس کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۲۷۔ ۲۲۸ پر اشتہار نمبر ۱۴۵ درج ہے جس کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

قابل توجہ گورنمنٹ از طرف مہتمم کاروبار تجویز تعطیل جمعہ

مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کئے جائیں جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور ایک چھپی ہوئی بغاوت کو اپنے دلوں میں رکھ کر اسی اندرونی بیماری کی وجہ سے فرضیت جمعہ سے منکر ہو کر اس کی تعطیل سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ نقشہ اسی غرض کے لئے تجویز کیا گیا تاکہ اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں کہ جو ایسے باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں

اگرچہ گورنمنٹ کی خوش قسمتی سے برٹش انڈیا میں مسلمانوں میں ایسے آدمی بہت ہی تھوڑے ہیں جو ایسے مفسدانہ عقیدہ کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہوں۔ لیکن چونکہ اس امتحان کے وقت بڑی آسانی سے ایسے لوگ معلوم ہو سکتے ہیں۔ جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے بر خلاف ہیں۔ اس لئے ہم نے اپنی محسن گورنمنٹ کی پولیٹیکل خیر خواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہ چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو ان شریر لوگوں کے نام ضبط کئے جائیں جو اپنے عقیدہ سے اپنی مفسدانہ حالت کو ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ جمعہ کی تعطیل کی تقریب پر ان لوگوں کا شناخت کرنا ایسا آسان ہے کہ اس کی مانند ہمارے ہاتھ میں کوئی بھی ذریعہ نہیں۔ وجہ یہ کہ جو ایک ایسا شخص ہو جو اپنی نادانی اور جہالت سے برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتا ہے۔ وہ جمعہ کی فرضیت سے ضرور منکر ہو گا اور اسی علامت سے شناخت کیا جائے گا کہ وہ در حقیقت اس عقیدہ کا آدمی ہے۔ لیکن ہم گورنمنٹ میں با ادب اطلاع کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں گے جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے۔ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ حکیم مزاج بھی ان نقشوں کو ایک ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی۔ اور بالفعل یہ نقشے جن میں ایسے لوگوں کے نام مندرج ہیں گورنمنٹ میں نہیں بھیجے جائیں گے۔ صرف اطلاع دہی کے طور پر ان میں سے ایک سادہ نقشہ چھپا ہوا جس پر کوئی نام درج نہیں فقط یہی مضمون درج ہے ہمراہ درخواست بھیجا جاتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے نام مع پتہ و نشان یہ ہیں۔

مطبع ضیاء الاسلام قادیان (یہ اشتہار ۲۰ × ۲۶ کے چار صفحوں پر معہ نقشہ درج ہے)

یہ ذہن میں رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی، ایسے حریت پسند مسلمانوں کے کوائف اپنی جماعت کے ذریعہ ہی جمع کراتا ہو گا گویا غلام احمد قادیانی کی نگرانی میں

قادیانی جماعت کی پوری ٹیم اسی کام میں لگی ہوئی تھی کہ ہندوستان کے آزادی پسند مسلمانوں کی فہرستیں بنا بنا کر انگریز کے خفیہ محکمہ کو بھیجی جائیں، اور ایسے مسلمانوں کے "پولیٹیکل راز" سفید آقاؤں کے گوش گزار کیے جائیں۔ وہ دن، اور آج کا دن، قادیانی جماعت مسلمانوں کی جاسوسی کے اسی مقدس فریضہ میں لگی ہوئی ہے کہ مسلمانوں سے گھل مل کر رہا جائے۔ ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا خیر خواہ ثابت کیا جائے۔ اور باطن میں ان کے راز اعدائے اسلام اور طاغوتی طاقتوں کو پہنچائے جائیں۔

قادیانی اور یہودی لابی کے درمیان وجہ الفت بھی یہی اسلام دشمنی اور امت اسلامیہ سے غداری ہے۔ اسرائیل میں کسی مذہب کا کوئی مشن کام نہیں کر سکتا اور کسی اسلامی مشن کے قیام کا تو وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن قادیانی مشن وہاں بڑے اطمینان سے کام کر رہا ہے اور اسرائیل کے بڑوں کی مکمل حمایت اور اعتماد اسے حاصل ہے۔

قادیانی، مسلمانوں کے بھیس میں مسلمان ممالک، خصوصاً پاکستان میں اہم ترین مناصب اور حساس عہدوں پر براجمان ہیں۔ اس لئے اسلامی ممالک کا کوئی راز ان سے چھپا ہوا نہیں۔

ادھر ایک عرصہ سے اسلامی ممالک اپنی ایٹمی صلاحیتوں کو بہتر بنانے اور انہیں پرامن مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں کوشاں تھے۔ مغربی دنیا اور یہودی لابی کے لئے اسلامی دنیا کی یہ تگ و دو موجب تشویش تھی، عراق کی ایٹمی تنصیبات پر اسرائیل کا حملہ اور پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کی اسرائیلی دھمکیاں سب کو معلوم ہیں، پاکستان کے بارے میں "اسلامی بم" کا ہوا کھڑا کر کے یہودی لابی نے پاکستان کے خلاف بین الاقوامی فضا کو مسموم کرنے کی جس طرح کوششیں کی ہیں وہ بھی سب پر عیاں ہیں۔ اسلامی ممالک کی سائنسی بیداری کو کنٹرول کرنے کی بہترین صورت یہی ہو سکتی تھی کہ "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کا نعرہ ایک ایسے شخص سے لگوایا جائے جو یہودی لابی کا حلیف اور رازدار ہو۔ اس نعرہ کے ذریعہ اسے اسلامی ممالک کا محسن اور ہیرو باور کرایا جائے ایسی شخصیت ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی سے زیادہ موزوں اور کون ہو

سکتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کا نعرہ بلند کیا۔ مسلم ممالک نے اسے اپنا محسن سمجھا اور اس عظیم مقصد کے لئے خطیر رقم اس کے قدموں میں نچھاور کر دی، اس طرح یہ قادیانی، مسلم ممالک کی دولت پر "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کا شہ بالا بن گیا۔ علاوہ ازیں مسلم ممالک (پاکستان سے مراکش تک) کے سائنسی ادارے بھی ایک قادیانی کی دسترس میں آگئے۔ اب مسلم ممالک کا کوئی راز راز نہیں رہے گا۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے لئے اپنے مرشد مرزا غلام احمد قادیانی کی سنت کے مطابق اسلامی ممالک کی ایٹمی صلاحیتوں کی رپورٹیں اعدائے اسلام کو پہنچانا آسان ہو گا، اور مسلم ممالک کی مخبری میں اسے کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

(۲) "اسلام سائنس فاؤنڈیشن" کے قیام کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ مسلم ممالک کے سائنسی اداروں میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا عمل دخل ہو گا اور ان اداروں میں قادیانی نوجوانوں کو بھرتی کرنا آسان ہو گا، پاکستان کی وزارت خارجہ کا قلمدان جن دنوں ظفر اللہ قادیانی آنجہانی کے حوالے تھا ان دنوں ہمارے بیرون ملک سفارت خانوں میں قادیانیوں کی بھرمار تھی۔ قادیانیوں کو نوکریاں بھی خوب مل رہی تھیں۔ اور نوکری کے لالچ میں نوجوانوں کو قادیانی بنانا بھی آسان تھا۔ اب اسلامی ممالک کی چوٹی پر سر ظفر اللہ کی جگہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بٹھا دیا گیا ہے۔ اب سائنسی اداروں میں قادیانی نوجوانوں کو بہترین روزگار کے مواقع خوب خوب میسر آئیں گے۔ اور بھولے بھالے نوجوانوں کو قادیانیت کی طرف کھینچنے کے راستے بھی ہموار ہو جائیں گے۔ اسی کے ساتھ اگر مسلمانوں میں کوئی جوہر قابل نظر آیا تو اس کو "ناپسندیدہ" قرار دے کر نکال دینے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ پاکستان میں اس کا تماشا دیکھا جا چکا ہے، بعض افراد، جن میں قادیانی ہونے کے سوا کوئی خوبی نہیں تھی، وہ سائنسی ادارے کے کرتا دھرتا رہے۔ اور ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد بھی ان کی ملازمت میں توسیع ہوتی رہی۔ اس کے برعکس بعض اعلیٰ پائے کے سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے نزدیک ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے گوشہ گمنامی میں دھکیل دیئے گئے۔ ہفت روزہ چٹان لاہور ۶/ تا ۱۳/ جنوری ۱۹۸۶ء میں اس دل خراش داستان کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۳) ایک اہم ترین فائدہ قادیانیت کی تبلیغ کا ہے۔ "سائنس فاؤنڈیشن" کو قادیانیت کی تبلیغ کا ذریعہ کیسے بنایا جائے گا؟ اس کے لئے درج ذیل نکات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

(الف) ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا شمار قادیانی امت کے ممتاز ترین افراد میں ہوتا ہے۔ قادیانیوں کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد آنجہانی نے ۱۴/ اگست ۱۹۸۰ء کو لندن میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا، جس کی رپورٹ ۱۷/ اگست ۱۹۸۰ء کو آئرش اخبار "آئرش سنڈے ورلڈ" میں شائع کرائی گئی جس کا عنوان تھا:

"احمدیہ تحریک، آئرلینڈ کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔"

اس رپورٹ میں بڑے فخر سے کہا گیا ہے!

> "اس جماعت کے مشہور ارکان میں سے سر ظفراللہ خان ہیں جو کہ پاکستان کے سابق وزیر خارجہ اور سابق صدر اقوام متحدہ اور عالمی عدالت انصاف کے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر عبدالسلام ہیں جنہوں نے فزکس میں نوبل انعام حاصل کیا ہے۔"

(قادیانی اخبار روزنامہ "الفضل" ربوہ۔ ۲۶/ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

(ب) قادیانی امت کو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی پر یہ فخر بھی ہے کہ وہ جہاں جاتا ہے قادیانیت کی تبلیغ ضرور کرتا ہے،

> "انہوں نے دین (قادیانیت) کو دنیا پر ہمیشہ مقدم رکھا، اور سائنس دانوں اور بڑے بڑے لوگوں تک احمدیت کا پیغام پہنچایا شاہ سویڈن کو نوبل انعام حاصل کرنے کے دنوں میں قرآن کریم (کا قادیانی ترجمہ) اور حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کے اقتباسات کا انگریزی ترجمہ پہنچا کر آئے۔ اسی طرح شاہ حسن کو مراکش میں (قادیانی) لٹریچر دے کر آئے۔"

(کتابچہ "ڈاکٹر عبدالسلام"۔ از محمود مجیب اصغر صفحہ ۵۶)

اٹلی میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے ایک سائنسی ادارہ قائم کر رکھا ہے۔ اس کے ذریعہ بھی قادیانیت کی تبلیغ کا کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قادیانی ماہنامہ "تحریک

جدید" ربوہ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں قادیانیوں کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد قادیانی کے دورہ اٹلی کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے :

"حضورؒ (مرزا طاہر) نے فرمایا، اٹلی میں پہلے بھی جماعت کے نمائندے بھجوا کر اٹلی کو جماعت سے متعارف کرانے کی کوشش کی گئی تھی اور اب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے ذریعہ سے بھی ایک تقریب کا بندوبست کیا گیا جس میں توقع سے زیادہ معززین تشریف لائے جو کہ پہلے احمدیت سے متعارف نہ تھے۔ اس میں ٹیلی ویژن کے نمائندے بھی موجود تھے۔"

(تحریک جدید ربوہ صفحہ ۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

(ج) قادیانیوں کی طرف سے اعلان کیا جارہا ہے کہ پندرھویں صدی ہجری حقیقی اسلام (قادیانیت) کے غلبہ کی صدی ہوگی۔ اور ان کے منصوبہ کے مطابق قادیانیت کا یہ غلبہ سائنس کے ذریعہ ہوگا۔ قادیانی اخبار "الفضل" کا یہ اقتباس جو پہلے نقل ہو چکا ہے، اسے ایک بار پھر پڑھ لیجئے!

"عالم اسلام کے قابل فخر سپوت، یعنی حقیقی اسلام کے فدائی نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے کہا کہ سائنس کے میدان میں اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ہمارے احمدی نوجوان ان علوم میں درجہ کمال کو پہنچیں.........

محترم ڈاکٹر سلام صاحب نے کہا کہ ہماری جماعت اسلام کے احیاء کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ دیگر علوم کے علاوہ سائنسی علوم میں بھی آگے بڑھیں اور کمال حاصل کریں۔"

(اخبار الفضل ربوہ۔ ۱۳/ نومبر ۱۹۷۹ء)

پس ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی طرف سے "اسلامی سائنس فاؤنڈیشن" کے نام پر جو رقمیں اسلامی ممالک سے وصول کی جارہی ہیں ان کا ایک اہم مقصد خود مسلمانوں ہی کے پیسے سے قادیانیت کی تبلیغ اور اسے دنیا میں غالب کرنے کی کوشش

ہے...... جتنے نوجوان سائنسی علوم کی تکمیل کے لئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے قائم کردہ، یا اس کے زیر اثر اداروں سے رجوع کریں گے ان کو ہر ممکن قادیانیت کا انجکشن دینے کی کوشش کی جائے گی، اور ان کی ترقیات کا معیار یہ قرار دیا جائے گا کہ وہ قادیانیت کے حق میں کتنے مخلص ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اور پاکستان

بہت سے مسلمان قادیانیوں کے بارے میں رواداری اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں چنانچہ یہی مظاہرہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے بارے میں بھی کیا گیا۔ بعض حضرات کا استدلال یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا عقیدہ و مذہب کچھ ہی ہو بہرحال وہ پاکستانی ہیں۔ اور ان کو نوبل انعام کا اعزاز ملنا پاکستان اور اہل پاکستان کے لئے بہرصورت لائق فخر ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک کی ایک معروف سیاسی شخصیت نے روزنامہ "جنگ" کے کالم "مشاہدات و تاثرات" میں اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> "پاکستان کے نوبل پرائز انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام بھی انہیں دنوں عمان میں تھے، ناشتہ کی ایک دعوت میں ان سے بھی ملاقات ہوئی جب وہ پاکستان کی اٹامک انرجی میں کام کر رہے تھے تو انہیں ایک دو بار کابینہ میں اپنا کیس پیش کرتے ہوئے سنا تھا۔ انتہائی قابل اور فاضل آدمی ہیں اور خلیق اور متواضع بھی، مسلک ان کا کچھ بھی ہو لیکن پاکستان کے رشتے سے عالمی سطح پر ان کی سائنسی مہارت کا جو اعتراف ہوا ہے اس سے قدرتاً ہم سب کو خوشی ہونی چاہئے علم، علم ہے اس پر نہ کسی عقیدہ اور مذہب کی چھاپ لگائی جا سکتی ہے نہ مشرق و مغرب کی، یہ تو روشنی اور ہوا کی طرح پوری انسانیت کا مشترک ورثہ ہے۔"

(جنگ کراچی ۱۴/ مئی ۱۹۸۱ء)

قادیانی ہفت روزہ "لاہور" میں ایک صاحب کا مراسلہ شائع ہوا ہے جسے "لاہور" نے درج ذیل عنوان کے تحت درج کیا ہے:

> "جاہل مولویوں نے سائنس دشمنی میں پاکستان کے عزت و وقار کو بھی خاک میں رولنا شروع کر دیا ہے۔"

مراسلہ نگار نے، جو اپنے آپ کو ایک "سیدھا سادا مسلمان" کہتے ہیں، اس مراسلہ میں کچھ زیادہ ہی "سیدھے پن" کا مظاہرہ کیا ہے، ان کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"ڈاکٹر عبدالسلام کا کس مسلک سے جذباتی تعلق ہے۔ یہ میرا مسئلہ نہیں میرا مسئلہ صرف یہ ہے کہ عبدالسلام نے فزکس میں نوبل پرائز حاصل کر کے پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر عزت و مرتبہ بخشا ہے۔ انہیں صدر جنرل ضیاء الحق نے مبارک باد کا پیغام دیا ہے۔ اور ہمارے ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے بار بار خبرناموں میں کہا ہے۔ کہ...... وہ پہلے مسلمان ہیں۔ جنہوں نے یہ بین الاقوامی اعزاز حاصل کیا ہے۔ لیکن مجھے تکلیف صرف اس بات کی ہوئی ہے کہ سرکاری مساجد کے ائمہ کو جو خود بھی باقاعدہ سرکاری ملازم ہیں۔ کس نے چابی بھر دی ہے کہ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کی ذات پر کیچڑ اچھال اچھال کر بالواسطہ پاکستان کی توہین کے مرتکب ہوں۔"

"بقر عید پر وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد المعروف "لال مسجد" کے پیش امام نے نماز سے قبل اپنی تقریر میں ڈاکٹر عبدالسلام کی ذات پر جور کیک حملے کیۓ۔ معلوم نہیں ان کا سنت ابراہیمیؑ سے کیا تعلق تھا۔ یا سننے والوں کو کتنا ثواب حاصل ہوا۔ پیش امام نے (غالباً اس کا نام مولانا عبداللہ ہے) جوش خطابت میں یہ تک کہہ دیا کہ:

"...... عبدالسلام چونکہ مرزائی ہے۔ اس لئے وہ کافر ہے۔ اور اسے یہ نوبل پرائز صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ اس نے پاکستان کے بعض اہم راز سمگل کر کے یہودیوں کے حوالے کر دیئے تھے۔"

یہ تو اب سرکاری ادارے ہی اس ۱۷/ گریڈ کے پیش امام سے انکوائری کر سکتے ہیں۔ اسے یہ انفارمیشن کہاں سے ملی کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے راز سمگل کر کے نوبل پرائز حاصل کیا ہے۔ لیکن صدمے کی بات صرف یہ ہے کہ جاہل مولویوں نے اپنی سائنس دشمنی میں پاکستان کے عزت و وقار کو بھی منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر خاک میں رولنا شروع کر

دیا ہے۔ اور ان کی کوئی باز پرس نہیں ہوتی۔ آخر عید کے اس اجتماع میں غیر ملکی مسلمان سفارت کاروں کی بھی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔

اگر مولویوں کا یہ فتویٰ مان بھی لیا جائے۔ کہ ڈاکٹر عبدالسلام کافر ہے۔ تو پھر مولویوں کو یہ احساس تو ہونا چاہیئے۔ کہ وہ کافر بھی اول و آخر پاکستانی ہے اور اس کو ملنے والا اعزاز اصل میں پاکستان کو ملنے والا اعزاز ہے"

(ہفت روزہ لاہور۔ ، لاہور ۱۱/ نومبر۱۹۷۹ء صفحہ ۴)

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی واقعی پاکستانی ہے۔ لیکن اس کی نظر میں خود پاکستان کی کیا عزت و حرمت ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ یحییٰ خان اور مسٹر بھٹو کے دور میں صدر پاکستان کا سائنسی مشیر تھا۔ لیکن جب ۱۹۷۴ء میں پاکستان قومی اسمبلی نے آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو یہ صاحب احتجاجاً لندن جا بیٹھے اور جب مسٹر بھٹو نے اس کو ایک سائنس کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھجوائی تو پاکستان کے بارے میں نہایت گندے اور توہین آمیز ریمارکس لکھ کر دعوت نامہ واپس بھیج دیا۔

ہفت روزہ چٹان کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی کانفرنس میں شرکت کے لئے ڈاکٹر سلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا یہ ان دنوں کی بات ہے جب قومی اسمبلی نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر سلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیر اعظم سیکریٹریٹ کو بھیج دیا۔

ترجمہ۔ میں اس لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے۔

مسٹر بھٹو نے جب یہ ریمارکس پڑھے تو غصے سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا انہوں نے اشتعال میں آکر اسی وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سیکریٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر سلام کو فی الفور برطرف کر دیا جائے اور بلا تاخیر نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے وقار احمد نے یہ دستاویز ریکارڈ

میں فائل کرنے کے بجائے اپنی ذاتی تحویل میں لے لی تاکہ اس کے آثار مٹ جائیں وقار احمد بھی قادیانی تھے یہ کس طرح ممکن تھا کہ اتنی اہم دستاویز فائلوں میں محفوظ رہتی۔ "

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور شمارہ ۲۲/ جون ۱۹۸۶ء)

کیاایسا شخص جو پاکستان کے بارے میں ایسے توہین آمیز اور ملعون الفاظ بکتا ہو اس کا اعزاز پاکستان اور اہل پاکستان کے لئے موجب مسرت اور لائق مسرت ہو سکتا ہے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعان راتماشا کن
کہ نور نویدہ اش روشن کند چشم زلیخارا

اپریل ۱۹۸۴ء میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری کیا۔ جس کی رو سے قادیانیوں کو مسلمان کہلانے اور شعائر اسلامی کا اظہار کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینے پر پابندی عائد کر دی گئی قادیانیوں کا نام نہاد "بہادر خلیفہ" اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد راتوں رات بھاگ کر لندن جا بیٹھا۔ وہاں پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے مقابلہ میں ایک جعلی "اسلام آباد" بنا کر پاکستان اور اہل پاکستان کو "دشمن" کا خطاب دے کر ان کے خلاف جنگ کا بگل بجا رہا ہے۔ اور قادیانیوں کو پاکستان کے امن کو آگ لگانے کی تلقین کر رہا ہے۔ قادیانیوں کا دوماہی پرچہ جو "مشکوۃ" کے نام سے قادیان (انڈیا) سے شائع ہوتا ہے، اس میں "پیغام امام جماعت کے نام" کے عنوان سے مرزا طاہر قادیانی کا پیغام دنیا بھر کی جماعت ہائے احمدیہ کے نام شائع ہوا ہے۔ اس کے چند فقرے ملاحظہ فرمایئے:

"جس لڑائی کے میدان میں "دشمن" نے ہمیں دھکیلا ہے یہ آخری جنگ نظر آتی ہے، اور انشاء اللہ ہمارے دشمنوں کو اس میں بری طرح شکست ہوگی" (انشاء اللہ قادیانیوں کی سینکڑوں پیش گوئیوں کی طرح یہ پیش گوئی بھی جھوٹی نکلے گی۔ ناقل)

(دوماہی مشکوۃ قادیان صفحہ ۷)

"دشمن سے ہماری جنگ کا یہ انتہائی اہم اور فیصلہ کن مقام ہے"

(صفحہ ۷)

"یہ وہ آخری مقام ہے جہاں دشمن پہنچ چکا ہے۔" (صفحہ ۷)

"تمام جماعت کو برقی رفتار کے ساتھ اس لڑائی میں شامل ہونا چاہئے۔"

(صفحہ ۸)

"یہ ایک لڑائی کا بگل ہے جو بجایا جا چکا ہے۔ اس کی آواز ہمیں ہر طرف پھیلانی ہے۔ اور اس پیغام کو دنیا کے ہر کونے میں پہنچانا ہے۔"

(صفحہ ۸)

"اور اسلام آباد (پاکستان) کے حکمران اس آواز کی گونج کو سن کر بے بس اور پسپا ہو جائیں۔" (صفحہ ۸)

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کو للکارتے ہوئے یہ بہادر (لیکن بھگوڑا) قادیانی خلیفہ کہتا ہے:

"پس یہ ناپاک تحریک جو صدر ضیاء الحق کی کوکھ سے جنم لے رہی ہے اور وہ یہاں بھی ذمہ دار ہیں اس کے، اور قیامت کے دن بھی اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور نہ کوئی دنیا کی طاقت ان کو بچا سکے گی۔ اور نہ مذہب کی طاقت ان کو بچا سکے گی۔ کیونکہ آج انہوں نے خدا کی عزت و جلال پر حملہ کیا ہے۔ آج محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کے تقدس پر وہ شخص حملہ کر بیٹھا ہے۔" (صفحہ ۱۳)

(قارئین مرزا طاہر قادیانی کو معذور سمجھیں کہ انہیں جوش خطابت میں مبتدا کے بعد خبر کا ہوش نہیں رہا یعنی "پس یہ ناپاک تحریک" سے جو مبتدا شروع ہوا تھا فرط جوش پر اس کی خبر ہی غائب ہو گئی، جوش میں ہوش کہاں؟)

جملہ معترضہ کے طور پر مرزا طاہر جس "ناپاک تحریک" کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس کی مختصر وضاحت بھی ضروری ہے، اپریل ۱۹۸۴ء میں قادیانیوں پر یہ پابندی عائد کر دی گئی تھی کہ چونکہ آئین کی رو سے وہ غیر مسلم ہیں اس لئے نہ اسلام کے مقدس الفاظ کا استعمال کر سکتے ہیں اور نہ کسی طریقہ سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر سکتے ہیں۔ قادیانیوں نے اس آرڈیننس کے مخالفت کی یہ صورت نکالی کہ اپنی عبادت گاہوں پر،

گھروں پر، دکانوں پر، گاڑیوں پر اور خود اپنے سینوں پر کلمہ طیبہ کے کتبے لگانے لگے۔ مسلمانوں کے لئے ان کا یہ طرز عمل چند وجہ سے ناقابل برداشت ہے۔

اول : قادیانیوں کی یہ کارستانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور قانون کا منہ چڑانے کے لئے ہے، اس لئے انہیں اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

دوم :ان کی عبادت گاہیں جو کفر والحاد کا مرکز ہونے کی وجہ سے نجس ہیں، اور ان کے سینے جو کافر کی قبر سے زیادہ تنگ و تاریک اور سیاہ ہیں ان پر کلمہ طیبہ کا آویزاں کرنا اس پاک کلمہ کی توہین ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص نعوذ باللہ بیت الخلاؤں پر کلمہ طیبہ لکھنے لگے، یقیناً اس کو کلمہ طیبہ کی توہین کا مرتکب اور لائق تعزیز قرار دیا جائے گا۔ اور گندی جگہوں سے کلمہ طیبہ کا مٹانا دراصل کلمہ کی توہین نہیں بلکہ عین ادب ہے۔

سوم :مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ کا مظہر ہونے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) خود "محمد رسول اللہ" ہے۔ چنانچہ ایک غلطی کا ازالہ" میں لکھتا ہے :

"محمد رسول اللہ والذین معہ اشد آء علی الکفار رحما بینھم
"اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی"

(روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۷)

قادیانی، جب کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتے ہیں تو لا محالہ ان کے ذہن میں مرزا کا یہ دعویٰ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ مرزا قادیانی کو کلمہ کے مفہوم میں داخل جانتے ہیں بلکہ اسے "محمد رسول اللہ" کا مصداق سمجھتے ہیں اور یہی سمجھ کر کلمہ پڑھتے ہیں چنانچہ مرزا بشیر احمد قادیانی نے لاہوری جماعت کا یہ سوال نقل کر کے کہ "اگر مرزا نبی ہے تو تم اس کا کلمہ کیوں نہیں پڑھتے؟" اس کا یہ جواب دیا ہے :

"محمد رسول اللہ کا نام کلمہ میں تو اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ نبیوں کے سرتاج اور خاتم النبین ہیں اور آپ کا نام لینے سے باقی سب نبی خود اندر آجاتے ہیں ہر ایک کا علیحدہ نام لینے کی ضرورت نہیں ہے ہاں حضرت مسیح موعود کے آنے سے ایک فرق ضرور پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ

کہ مسیح موعود کی بعثت سے پہلے تو محمد رسول اللہ کے مفہوم میں صرف آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء شامل تھے مگر مسیح موعود کی بعثت کے بعد محمدؐ رسول اللہ کے مفہوم میں ایک اور رسول کی زیادتی ہو گئی لہٰذا مسیح موعود کے آنے سے نعوذ باللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ باطل نہیں ہوتا بلکہ اور بھی زیادہ شان سے چمکنے لگ جاتا ہے غرض اب بھی اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہی کلمہ ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مسیح موعود کی آمد نے محمد رسول اللہ کے مفہوم میں ایک رسول کی زیادتی کر دی ہے اور بس۔

علاوہ اس کے اگر ہم بفرض محال یہ بات مان بھی لیں کہ کلمہ شریف میں نبی کریمؐ کا اسم مبارک اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں تو تب بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اور ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے صار وجودی وجودہ نیز من فرق بینی وبین المصطفے فما عرفنی ومارئی اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے پس مسیح موعود خود محمدؐ رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے اس لئے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ہاں اگر محمدؐ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔ "

(کلمہ "الفضل صفحہ ۱۵۸۔ مولفہ مرزا بشیر احمد قادیانی مندرجہ ریویو آف ریلیجنز قادیان مارچ واپریل ۱۹۱۵ء)

پس چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا نے اسے "محمد رسول اللہ" بنایا ہے اور چونکہ قادیانی اس کے اس کفریہ دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مفہوم میں مرزا قادیانی کو داخل مانتے ہیں۔ اور محمد رسول اللہ سے مرزا قادیانی مراد لیتے ہیں، اس سے معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ کلمہ طیبہ کا بیج لگا کر توہین رسالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کی مسجد ضرار کو گرانے، جلانے اور اسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں تبدیل کرنے کا جو حکم دیا تھا اگر وہ صحیح ہے (اور بلاشبہ صحیح ہے یقیناً صحیح ہے، قطعاً صحیح ہے،) تو قادیانی منافقوں کی وہ مسجد نما عمارت جس پر کلمہ طیبہ کندہ ہو اسے منہدم کرنے، جلانے اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کیوں غلط ہے؟ اور اس سے بھی کم تر یہ مطالبہ کہ مسجد ضرار کے ان چربوں پر کلمہ طیبہ نہ لکھا جائے، آخر کس منطق سے غلط ہے؟

الغرض پاکستان میں چونکہ قادیانیوں کا کفر و نفاق کھل چکا ہے، ان کو کلمہ طیبہ کے کتبے لگا لگا کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے، کلمہ طیبہ کی توہین کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت سے کھیلنے میں دشواریاں پیش آرہی ہیں، مسلمان ان کے غلیظ عقائد پر مطلع ہونے کے بعد ان کی ان مذبوحی حرکات کو برداشت نہیں کرتے اس لئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی، پاکستان کی سرزمین کو نعوذ باللہ "لعنتی ملک" کہنے سے نہیں شرماتا، اور اس کا مرشد مرزا طاہر قادیانی پاکستان کے خلاف "جنگ کا بگل" بجا رہا ہے اور پاکستان میں افغانستان کے حالات پیدا کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

> "جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے کہا کہ اگر اس خطہ میں ظلم جاری رہا (یعنی قادیانیوں کو یہ اجازت نہ دی گئی کہ وہ کلمہ طیبہ کے کتبے لگا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے رہیں۔ ناقل) تو ہو سکتا ہے کہ وہاں ایسے حالات پیدا ہوں جیسے افغانستان میں پیدا ہوئے۔"

(قادیانی اخبار ہفت روزہ "لاہور" صفحہ ۱۳۔ ۲۰ اپریل ۱۹۸۵ء)

اسی کے ساتھ وہ پورے عالم اسلام کو دعوت دے رہا ہے کہ پاکستان کے خلاف زہر اگلنے کے کام میں قادیانیوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو:

> "ہمیشہ تمہارا نام لعنت کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا"

(قادیانی پرچہ دو ماہی مشکوۃ قادیان۔ مئی و جون ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۴۔)

ان تمام حقائق کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا نوبل انعام کسی پاکستانی کے لئے یا عالم اسلام کے کسی مسلمان کے لئے لائق فخر اور موجب مسرت ہو سکتا ہے؟

ہمارے جدید طبقہ کی رائے یہ ہے کہ عبدالسلام قادیانی کا عقیدہ و مذہب خواہ کچھ ہو۔ ہمیں اس کی سائنسی مہارت کی تعریف کرنی چاہئے اور اس کے عقیدہ و مذہب سے صرف نظر کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہمارے ملک کے ایک معروف ادارے سے شائع ہونے والے پرچے میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی تعریف میں بہت کچھ لکھا گیا تھا۔ ایک درد مند مسلمان نے اس پر اس ادارہ کے سربراہ کو خط لکھا، پاکستان کی اس معروف ترین شخصیت کی جانب سے اس کے خط کا جو جواب ملا، اس میں مندرجہ بالا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ ضروری تمہید کے بعد جوابی خط کا متن یہ ہے :

> ''ڈاکٹر عبدالسلام کے سلسلے میں آپ نے جو لکھا ہے اس میں جذبات کی شدت ہے۔ لیکن آپ سوچیں تو ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں روادار اور کشادہ دل ہونا چاہئے۔ غیر ملکیوں اور غیر مذہب کے سائنس دانوں اور دوسرے بہت سے ماہرین کے متعلق ہم روزانہ تحریریں پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کی اچھی باتوں کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کے کارناموں کی قدر کرتے ہیں، ان کی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں پھر ان کے متعلق دوسری تمام باتیں لکھتے ہیں لیکن یہ کہیں نہیں لکھتے کہ ان کا مذہب کیا ہے یا کیا تھا، کیوں کہ ہمیں اس سے غرض نہیں ہوتی، ہم تو ان کی صرف ان باتوں سے سروکار رکھتے ہیں جو انہوں نے انسانوں اور دنیا کے فائدے کے لئے کئے۔ یقین ہے کہ آپ مطمئن ہو جائیں گے۔''

یہ نقطہ نظر واقعی اسلامی فراخ قلبی کا مظہر ہے۔ اور ہم بھی تہہ دل سے اس کے حامی و مؤید ہیں لیکن اگر کوئی صاحب کمال اسلامی مفادات کی جڑیں کاٹتا ہو اگر اس کے اور اس کی جماعت کے رویہ سے اسلامی ممالک کو خطرات لاحق ہوں۔ اگر وہ اپنے کمال کو اپنے باطل مذہب کی اشاعت اور مسلمان نوجوانوں کو مرتد بنانے کے لئے استعمال کرتا ہو تو اس کے کمال کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس سے لاحق خطرات سے قوم کو آگاہ کرنا بھی اہل فکر و نظر کا فریضہ ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ہے۔ قادیانیت کا پرجوش داعی و مبلغ ہے۔ اس کی

جماعت اور اس کا پیشوا ہمیشہ سے مسلمانوں کا حریف اور اعدائے اسلام کا حلیف رہا ہے۔ وہ پاکستان کے خلاف جنگ کا بگل بجا رہا ہے۔ اور وہ پورے عالم اسلام کو قادیانیوں کے موقف کی تائید نہ کرنے کی وجہ سے لعنتی قرار دے رہا ہے، اور وہ پوری دنیا میں یہ جھوٹا شور و غوغا کر رہا ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ کیا مسلمانوں کے ایسے دشمن کی تعریف کرنا، جس سے عالم اسلام کو خطرات لاحق ہوں، اسلامی عزت و حمیت کا مظہر ہے؟

مندرجہ بالا خط میں جس طبقہ کی نمائندگی کی گئی ہے ہمیں افسوس ہے وہ جوش رواداری میں اسلامی غیرت و حمیت کے تقاضوں کو پشت انداز کر رہا ہے اور اس طبقہ میں تین قسم کے لوگ شامل ہیں۔

اول: وہ ناواقف اور جاہل لوگ جو نہیں جانتے کہ قادیانیوں کے عقائد و نظریات کیا ہیں؟........... اور ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کے کیسے جذبات موجزن ہیں...........

دوسری قسم وہ تعلیم یافتہ طبقہ ہے، جو ملحد ولادین ہے جس کو دین اور اہل دین سے بغض و نفرت ہے اور دین سے بیزاری اس کے نزدیک گویا فیشن میں داخل ہے وہ مذہب کی بنیاد پر افراد اور ملتوں کی تقسیم ہی کا قائل نہیں............... وہ مومن و کافر ایماندار اور بے ایمان اہل حق اور اہل باطل سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتا اور ایک ہی ترازو سے تولتا ہے........... اس کے نزدیک دین اور دینداری کا نام لینا ہی سب سے بڑا جرم ہے...........

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو دین پسند کہلاتے ہیں۔ دینی موضوعات اور اصلاح معاشرہ پر بڑے بڑے مقالے تحریر فرماتے ہیں۔ بظاہر اسلام کے نقیب اور داعی نظر آتے ہیں لیکن ان کے نزدیک دین بس اسی نعرہ بازی اور مقالہ نگاری کا نام ہے۔ انہیں اپنی قومی و ملی مصروفیات کے ہجوم میں کبھی اہل دین اور اہل دل کی صحبت کا موقع نہیں ملا اس لئے ان کے حریم قلب میں دینی حمیت و غیرت کے بجائے مصلحت پسندی کا سکہ رائج ہے اور یہ حضرات بڑی معصومیت سے رواداری اور کشادہ دلی کا وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ سارا وعظ خدا اور رسول اور دین و ملت کے غداروں سے

رواداری تک محدود ہے اگر ان کی ذاتی املاک کو کوئی شخص نقصان پہنچائے، ان کی اپنی عزت و ناموس پر حملہ کرے وہ رواداری کا سارا وعظ بھول جائیں گے۔ ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھے گی ان کا جذبہ انتقام بیدار ہو جائے گا اور وہ اس موذی کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیں گے۔ لیکن اگر کوئی خدا اور رسول کی عزت پر حملہ کرتا ہو، دین میں قطع و برید کرتا ہو، اکابر امت پر کیچڑ اچھالتا ہو اس کے خلاف ان کی زبان و قلم سے ایک حرف نہیں نکلے گا، بلکہ یہ حضرات ایسے موذیوں کا تعاقب کرنے والوں کو درس رواداری دینے لگیں گے۔ اس "دین پسند" طبقہ کو معلوم ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی خود کو "محمد رسول اللہ" کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قادیانی ٹولہ مرزا غلام احمد قادیانی کو محمد رسول اللہ مسیح موعود اور مہدی معہود مانتا ہے انہیں علم ہے قادیانی اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن اور خدا اور رسول کے غدار ہیں وہ باخبر ہیں کہ تمام قادیانی پاکستان کو، لعنتی سرزمین سمجھتے ہیں اور پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے بین الاقوامی سازشیں کر رہے ہیں لیکن ان تمام امور کے باوجود یہ "دین پسند" طبقہ قادیانیوں کے حق میں رواداری کا درس دیتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی قومیں، جن میں مذکورہ بالا تین طبقات کی اکثریت ہو، وہ جلد یا بدیر تحلیل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ خصوصاً تیسری قسم کے لوگ جو دینی حمیت و غیرت سے خالی، اور احساس خود تحفظی سے عاری ہوں وہ بہت جلد مقہور و محکوم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جیسا کے اوپر عرض کیا گیا رواداری اور کشادہ دلی، کے ہم بھی قائل ہیں لیکن اس رواداری کا یہ مطلب نہیں کہ میرا باپ حبیب الرحمٰن مرجائے، اور کل کو دوسرا شخص آکر کہے کہ میں تمہارے باپ حبیب الرحمٰن مرحوم کا بروز ہوں، اور بعینہ حبیب الرحمٰن بن کر تمہارے پاس آیا ہوں لہٰذا تمام حقوق پدری مجھ سے بجا لاؤ اور میں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس موذی کو باپ تسلیم کر لوں.......... نہیں!.......... بلکہ اگر مجھ میں ذرا بھی انسانی غیرت ہوگی تو میں اس نانہجار کے جوتے رسید کروں گا۔

اب اس بے غیرتی اور دیوثی کا تماشہ دیکھئے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا باوا مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ میں "محمد رسول اللہ" ہوں اور مسلمان کہلانے اور محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننے والے اس سے رواداری کا درس دیتے ہیں۔

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدالسّلام کی کھوٹر دشمنی

زاھد ملک

معاصر دنیا کی یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں ترقیاتی منصوبوں اور قومی خوشحالی کی رفتار تیز کرنے کے لیے توانائی کے وسائل میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے' اور اس ضمن میں ایٹمی توانائی ہی موثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ایٹمی توانائی پر چند بڑے ملکوں کی اجارہ داری ہے اور جوں جوں وقت آگے بڑھ رہا ہے' ایٹمی توانائی کے وسائل پر ان کی گرفت سخت ہوتی جا رہی ہے۔

یہ اگست ۱۹۵۸ء کی بات ہے' اس کے دو ماہ بعد اکتوبر ۱۹۵۸ء میں فوجی انقلاب آ گیا' جس کی باگ ڈور ایوب خان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ نئے عزم اور تازہ ولولوں کے ساتھ آئے تھے۔ ان کی کابینہ میں پہلی مرتبہ ایندھن' بجلی اور قدرتی وسائل کی الگ وزارت قائم کی گئی' جس کی ذمہ داریاں نوجوان بھٹو کو تفویض کی گئی تھیں۔ بھٹو مرحوم بھی پرجوش تھے۔ ان کے مطابق اس وقت تک کمیشن کی حیثیت "ایک دفتر کے بورڈ سے زیادہ نہ تھی" تاہم یہ حقیقت ہے کہ کمیشن پاکستانی سائنس دانوں کی ایک معقول تعداد کو بیرون ملک ریڈیو آئی سوٹوپس اور ری ایکٹر ٹیکنالوجی میں خصوصی تربیت دلوانے میں کامیاب رہا تھا۔

ایٹمی کمیشن کو از سر نو منظم کیا گیا اور ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی ۱۹۶۰ء میں اس کے نئے چیئرمین مقرر ہوگئے۔ ان دنوں ڈاکٹر عبدالسلام ایوب خاں کے سائنسی مشیر تھے' ڈاکٹر عثمانی کا نام انہی نے تجویز کیا تھا۔ ڈاکٹر عثمانی ایٹمی طبیعات کے آدمی تھے۔ انہوں نے کمیشن کو پہلی بار ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی۔ بھٹو مرحوم کی انہیں مکمل تائید حاصل تھی۔ پہلے مرحلے میں اندرون ملک تحقیقاتی' ترقیاتی اور تربیتی سہولتوں

کے قیام پر توجہ دی گئی' جس کے نتیجہ میں ایٹمی تحقیقات کا پہلا قومی ادارہ' پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیئر سائنس اور ٹیکنالوجی (Pinstech) کے نام سے قائم کرنے کی طرف پیش رفت ہوئی' جس کے تحت ایٹمی توانائی کے تمام شعبوں کی تجربہ گاہیں ایک ہی مقام پر قائم کرنا مطلوب تھا۔ چنانچہ اسلام آباد کے قریب نیلور میں اس کی تعمیر کا آغاز ۱۹۶۱ء میں ہوا۔ اس کے لیے عالمی شہرت یافتہ آرکیٹیکٹ ایڈورڈ ڈورل سٹون (Edward Durrel Stone) کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اس قومی ادارے کے لیے تحقیقاتی ری ایکٹر کے لیے معاہدہ ۱۹۶۰ء ہی میں ہوچکا تھا' جو امریکی ساخت کا یہ پانچ میگاواٹ کا "سوئمنگ پول" ری ایکٹر امریکہ نے "ایٹم برائے امن" پروگرام کے تحت مہیا کیا تھا۔ اس ری ایکٹر نے ۳۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کو کام شروع کر دیا۔

یہ وہ دور تھا جب بھارت پاکستان سے اس میدان میں بہت آگے نکل چکا تھا' یعنی ۱۹۵۶ء میں جب پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کی بنیاد رکھی جا رہی تھی' بھارت کا پہلا ایٹمی ری ایکٹر سائرس کام شروع کر چکا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ بھارت نے اسی ری ایکٹر سے حاصل کردہ مواد سے کیا تھا۔ تاہم پاکستانی سائنس دان اور انجینئر ابتدائی مرحلے میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا گئے۔ پاکستان کے اس پہلے ری ایکٹر کی ڈیزائننگ' تنصیب اور چلانے کا تمام کام پاکستانی سائنس دانوں کی ایک چھوٹی سی ٹیم نے بغیر کسی بیرونی مدد کے انجام دیا اور اس ٹیم میں نمایاں نام ڈاکٹر سعید زاہد کا ہے' جو بعد میں ڈاکٹر عبدالسلام اور منیر احمد کی سازشوں کا شکار ہوگئے اور ایک اطلاع کے مطابق یہ یگانہ روزگار سائنس دان ایٹمی ری ایکٹرز کے بارے میں' جس کی صلاحیتوں کا اعتراف امریکہ کے چوٹی کے سائنس دانوں نے کیا تھا' آج اپنوں کے ہاتھوں ہی اسلام آباد میں بے یار و مددگار ہے۔

بھٹو مرحوم کے بارے میں یہ بات طے ہے کہ "پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا ان کا جنون اور خواب تو بہت قدیم تھا۔ انہوں نے ۱۹۶۵ء میں جب ایوب کابینہ میں وزیر خارجہ تھے' نہایت جذباتی انداز میں کہا تھا:

> اگر بھارت نے ایٹم بم بنایا تو چاہے ہمیں گھاس اور پتے کھانے پڑیں یا ہم بھوکے رہیں' ہم بھی ایٹم بم بنا کر رہیں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس اس کا کوئی متبادل تو ہوگا۔ ایٹم بم کا جواب ایٹم بم ہی ہوسکتا ہے"۔

اس وقت بعض حلقوں بالخصوص بھارت نے اسے ان کی ایک تعلی قرار دیا تھا۔ بالکل اسی طرح کی تعلی یا نعرہ جیسا بھارت سے ایک ہزار سال تک جنگ لڑنے کے لیے

لگایا تھا۔ لیکن ان کی کتاب (Myth Of Independence) سے، جو انہوں نے ۱۹۶۷ء میں مکمل کی تھی اور ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی، کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں چین کے ۱۹۶۴ء کے ایٹمی دھماکہ کے بعد اندازہ ہوگیا تھا یا ان کے ذرائع نے انہیں بھارت کے ایٹمی عزائم سے باخبر کر دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے یہ بات یونہی نہیں کہی تھی۔ اپنی اس کتاب میں انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ بھارت بالآخر ایٹمی دھماکہ کرے گا۔ اگر پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام آگے نہ بڑھایا اور اسے اس نہج پر ترتیب نہ دیا تو بھارت اپنی ایٹمی قوت کی آڑ میں نہ صرف پاکستان کو بلیک میل کرے گا، بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی اس کی پیش رفت کی راہ میں حائل ہوگا اور غالباً ان کا یہی احساس تھا کہ جس کے باعث انہوں نے ایوب خان کو بھی ری پروسیسنگ پلانٹ لگانے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ کامیاب نہ ہوسکے تھے مگر جب ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ملک کی باگ ڈور پوری طرح ان کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے اپنے اس دیرینہ خواب کی تعبیر پانے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے برسر اقتدار آنے کے صرف ایک ماہ بعد ۲۰ جنوری ۱۹۷۲ء کو پاکستان کے اندرون و بیرون ملک سے چیدہ سائنس دانوں کو ملتان میں جمع کیا اور ان کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان کو جلد از جلد ایٹمی قوت بنا دینا چاہتے ہیں۔ "دی اسلامک بم" کے مصنفین سٹیوویزمین (Steve Weisman) اور ہربرٹ کروزنی (Herbert Kroseny) نے بھٹو کے پریس سیکرٹری خالد حسن کو نشے میں دھت کر کے اس سے جو کچھ اگلوایا، اس کے مطابق بھٹو اس کانفرنس میں بہت جذباتی ہو رہے تھے اور انہوں نے جب ایٹم بم بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تو ان کے سائنسی مشیر ڈاکٹر عبدالسلام، ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عشرت عثمانی اور کئی دوسرے سینئر سائنس دانوں نے نہ صرف اس سے اختلاف کیا بلکہ اسے ناممکن قرار دیا۔

واقفان حال کا کہنا ہے کہ ری پروسیسنگ پلانٹ کا آئیڈیا بھٹو مرحوم کے ذہن میں ان کے سائنسی مشیر ڈاکٹر عبدالسلام اور منیر احمد خان نے ڈالا تھا اور ڈاکٹر سلام کے بارے میں یہ بات کھلا راز ہے کہ وہ پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کے خلاف ہیں اور ملتان کانفرنس میں بھٹو سے اسی بات پر بگڑ گئے تھے۔ اسے جو "نوبل پرائز" ملا ہے، اس کی حقیقت اس امر سے آشکار ہو جاتی ہے کہ اسے سیاسی مقصد کے لیے یہودیوں نے آئن سٹائن کی صد سالہ برسی پر اس کے لیے منتخب کیا تھا۔ پھر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، یورپلانٹ کی ڈیزائننگ میں اہم کردار ادا کرنے والے زاہد سعید کو گوشہ گمنامی میں دھکیلنے

میں سب سے اہم کردار ڈاکٹر سلام نے ادا کیا۔ اسی طرح پاکستان کے ممتاز جیالوجسٹ شیرخاں کو بھی منیر احمد کے ہاتھوں اس لیے رسوا اور ملازمت سے نکلوایا گیا کہ اس نے ایوب خاں کے آخری دور میں' اس وقت کہ جب عشرت عثمانی یہ رپورٹ دے چکے تھے کہ پاکستان میں یورینم نہیں ہے' گلگت میں یورینم کی موجودگی ثابت کر دی تھی اور صدر ایوب کی ہدایت پر پاکستان اٹامک کمیشن کے ڈاکٹر غنی نے گلگت جا کر ان کی کوششوں کا جائزہ لینے کے بعد صدر کو جو رپورٹ دی تھی' اس میں شیرخاں کی تائید کر دی تھی۔ بعد میں صدر ایوب نے فرانس کے ماہرین سے بھی تصدیق کرائی اور یہ بات بھی قومی پریس میں آ چکی ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام جب بھی پاکستان آتے ہیں' ایٹمی توانائی کمیشن کے کراچی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے' منیر احمد سے باتیں کرتے اور بھارت کے لیے رخت سفر باندھ لیتے ہیں تاکہ وہاں اپنے آقاؤں کو خوش کر سکے۔

ایٹمی توانائی کمیشن میں ان کے کئی اور نیازمند بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر سلام سے تعلق کے علاوہ منیر احمد نے اردو ڈائجسٹ سے اپنے اسی انٹرویو میں ڈاکٹر کسنجر کی شاگردی اور نیازمندی پر بھی اظہار افتخار کیا ہے۔ اندریں حالات اگر یہ کہا جائے کہ بھٹو کو ری پروسیسنگ پلانٹ کی راہ پر ڈالنے کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو مفلوج کرنے کے لیے "عالمی طاقتوں" کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں' تو بے جا نہ ہوگا۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ بھٹو مرحوم کو نچہ دینے میں پوری طرح کامیاب رہے۔

مولانا کوثر نیازی نے لکھا ہے کہ "ری پروسیسنگ پلانٹ کی خریداری کا آئیڈیا مسٹر بھٹو کے ذہن میں ان کے سائنسی امور کے مشیر ڈاکٹر عبدالسلام اور ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین مسٹر منیر احمد خان نے ڈالا تھا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ملتان کانفرنس میں ڈاکٹر عبدالسلام نے پاکستان کے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی مخالفت کی تھی اور وہ اس معاملہ میں مسٹر بھٹو کے اضطراب سے اس قدر پریشان ہوئے تھے کہ ناراض ہو کر لندن چلے گئے تھے اور بھٹو کو بقول خالد حسن' اس خوف کے پیش نظر کہ ڈاکٹر عبدالسلام کہیں سارے راز ہی بے نقاب نہ کر دیں' ڈاکٹر عبدالسلام کے ایک قریبی دوست اور عزیز شاگرد کو ان کے پیچھے بھیجنا پڑا تھا کہ وہ انہیں یقین دلائے کہ ملتان کانفرنس محض ایک سیاسی ڈرامہ تھا اور مسٹر بھٹو کو اس معاملے میں پاکستان کے محدود وسائل اور بے بضاعتی کا پورا احساس ہے۔ ایسے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا آئیڈیا دینے

والوں نے مسٹر بھٹو سے فریب کیا تھا' وہ بالکل درست کہتے ہیں اور اس سے مسٹر بھٹو کے ان مشیروں کی پاکستان دوستی بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے"۔

کہوٹہ دشمن کارروائیوں کے سلسلہ میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

ایک دفعہ ایک نوجوان چرواہا ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر سستانے لگا۔ اس کی بھیڑیں ادھر ادھر چرنے لگیں۔ اس کا یہ معمول تھا کہ دن بھر جنگل سے لکڑیاں کاٹنے اور اپنی بھیڑ بکریاں چرانے کے بعد جب سورج غروب ہونے کے کچھ دیر پہلے گاؤں کا رخ کرتا تو راستے میں سڑک کے کنارے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتا۔ یہ سڑک کہوٹہ پراجیکٹ کی طرف جاتی ہے' جہاں بقول مغربی ذرائع ابلاغ کے عالمی شہرت یافتہ ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان "اسلامی بم" بنانے میں مصروف ہیں۔ چنانچہ اس دن بھی نوجوان چرواہا حسب معمول ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر سستانے لگا۔ بے خیالی میں وہ اپنی کلہاڑی کو چمکانے اور تیز کرنے کے لیے پتھر پر رگڑنے لگا۔ وہ کلہاڑی کو پتھر پر رگڑنے سے پیدا ہونے والی آواز سے مانوس تھا لیکن اسے یہ دیکھ کر تعجب ہونے لگا کہ اس دن اس عمل سے پیدا ہونے والی آواز قدرے نامانوس سی تھی۔ یوں بھی چرواہوں کی چھٹی حس بہت تیز ہو جاتی ہے۔ شاید اسی لیے قدرت نے کئی ایک پیغمبروں کو پیغمبری عطا کرنے سے پہلے انہیں بھیڑ بکریاں چرانے کے عمل سے گزارا۔

اس نامانوس آواز سے ذہین چرواہے کے کان اس لیے بھی کھڑے ہوگئے تھے کہ اس کے باپ نے جو کہ گاؤں کی مسجد میں موذن ہے' لیکن کہوٹہ پراجیکٹ کے سیکورٹی حکام کے لیے خدمات انجام دیتا ہے' اپنے بیٹے کو کہہ رکھا تھا کہ بیٹا آنکھیں کھول کر چلا کرو۔ دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے۔ وہ کہوٹہ کو تباہ کرنے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کر سکتا ہے۔ چنانچہ جب کلہاڑی کو اس بڑے سے پتھر پر رگڑنے سے کچھ نامانوس سی آواز پیدا ہوئی تو نوجوان چرواہے کے کانوں میں اپنے باپ کے یہ الفاظ گونجنے لگے۔ اس کا تجسس بڑھنے لگا۔ اس نے پتھر کو غور سے دیکھا اور پھر اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اسے یہ محسوس کر کے مزید تعجب ہوا کہ پتھر اپنے سائز کے تناسب سے نسبتاً بہت زیادہ وزنی تھا۔ اس کا شک یقین میں تبدیل ہونے لگا اور اسے اس کی چھٹی حس نے کہہ دیا کہ یہ پتھر نہیں' کوئی اور چیز ہے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ادھر ادھر پریشانی کے عالم میں دیکھتے ہوئے پتھر کو اٹھا لیا اور اپنی بھیڑوں کو اپنے مخصوص انداز میں آواز دیتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑا۔

ادھر کہوٹہ پراجیکٹ کے ہمہ وقت مستعد سیکورٹی حکام نے اس موذن اور اسی طرح

پراجیکٹ کے آس پاس تمام دیہات میں مدد دینے والے دیگر سینکڑوں رضاکاروں کو کہہ رکھا تھا کہ جب کوئی غیرمانوس شخص یا چیز دیکھو تو فوراً اطلاع دو۔ یوں یہ مشکوک پتھر ان سیکورٹی حکام تک جا پہنچا اور پھر مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوتے ان ماہرین تک جا پہنچا' جنہوں نے اسے کھولنے کا فیصلہ کیا۔ جب اس پتھر کو کھولا گیا تو اس کے اندر سے ایک ٹرانسمیٹر کے علاوہ ایسے نازک اور حساس آلات برآمد ہوئے' جن کا فنکشن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی افزودہ یورینیم لے کر سڑک سے گزرے تو یہ حساس آلات یورینیم کی افزودگی کی نوعیت اور اس کی مقدار کا پتہ چلا لیتے ہیں' اسے ریکارڈ کر لیتے ہیں اور پھر ٹرانسمیٹر اسی وقت جمع شدہ معلومات کو اس ملک تک بھی پہنچا دیتا ہے' جس ملک نے اس "پتھر" کو وہاں رکھوایا تھا۔ دوئم اگر ایٹمی دھماکہ کیا جائے تو یہ تمام معلومات ریکارڈ کر کے بھی پہنچاتے ہیں۔ یہ حقائق مرحوم جنرل ضیاء الحق نے خود مجھے بتلائے تھے اور مسکرا کر کہا تھا کہ انہوں نے یہ باتیں امریکی سفیر ڈین ہنٹن کو بھی بتلا دی تھیں اور کہا تھا کہ اگر اور پتھر رکھو گے تو وہ بھی ہم چند گھنٹوں میں اٹھا لیں گے۔ یہ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر ممالک' کہوٹہ کی سرگرمیوں پر کس طرح نظر رکھے ہوئے ہیں اور وہ اپنے جدید جاسوسی کے آلات کی مدد سے کس طرح کہوٹہ کو اپنی عقابی نگاہوں کا مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ میں اس طرح کے اور کئی ایک ایسے واقعات کا ذکر کر سکتا ہوں جو کہ میرے سینے میں دفن ہیں اور جن کی تعداد مسلسل بڑھتی جا رہی ہے' جن سے یہ واضح ہو گا کہ کہوٹہ اور اسی طرح ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کس طرح دشمن کی زد میں ہیں اور کس طرح کہوٹہ کے اردگرد تہہ در تہہ اور پرپیچ حفاظتی دیواروں کے باوجود' دشمن "اسلامی بم" کی حقیقت جاننے کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ لیکن ایسے واقعات' جن سے پردہ ہٹایا گیا تو حکومت پاکستان کی پوزیشن عوام کی نظروں میں مشکوک ہو جائے گی اور پاکستان کے بعض ممالک سے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں' شائع نہیں کیے جا رہے لیکن میں نے اپنے طور پر حکومت پاکستان کے پالیسی ساز حضرات سے ملاقات کر کے ان سے ان واقعات پر تبادلہ خیال کیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ وہ خواب غفلت سے جاگیں۔

جو ممالک پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف ہیں' بلکہ اس مسلسل کوشش میں مصروف ہیں کہ پاکستان اس ضمن میں کوئی نمایاں پیش رفت نہ کر سکے' ان میں روس' بھارت' اسرائیل اور امریکہ شامل ہیں۔ روس' بھارت اور اسرائیل کی پاکستان کے اندر

انٹیلی جنس سرگرمیاں محدود ہیں لیکن روس اور بھارت کے' پاکستان کے اندر بہرحال اپنے رابطے موجود ہیں اور وہ اپنے پاکستانی ایجنٹوں کی مدد سے ہر طرح کی مطلوبہ معلومات بڑی حد تک حاصل کر لینے کی پوزیشن میں ہیں جب کہ امریکہ کو پاکستان کا دوست حلیف بلکہ مربی ملک ہونے کی حیثیت سے اس ضمن میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہیں۔ چین بھی پاکستان کا دوست اور خیر خواہ ملک ہے اور اسے بھی پاکستان سے گہرے دوستانہ روابط کی بنا پر پاکستان کے ہر طرح کے معاملات بشمول کہوٹہ کی کارکردگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی سہولتیں حاصل ہیں لیکن چین کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ اس کے مفادات پاکستان کے مفادات سے زیادہ مختلف یا متضاد نہیں ہیں۔

امریکہ کو خاص طور پر یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ پاکستان میں اعلیٰ ترین سطح پر ہونے والے اجلاسوں کی کارروائی سے بھی مکمل طور پر باخبر ہو جاتا ہے بلکہ پاکستان کی اب تک کی تاریخ میں ایوان صدر یا وزیراعظم سیکرٹریٹ میں ہونے والے ہر طرح کے خفیہ اجلاسوں میں بھی امریکیوں سے زیادہ' کوئی نہ کوئی امریکہ نواز ضرور موجود ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اطلاق بڑی حد تک کہوٹہ کے ضمن میں ہونے والے اجلاسوں پر بھی ہوتا ہے۔ کہوٹہ کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے بھی ایک اعلیٰ سطح کا بورڈ ہے' جس کی تفصیل بتانا ملکی مفاد کے منافی ہوگا۔ جنرل کے عہدہ پر فائض ایک سینئر ملٹری آفیسر نے ۱۹۸۷ء کے اوائل میں مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق ان سے کہوٹہ کے بعض نازک اور اہم معاملات پر تبادلہ خیال کر رہے تھے تو انہوں نے یعنی صُدر پاکستان نے منیر احمد خاں کا نام لے کر کہا کہ "وہ حرامی سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔ ڈاکٹر قدیر سے کہہ دو کہ وہ اس کی موجودگی میں کوئی خاص بات نہ کیا کریں۔

معزز قارئین کو اس انتہائی افسوس ناک بلکہ شرمناک حقیقت سے باخبر کرنے کے لیے کہ اعلیٰ عہدوں پر متمکن بعض پاکستانی کس طرح غیر ممالک کے اشارے پر کہوٹہ بلکہ پاکستان کے مفاد کے خلاف کام کر رہے ہیں' میں صرف ایک اور واقعہ کا ذکر کروں گا اور اس واقعہ کے علاوہ مزید ایسے واقعات کا ذکر نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ ایسا کرنے میں کئی ایک قباحتیں ہیں لیکن میں نے ان سنسنی خیز واقعات کو تاریخ وار درج کر کے اس انتہائی اہم قومی دستاویز کی دو نقلیں پاکستان کے باہر دو مختلف شخصیات کے پاس بطور امانت درج کرا دی ہیں اور اس کی اشاعت کب اور کیسے ہو' کے متعلق ضروری ہدایات دے دی ہیں۔

یہ واقعہ نیاز اے نائیک سیکرٹری وزارت خارجہ نے مجھے ڈاکٹر عبدالقدیر کا ذاتی دوست سمجھتے ہوئے سنایا تھا۔ انہوں نے بتلایا کہ وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خاں نے انہیں یہ واقعہ ان الفاظ میں سنایا:

"اپنے ایک امریکی دورے کے دوران سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں' میں بعض اعلیٰ امریکی افسران سے باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کر رہا تھا کہ دوران گفتگو امریکیوں نے حسب معمول پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا ذکر شروع کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر پاکستان نے اس حوالے سے اپنی پیش رفت فوراً بند نہ کی تو امریکی انتظامیہ کے لیے پاکستان کی امداد جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک سینئر یہودی افسر نے کہا "نہ صرف یہ بلکہ پاکستان کو اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ جب ان کی گرم سرد باتیں اور دھمکیاں سننے کے بعد میں نے کہا کہ آپ کا یہ تاثر غلط ہے کہ پاکستان ایٹمی توانائی کے حصول کے علاوہ کسی اور قسم کے ایٹمی پروگرام میں دلچسپی رکھتا ہے تو سی آئی اے کے ایک افسر نے جو اسی اجلاس میں موجود تھا' کہا کہ آپ ہمارے دعویٰ کو نہیں جھٹلا سکتے۔ ہمارے پاس آپ کے ایٹمی پروگرام کی تمام تر تفصیلات موجود ہیں بلکہ آپ کے اسلامی بم کا ماڈل بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ کہہ کر سی آئی اے کے افسر نے قدرے غصے بلکہ ناقابل برداشت بدتمیزی کے انداز میں کہا کہ آیئے میرے ساتھ بازو والے کمرے میں۔ میں آپ کو بتاؤں آپ کا اسلامی بم کیا ہے؟ یہ کہہ کر وہ اٹھا۔ دوسرے امریکی افسر بھی اٹھ بیٹھے۔ میں بھی اٹھ بیٹھا۔ ہم سب اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ سی آئی اے کا یہ افسر' ہمیں دوسرے کمرے میں کیوں لے کر جا رہا ہے اور وہاں جا کر یہ کیا کرنے والا ہے۔ اتنے میں ہم سب ایک ملحقہ کمرے میں داخل ہوگئے۔ سی آئی اے کا افسر تیزی سے قدم اٹھا رہا تھا۔

ہم اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ کمرے کے آخر میں جا کر اس نے بڑے غصے کے عالم میں اپنے ہاتھ سے ایک پردہ کو سرکایا تو سامنے میز پر کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا ماڈل رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف ایک سٹینڈ پر فٹ بال نما کوئی گول سی چیز رکھی ہوئی تھی۔ سی آئی اے کے افسر نے کہا "یہ ہے آپ کا اسلامی بم۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو۔ کیا تم اب بھی اسلامی بم کی موجودگی سے انکار کرتے ہو؟" میں نے کہا میں فنی اور تیکنیکی امور سے نابلد ہوں۔ میں یہ بتانے یا پہچان کرنے سے قاصر ہوں کہ یہ فٹ بال قسم کا گولہ کیا چیز ہے اور یہ کس چیز کا ماڈل ہے۔ لیکن اگر آپ لوگ بضد ہیں کہ یہ اسلامی

بم ہے تو ہوگا' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سی آئی اے کے افسر نے کہا کہ آپ لوگ تردید نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں۔ آج کی میٹنگ ختم کی جاتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر کی طرف نکل گیا اور ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ میرا سر چکرا رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟

جب ہم کاریڈور سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے تو میں نے غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک دوسرے کمرے سے نکل کر اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے' جس میں بقول سی آئی اے کے' اس کے اسلامی بم کا ماڈل پڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اچھا تو یہ بات ہے"۔

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف قادیانی سازش

یونس خلش

محترم ابن نظام نے چٹان کے ۱۳ جنوری ۱۹۸۶ء کے شمارے میں انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو سائنس فاؤنڈیشن قائم کرنے کے لیے اسلامی کانفرنس نے ۵ کروڑ ڈالر کی منظوری دی ہے' جبکہ ڈاکٹر عبدالسلام نے اسلامی کانفرنس سے ایک ارب ڈالر کا تقاضا کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ٹر-سٹی اٹلی میں نظریات طبیعات کا بین الاقوامی مرکز قائم کیا ہے' جس کے وہ ڈائریکٹر ہیں۔ اس مرکز کو بین الاقوامی ایٹمی ادارے "یونیسکو" کا تعاون بھی حاصل ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے بقول یہ غیر سیاسی ادارہ ہوگا اور اسے مسلم ممالک کے سائنس دان چلائیں گے۔

ڈاکٹر عبدالسلام نے سائنس فاؤنڈیشن کے بارے میں یہ گمراہ کن تاثر دینے کی کوشش کی کہ جیسے اس ادارے کی پالیسی اور ورکنگ ان کے مشوروں کی مرہون منت ہے' اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جنرل جناب احمد قطانی (مراکش) بڑے زیرک اور محب اسلام ایٹمی سائنس دان ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کی چرب زبانی کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا اور ان کے ہتھکنڈوں میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام آج کل اسی نوع کا تاثر کویت میں دے رہے ہیں۔ کویت میں موصوف کی حیثیت اقوام متحدہ کے ایک نمائندے کی ہے' جس پر حکومت کویت کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قادیانی گماشتہ کس عیاری سے اسلامی ممالک کے ایٹمی اداروں میں نقب لگا رہا ہے ۔ اسلامک سائنس فاؤنڈیشن جدہ میں واقع ہے۔ سعودی عرب کے بارے میں مشہور ہے کہ کوئی قادیانی وہاں پر نہیں مار سکتا' مگر ڈاکٹر عبدالسلام کے وہاں آنے جانے پر

کوئی پابندی نہیں۔ وہ پوری یکسوئی اور اعتماد کے ساتھ جدہ میں تمام اسلامی ممالک کے ایٹمی پروگراموں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ اندازہ لگایئے کہ قادیانی کس قیامت کی چال چلتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان کتنے وثوق سے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام کس پایہ کے سائنس دان ہیں اور انہیں نوبل پرائز کس تحقیق کے صلہ میں ملا' انہوں نے عالمی انعام حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی کیا خدمات سرانجام دیں؟--- یہ معمہ بھی کھل چکا ہے۔ پاکستان کے ایک مایہ ناز ایٹمی سائنس دان نے انکشاف کیا تھا کہ یہودیوں نے آئن شائن کی صدسالہ برسی کے موقع پر فیصلہ کیا تھا کہ نوبل پرائز اپنی لابی میں جانا چاہیے' چنانچہ قرعہ فال ڈاکٹر عبدالسلام کے نام نکلا۔ یوں ڈاکٹر عبدالسلام نوبل انعام یافتہ ہوئے' وگرنہ اہلیت کے اعتبار سے وہ اس عالمی انعام کے سزاوار نہ ہوسکتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے عالمی اعزاز تو حاصل کر لیا' مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایٹمی میدان میں انتہائی استعداد کے بعد انہوں نے ملک کے لیے کون سا کارنامہ سرانجام دیا' کس سائنسی شعبہ میں ان کی دریافت سامنے آئی' کون سا معرکہ سر ہوا؟--- یہ سوالات آج تک تشنہ جواب ہیں۔ ہم نے ان کے گلے میں پھولوں کے ہار تو ڈال دیئے' سرکاری سطح پر ان کا پرتپاک استقبال کیا' صدر پاکستان ان کے خیر مقدم میں بچھ بچھ گئے' ملت اسلامیہ کے جذبات سے بے نیاز ہو کر ان کی راہ میں پھولوں کی کہکشاں سجا دی گئی' مگر اب تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی اداروں میں کون سی انقلابی تبدیلی لائے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق وہ کوئی خدمت انجام دینے کی بجائے پاکستان کے بارے میں ایٹمی معلومات ہندوستان منتقل کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ وہ پوری نگاہ رکھے ہوئے ہیں کہ پاکستان میں کوئی قابل اور ذہین سائنس دان ایٹمی اداروں تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان آتے ہیں' تو چند ہفتے قیام کے بعد وہ ہندوستان کو عازم سفر ہو جاتے ہیں' جہاں ان کی راہ میں آنکھیں بچھا دی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بنگلور' بنارس اور ہندوستان کی دیگر بڑی درسگاہوں میں جدید سائنسی علوم پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر محض بہانہ ہے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے کٹر غنیم ہندوستان کو اپنی تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرتے ہیں۔ انڈیا انہی معلومات کی بنا پر لوک سبھا اور عالمی سطح پر نوحہ کرنے لگتا ہے اور ان کے اخبارات پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ گھر کے بھیدی اسی طرح لنکا ڈھا رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ پاکستان کے سیاسی دانشور' ڈاکٹر عبدالسلام کی علمیت کے قصیدے پڑھتے تھکتے نہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام ایک طویل عرصہ تک پاکستان میں صدر کے سائنسی مشیر رہ چکے ہیں۔ وہ مسٹر بھٹو کے سائنسی مشیر بھی رہ چکے ہیں۔ جناب بھٹو نے انہی کے ایماء پر ڈاکٹر شہزاد صادق قادیانی کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا اور آئل اینڈ گیس کارپوریشن کے تمام وسائل ان کی تحویل میں دے دیئے تھے۔ ڈاکٹر شہزاد برسوں او۔ جی۔ ڈی۔ سی میں سیاہ و سفید کے مالک رہے اور رفتہ رفتہ قادیانی لابی کے لوگوں کو اوپر لاتے رہے۔ بھٹو کے بعد انہیں ملک سے فرار ہونا پڑا' مگر آج تک تیل اور گیس کی کارپوریشن' قادیانی لابی کے تصرف سے آزاد نہیں ہو سکی۔ اب بھی انہیں پر عنایات کی بارش ہو رہی ہے اور ہم اپنی کوتاہی اور غفلت پر کف افسوس مل کر رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب تک مسٹر بھٹو کے مشیر رہے' ان کی تمام صلاحیتیں قادیانی لابی کے لیے سرگرم رہیں۔ جناب بھٹو کچھ کچھ قادیانیوں کے عزائم سے باخبر ہوگئے تھے' انہیں بالآخر احساس ہوگیا تھا کہ ان کے اقتدار کے گرد دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی۔ کانفرنس میں شرکت کے لیے ڈاکٹر عبدالسلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب قومی اسمبلی نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر عبدالسلام کے پاس پہنچا' تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیراعظم سیکرٹریٹ کو بھیج دیا:

I do not want to set foot on this accursed land until the Constitutional Amendment is withdrawn.

"میں اس لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا' جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے"۔

مسٹر بھٹو نے جب یہ ریمارکس پڑھے تو غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ انہوں نے اشتعال میں آکر اسی وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سیکرٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو فی الفور برطرف کر دیا جائے اور بلا تاخیر نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے۔ وقار احمد نے یہ دستاویز ریکارڈ میں فائل کرنے کی بجائے اپنی ذاتی تحویل میں لے لی' تاکہ اس کے آثار مٹ جائیں۔ وقار احمد بھی قادیانی تھے' یہ کس طرح ممکن تھا کہ اتنی اہم دستاویز فائلوں میں محفوظ رہتی۔ اتنی دریدہ دہنی اور ڈھٹائی کے باوجود جب ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان آتے ہیں' تو ان کی پذیرائی میں سرکار کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور ان کا شایان شان خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ وطن عزیز کی رسوائی اور حد درجہ بے حرمتی کرنے والے اس ڈاکٹر کی

پذیرائی کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

مارشل لاء کے فیض یافتہ اور سابق وزیر تعلیم مسٹر محمد علی ہوتی کو ڈاکٹر عبدالسلام کا کلاس فیلو ہونے کا افتخار حاصل ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے' تو جناب ہوتی نے ان دنوں سخت احتجاج کیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ہے' اس کا کھانا الگ کیا جائے۔ چند دن ہوئے جب ڈاکٹر عبدالسلام کے ایک پرانے رفیق کار اور ہم جماعت سے ملاقات کا موقع ملا' انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر سلام جب کبھی پاکستان آتے ہیں' تو یونیورسٹی کی پرانی یادیں تازہ کرنے کے لیے ان کے پاس مختصر قیام ضرور کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے انہیں بڑے فخر سے بتایا کہ محمد علی ہوتی' جس نے ہوسٹل میں ان کا کھانا الگ کر دیا تھا' آج کل اسلام آباد ایئرپورٹ پر گاڑی لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور خوش آمدید کا یہ منظر بڑا ہی دیدنی ہوتا ہے۔ نفرت' محبت کے قدموں میں کس طرح سجدہ ریز ہوئی' اس اسرار سے سابق وزیر تعلیم ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں' تاہم دانائے راز یہی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلام کی خوشنودی کے طالب اچھی طرح جانتے ہیں کہ عہدہ و منصب کی تقسیم میں ڈاکٹر عبدالسلام کی کرم فرمائی اور نوازش شامل ہوتی ہے۔

مجھے اس نابغہ روزگار کی بات دل کو لگتی ہے' جس نے کہا تھا کہ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت اس وقت تک برسراقتدار نہیں آ سکتی جب تک اسے قادیانیوں کا غیر معمولی التفات میسر نہ ہو۔ انگلستان کا یہ پودا' اب تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کی جڑیں ملک کے چاروں طرف پھیل رہی ہیں۔ انگریز کا آفتاب جب تک برصغیر پر قائم رہا' اس نے انہی افراد کو عہدوں سے نوازا' جو یا تو قادیانی تھے' یا ان کے منظور نظر تھے۔ اس طرح وہ ایک ایسی لابی قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے' جو آج بھی ان کے افکار اور مفادات کی پروٹیکشن کر رہی ہے۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا کہ آج ملک میں ہماری دینی جماعتوں کے درمیان تکفیر کی حد تک جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں' ان کے پیچھے قادیانی منصوبہ بندی اور سازشوں کی بساط کام کر رہی ہے۔ وہ اسلامی نظام کی داعی جماعتیں جن کی اجتماعی قوت اسلام کے دشمنوں کے خلاف استعمال ہونا تھی' ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں صرف ہو رہی ہے۔ مسجدیں کفر و تکفیر کے فتوؤں کی آماجگاہ بن چکی ہیں اور اسلام کا آفاقی نظام عام آدمی کے دل و نگاہ سے محو ہوتا جا رہا ہے۔ وہ چھوٹی سی اقلیت جو مرزا غلام احمد قادیانی کے فریب خوردہ افکار پر قائم ہوئی تھی' اس کا جادو سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ یقین نہ آئے تو مساجد میں جا کر علمائے دین کی تقریریں ملاحظہ کر لیں' جہاں اسلام کی

بجائے فروعی خیالات اور مسلک کی حکمرانی قائم ہوچکی ہے۔

انگریز کی پروردہ یہ تنظیم زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی شاخیں پھیلا رہی ہے اور سرکاری محکموں میں دخیل ہونے کی حد تک اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے صحیح طریقہ سے منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ حساس محکمے اس کی دستبرد سے کل محفوظ تھے نہ آج۔ اس کے ایجنٹ خود کو لبرل ثابت کرتے ہیں اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے عمل کو محض ملاؤں کی تنگ نظری اور کج اندیشی سے منسوب کرتے ہیں ۔ملا کا لفظ گالی بن کے رہ گیا ہے اور کوئی فرد رجعت پسند کہلوانے کے لیے آمادہ نہیں۔ بعض لوگ بڑی معصومیت اور سادی لوحی سے سوال کرتے ہیں کہ ان مولویوں نے یہ کیا ہنگامہ کر رکھا ہے' کیا پاکستان میں اقلیت کو تحفظ حاصل نہیں؟ کیا یہاں ہندو' سکھ' عیسائی اور پارسی نہیں رہتے؟ انہیں اگر شہری حقوق اور تحفظات حاصل ہیں' تو قادیانی اس سے کیوں محروم ہیں؟ آخر تان یہاں آکر ٹوٹ جاتی ہے کہ یہ چند گمراہ مولویوں کے ذہن کا شاخسانہ ہے۔

دارالحکومت کے ایک معروف کالم نویس نے قادیانیوں کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہیں تو پاکستان میں بسنے والی تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق اور تحفظ ملنا چاہیے۔ کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں کئی اقلیتیں سکونت پذیر ہیں اور ریاست نے ان کے حقوق محفوظ کیے ہیں' مگر آج تک کسی عیسائی یا ہندو نے اٹھ کر یہ باطل دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ عیسائی اپنے آپ کو عیسائی سمجھتے ہیں اور ہندو خود کو ہندو کہلواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص برسرعام اعلان کرے کہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ وہ بھی صدارت کے عہدے پر متمکن ہے تو ۹ کروڑ عوام اسے پاگل سمجھنے میں ایک لمحہ کے لیے بھی دریغ نہ کریں۔ حکومت یا ریاست اس قسم کے باغیانہ نعرے کو برداشت کر سکتی ہے؟ مرزا غلام احمد نے ببانگ دہل اپنے آپ کو نبی کہا ہے' نبوت کے جھوٹے دعویدار کو کس تحمل سے برداشت کیا گیا' اس کے پیروکار اور خیراندیش ملت اسلامیہ کو تلقین کرتے ہیں کہ قادیانیوں کو تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق دیئے جائیں جبکہ وہ اعلانیہ اور واشگاف کہتے ہیں کہ اسرائیل میں ہمارے مشن ہیں' یہودیوں کے وہی دوست ہوسکتے ہیں جو پاکستان اور عالم اسلام کے دشمن ہیں۔

پچھلے دنوں اسرائیل کے ایک اخبار "یروشلم پوسٹ" کے صفحہ اول پر تصویر شائع ہوئی' جس میں قادیانی مشن کے سربراہ نے اسرائیل کے صدر کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ اس نے انہیں مکمل آزادی دی اور ان سے تعاون کیا۔ فلسطینیوں کو بے گھر اور بیت

المقدس کی بے حرمتی کرنے والے یہودیوں کے انہی کے ساتھ تعلقات قائم ہوسکتے ہیں' جو ۹ کروڑ مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل رہے ہیں۔

ہمارے یہ لبرل دانشور جو قادیانیوں کو فتنہ اور غیر مسلم قرار دینے والے کو رجعت پسندی کی پھبتی کستے ہیں' انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسٹر بھٹو کوئی مولوی نہ تھے اور نہ کوئی رجعت پسند لیڈر' بلکہ سزائے موت پانے سے پہلے انہوں نے شیو کا سامان طلب کرتے ہوئے کہا کہ میں مولوی کی موت مرنا نہیں چاہتا۔

"I do not want to die like Moulvi Death."

مسٹر بھٹو سے ہزاروں اختلافات کی گنجائش ہے' مگر کوئی شخص ان سے یہ اعزاز نہیں چھین سکتا کہ انہوں نے قادیانیوں کے خلاف تحریک کی پرورش کی اور بالاخر انہیں ۱۹۷۳ء کے آئین میں غیر مسلم قرار دے کر دم لیا۔ یہ اتنا بڑا کریڈٹ ہے کہ آخرت میں ان کے لیے ذریعہ نجات بھی بن سکتا ہے۔

"چٹان" کے بانی شورش کاشمیریؒ نے مسٹر بھٹو کے نظریات کے خلاف ایک طولانی جنگ لڑی' جیل میں گئے اور ناقابل برداشت صعوبتیں جھیلیں' مگر جب بھٹو نے آئین میں ترمیم کی' تو انہوں نے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ حالانکہ ان کے رفقاء ان سے متفق نہ تھے' مگر آغا صاحب نے انہیں کہا کہ آج اگر مسٹر بھٹو کے اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی' تو وہ آئندہ کوئی اچھا کام نہیں کریں گے۔ تم اگر میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو' میں تنہا اس شخص کو مبارک باد پیش کروں گا' جس نے ناموس رسالتؐ کی حرمت کو قائم رکھا۔ چنانچہ یہ کہنا کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینا محض علماء کی بصیرت کی تنگی ہے' سراسر خلاف حقیقت ہے۔

مسٹر بھٹو نے اپنے دور میں کہوٹہ ریسرچ سینٹر کا سنگ بنیاد رکھا اور ممتاز ایٹمی سائنس دان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ہالینڈ سے بلا کر کہا: آپ کام کریں اور اس سلسلے میں بھاری اخراجات کی فکر نہ کریں۔ کہوٹہ سینٹر کے قیام کے فوراً بعد یہودی حرکت میں آ گئے۔ انہوں نے ڈاکٹر قدیر خان کے خلاف سازش کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے علم و فن کا اعجاز تھا کہ وہ نہایت قلیل وقت میں پاکستان کو یورینیم کی افزودگی میں بھارت کے مقابلے میں بہت آگے لے آئے۔ یہ بات دل یہود میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔ چنانچہ ایک منظم منصوبہ کے تحت ڈاکٹر صاحب پر ایٹمی راز کو چرانے کا شوشہ چھوڑا گیا۔ ہالینڈ کی عدالت میں ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں مقدمہ چلا کر یکطرفہ فیصلہ کرایا

گیا تاکہ ڈاکٹر صاحب کو قوم کی نظروں سے گرا دیا جائے۔ اہل پاکستان نے ڈاکٹر صاحب کے گلے میں گولڈ میڈل پہنا کر اپنے جذبات کا نذرانہ پیش کیا۔ وہ اس سے بھی بڑے اعزاز کے مستحق ہیں' گولڈ میڈل ان کی خدمات کے صلے میں بڑی حقیر چیز ہے۔ نوبل پرائز بھی ان کے جاوداں کارنامے اور خدمات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ۹ کروڑ پاکستانیوں کے دل' ڈاکٹر صاحب کے لیے دھڑکتے ہیں۔ جذبوں کا یہ خراج تمام عالمی انعامات سے سوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو فقط اہل پاکستان کی محبتیں اور جذبات سے معمور دھڑکنیں ان کی آسودگی کے لیے کافی ہیں۔ ویسے بھی ان کے پایہ کی شخصیت عالمی اعزاز اور میڈلوں سے بالاتر ہے۔ اہل وطن کی نگاہیں ہر وقت ان کے لیے فرش راہ رہتی ہیں۔ یہ افتخار' بانی پاکستان کے بعد اگر کسی شخص کے حصہ میں آیا تو وہ فقط ڈاکٹر قدیر خان ہیں' جو ۹ کروڑ آنکھوں میں محو خرام ہیں۔

ڈاکٹر اے کیو خان کے خلاف قادیانی ٹولہ اس لیے بھی سرگرم ہے کہ انہوں نے کہوٹہ ریسرچ سینٹر میں کسی قادیانی فرد کو ملازمت نہیں دی' جبکہ ایٹمی توانائی کمیشن میں ۲۵ کے قریب قادیانی اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں' جن میں ڈاکٹر سلام کا بھائی بھی شامل ہے۔

معتبر ذرائع سے اطلاعات ملی ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام جب پاکستان آتے ہیں تو ایٹمی توانائی کمیشن کراچی کے گیسٹ ہاؤس میں ان کے قیام و طعام کا انتظام کیا جاتا ہے۔ وہ جناب منیر احمد خان کو فون کرتے ہیں' تو موصوف عالم شوق میں کراچی پہنچ جاتے ہیں۔ وہیں اہل دل کی محفل سجتی ہے اور کسی نامہ و قاصد کے بغیر پیغام پہنچتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام وہیں سے ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھتے ہیں۔ وہ وہاں کی معروف درسگاہوں میں اپنے بلیغ و فصیح لیکچر سے اہل علم کی تشنگی بجھاتے ہیں۔

ایک دانائے راز کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سلام کی نگاہ' ملک کے ان تمام افراد پر مرکوز ہے' جو جدید اور ایٹمی علوم پر دستگاہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے تمام حضرات کو ایٹمی اداروں سے دور رکھیں' تاکہ پاکستان میں کوئی جوہر قابل سامنے نہ آسکے۔ مجھ تک موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق ایسے کئی ذہین سائنس دان ڈاکٹر سلام کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر سعید زاہد اس سلسلے میں سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹر سعید زاہد ملک کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ہیں۔ انہوں نے آسٹریلیا کے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین مرجان فلپ بیکر کے ساتھ کام کیا۔ اس کے بعد امریکہ چلے گئے' جہاں انہوں نے نہایت امتیازی حیثیت سے دو کورسز کیے۔ شکاگو کی شہرت یافتہ ایٹمی تجربہ گاہ آرگان نیشنل لیبارٹری

سے نیوکلیئر انجنیئرنگ کا کورس مکمل کیا اور اوکرج میں نیوکلیئر ری ایکٹر ہیزرڈ کا کورس کیا۔ ڈاکٹر زاہد اپنے شعبہ میں یکتا سائنس دان ہیں' جنہوں نے نیوکلیئر ری ایکٹر ہیزرڈ کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان میں پنسٹک کی منصوبہ بندی اور بلڈنگ کو ڈیزائن کرنے میں اس یکتائے روزگار سائنس دان کی شبانہ روز مساعی اور کاوشوں کا گہرا دخل ہے۔ امریکہ کے چوٹی کے ایٹمی سائنس دانوں نے ڈاکٹر سعید زاہد کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے' بلکہ نیوکلیئر ری ایکٹر کے بارے میں اس کی بیش قیمت رائے کا احترام کیا ہے۔ آج پاکستان کا یہ عظیم سائنس دان اسلام آباد میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسے پنشن تک سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسلام آباد میں نیوکلیئر سائنس دانوں کے کوٹہ میں انہیں ایک کنال کا پلاٹ دیا گیا' جسے بعد ازاں واپس لے لیا گیا۔ ڈاکٹر سعید زاہد کی وہ کیا خطا تھی جس کی پاداش میں انہیں پنشن اور رہائشی سہولت سے بھی محروم کر دیا گیا۔ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کو استقبالیہ دینے کے لیے آمادہ نہ تھے' جبکہ حکومت کی طرف سے انہیں ری سپشن دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام ان کی گستاخی کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر زاہد کا انکار ڈاکٹر عبدالسلام کی طبع نازک پر گراں گزرا' چنانچہ انہیں سائنس فاؤنڈیشن سے فارغ کر دیا گیا۔ کیونکہ ڈاکٹر عبدالسلام کی ہربات آج بھی جان غزل کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ افریقہ کی ایک ریاست میں حکومت پاکستان کے مصارف پر جو تبلیغی مشن روانہ کیا جاتا ہے' ان کا کثیر زرمبادلہ قادیانیوں کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ تبلیغی مشن پر جانے والے وفود کے تمام اراکین قادیانیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا خزانہ غیر مسلموں کے لیے آج بھی کھلا ہے۔ نہ کوئی احتساب' نہ بازپرس' کس سے داد فریاد کی جائے

ع "کون سنتا ہے فغان درویش"

ایم ایم احمد کے زمانے میں بھی یہی دستور رائج تھا' اس وقت کسی سرپھرے نے قومی اسمبلی میں سوال اٹھا دیا تھا کہ قوم کو اعتماد میں لیا جائے کہ حکومت پاکستان' قادیانیوں کو تبلیغ دین کے لیے بھاری اخراجات کیوں برداشت کر رہی ہے۔ جب یہ سوال متعلقہ وزارت میں پہنچا' تو ایم ایم احمد نے اس سوال کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ ان دنوں وزارت خزانہ کے سیکرٹری یہی حضرت تھے۔ اس کے بعد کسی مرد حر نے جرات نہ کی۔ آج بھی قومی اسمبلی میں یہ سوال اٹھ جائے تو ایوان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ اہل وطن کو معلوم ہو

جائے کہ کتنا کثیر زرمبادلہ قادیانیوں کے مشن پر اٹھ رہا ہے۔ یہ سوال بھی جاں گسل ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کو ڈاکٹر عبدالسلام کی خواہشات اور مفادات کی نذر کیوں کیا گیا' انہیں راستے کا پتھر سمجھنے والے اپنے کن آقاؤں کے لیے دست تعاون دراز کیے بیٹھے ہیں۔

ع "یہ کس کافر کا غمزۂ خون ریز ہے ساقی"

میری معلومات کے مطابق حکومت عراق اپنے ایٹمی پروگرام کے فروغ کے لیے ڈاکٹر زاہد علی کی علمی اور سائنسی استعداد سے استفادہ کرنا چاہتی ہے' مگر پاکستان کا یہ ممتاز سائنس دان قادیانی سازش کا شکار ہو کر گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ نوکر شاہی کی چیرہ دستیوں سے اس کا سینہ فگار اور دل چھلنی ہوچکا ہے۔ جس شخص نے نیلور فیکٹری کو ابتدائی مرحلے میں نئی زندگی دی' اس کی ڈیزائننگ میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں' سائنسی فاؤنڈیشن کو نئی سمتیں عطا کیں' جدید سائنسی علوم پر یدطولیٰ رکھنے والا یہی شخص' دوبارہ وطن میں بے یارو مددگار ہے اور شہر خوباں میں اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے اور ادھر جناب جونیجو کچی آبادی کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے چلے ہیں۔ نظام اسلام کا چرچا ہے اور حقوق العباد سے بے نیازی کا بھی مظاہرہ ہو رہا ہے۔

بیان کیا جا چکا ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کا قصور فقط یہ تھا کہ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ری سپشن دینے اور اس میں شرکت کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ استقبالیہ میں عدم شرکت پر انہیں سیکرٹری کی طرف سے ناپسندیدگی Displeasure کا پیغام پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے آخر اپنی راہ کا کانٹا صاف کر کے ہی سکھ کا سانس لیا۔ تاہم ڈاکٹر اے کیو خان کو وہ اب تک اسیر نہیں کر سکے' حالانکہ ڈاکٹر قدیر ان کی نگاہوں میں شروع دن سے ہی کھٹک رہے ہیں۔ ایک معروف ایٹمی سائنس دان نے مجھ سے ایک بالمشافہ ملاقات میں ڈاکٹر سلام کے نوبل پرائز کی پردہ دری کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہودیوں نے آئن سٹائن کی صد سالہ برسی کے موقع پر ڈاکٹر عبدالسلام کو عالمی انعام دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس انٹرویو کی اشاعت پر قادیانیوں نے طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ صدر پاکستان پر دباؤ ڈالا گیا کہ اس بیان کی تردید کریں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قادیانیوں کی براہ راست رسائی کہاں تک ہے اور وہ چلمن کے پیچھے بیٹھ کر کہاں سے تار ہلاتے ہیں۔

پاکستان کے ممتاز جیالوجسٹ نے "نوائے وقت" کے چیف رپورٹر جناب انوار فیروز سے انٹرویو کے دوران لرزہ خیز انکشاف کیا تھا۔ ان کا یہ بیان "نوائے وقت" کے جمعہ میگزین میں شائع ہوا ہے' جس کی تردید آج تک نظر سے نہیں گزری۔ انہوں نے کہا:

"میں نے ۱۹۶۷ء میں پہلی بار یورینیم دریافت کیا اور اس کی اعلیٰ کوالٹی کے نتائج حاصل کیے۔ یہ سابق صدر ایوب کے لیے چونکا دینے والا انکشاف تھا' کیونکہ ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عثمانی کہہ چکے تھے کہ پاکستان میں یورینیم نہیں ہے۔ ایوب خان سے میری ملاقات کے چند دن بعد ڈاکٹر عثمانی کو چیئرمین کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا۔ اس نے ایوب خان کو اس لیے اندھیرے میں رکھا کہ یورینیم کی مدد سے کمیشن کو بہرطور بھاری رقم مل سکتی تھی۔ ایوب خان نے ایٹمی ادارے کے ڈاکٹر غنی سے کہا کہ وہ میرے ساتھ گلگت جائیں۔ ڈاکٹر غنی نے میری کوششوں کی تعریف کی' ان کی واپسی کے بعد میں نے کوششیں تیز کیں اور ۲۰۰ کلوگرام یورینیم نکالا اور ایوب خان سے ملا۔ ایوب خان نے ہدایت کی کہ فرانس سے ماہرین کی ٹیم بلائی جائے' جو ان علاقوں کا سروے کرے۔ ٹیم گلگت گئی اور صدر کو رپورٹ دی۔ میں ۱۹۶۸ء کے شروع میں ایوب خان سے پھر ملا' جنہوں نے مجھے راولپنڈی بلا کر بھاری انعام دینے کا اعلان کیا' مگر انہیں مہلت نہ مل سکی۔ ان کے خلاف تحریک شروع ہوگئی' وہ اقتدار چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد یورینیم کی تلاش کا منصوبہ غائب ہوگیا۔ صرف ایک جیالوجسٹ یورینیم کی تلاش میں دلچسپی رکھتا تھا' اسے برطرف کر دیا گیا۔ وہ ملک سے باہر چلا گیا اور دوسرے ملک کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

ایٹمی توانائی کمیشن کے موجودہ چیئرمین نے عہدہ سنبھالا تو مجھے ۲۴۰۰ روپے ماہانہ کی پیشکش کی۔ پہلے ماہ تنخواہ دی گئی' دوسری بار مسترد کر دی گئی کہ میں اخباری بیان دوں کہ میرا پہلا مؤقف جو سرکاری فائلوں میں تھا' وہ غلط تھا۔ میرے انکار پر میری ملازمت ایک ماہ بعد ختم کر دی گئی"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے! شیر خان کے پاس ۸ ہزار کلوگرام یورینیم پڑا ہے' جسے ایٹمی توانائی کمیشن خریدتی ہے نہ حکومت فروخت کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ یاد رہے کہ ایک ایٹم بم کی تیاری میں دس کلوگرام یورینیم درکار ہوتا ہے۔ ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین نے محض اس لیے شیر خان کو ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے پاکستان میں یورینیم کے بھاری ذخائر کی تردید سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شیر خان نے سابق وزیر پٹرولیم اور راولپنڈی یونین آف جرنلسٹس کے گولڈ لسٹ کو متعدد خطوط لکھے۔ امریکہ سے قومیت حاصل کرنے والے ڈاکٹر اسد نے مکتوب نگار کو جواب دینے کی زحمت نہ کی۔ شیر خان نے صدر سے کہا

کہ اگر مجھے ملاقات کا وقت عنایت کیا جائے‘ تو وہ ان تمام چہروں کو بے نقاب کر سکتے ہیں‘ جو پاکستان میں ایٹمی پروگرام کے خلاف سرگرم عمل ہیں اور نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک ایٹمی قوت بنے۔

ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین جناب منیر احمد خان نے تادم تحریر شیر خان کے الزام کی تردید نہیں کی۔ راولپنڈی کے ایک مقامی ہفت روزہ نے سنگین الزام عائد کیا ہے کہ اس ادارے میں قادیانی یعنی بھارت اور اسرائیل کے ایجنٹ موجود ہیں۔ ایک منصوبہ کے تحت قادیانیوں کی ایک بڑی کھیپ کو ایٹمی توانائی کمیشن میں انتہائی اہم مقامات پر فائز کیا گیا ہے۔

جناب منیر احمد خان نے "اردو ڈائجسٹ" سے ایک تفصیلی انٹرویو میں یہ خوش رنگ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ مقامی طور پر تیار کر سکتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ابھی تک شرمندہ تکمیل نہیں ہوسکا۔ ۱۹۷۷ء میں انہوں نے روزنامہ "جنگ" میں قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب ہر سال ایٹمی ری ایکٹر لگائیں گے۔ وقت نے اس دعویٰ کو بھی باطل ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے پاس لے دے کے صرف ایک ایٹمی ری ایکٹر موجود ہے‘ جو برقی توانائی کے لیے کراچی میں نصب کیا گیا ہے۔ ۱۷۵ میگاواٹ کا یہ ری ایکٹر ناقص کارکردگی کے باعث رواں حالت میں نہیں ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ۱۷۵ میگاواٹ کا پوری دنیا میں یہ واحد ری ایکٹر ہے۔ بالعموم ۵۰۰ یا ۱۰۰۰ میگاواٹ کا حامل ری ایکٹر ہوتا ہے۔ تحریک استقلال کے سربراہ جناب اصغر خان نے بھی ایٹمی توانائی کمیشن کو چیلنج کیا ہے اور کہا کہ ۱۷۵ میگاواٹ کا حامل یہ ری ایکٹر صحیح حالت میں کام کرنے سے قاصر ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت کے پاس ایٹمی ری ایکٹروں کی تعداد بارہ کے لگ بھگ ہے۔

ڈاکٹر عفاف نے روزنامہ "مسلم" کے ۹ر مارچ کے شمارے میں پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "ہندوستان کے ایٹمی توانائی کمیشن میں بے شمار پی ایچ ڈی سائنس دان کام کر رہے ہیں‘ جبکہ منیر احمد خان جو گزشتہ چودہ سال سے مسلسل ایٹمی توانائی کمیشن کے سربراہ چلے آرہے ہیں‘ نہ تو ڈاکٹر ہیں اور نہ ہی نیوکلیئر انجینئرنگ میں انہوں نے کوئی ڈگری حاصل کی ہے۔ وہ صرف الیکٹریکل انجینئرنگ میں ایم۔ ایس سی ہیں۔ انہوں نے چودہ سال میں کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دیا"۔

منیر احمد خان کی عمر ۶۰ سال کے قریب پہنچ چکی ہے۔ وہ ریٹائرمنٹ کے قریب ہیں‘ لیکن اپنی ملازمت میں توسیع کرنے کے لیے انہوں نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے

ہیں۔ داد دیجئے کہ انہوں نے سفارش کے لیے کیا خوبصورت منصوبہ تیار کیا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ انہیں اب تک اپنے منصوبے میں کامیابی بھی ہو چکی ہو۔

مارچ کے آخر میں ایٹمی توانائی کے بین الاقوامی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر سیگواڈ ایکلونڈ کو خصوصی طور پر پاکستان آنے کی دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر سیگواڈ نے صدر پاکستان سے بھی ملاقات کی اور بعد ازاں نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے ایٹمی توانائی کے پرامن مقاصد خاص طور پر میڈیسن اور زراعت کے شعبوں میں زبردست ترقی کی ہے۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے معائنہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ ان تنصیبات کی دیکھ بھال اور سب سے بڑھ کر پاکستانی سائنس دانوں سے بڑے متاثر ہوئے ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کو اس عظیم الشان کارکردگی کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی میں پاکستان کا مستقبل بڑا روشن ہے۔ ڈاکٹر سیگواڈ نے پنسٹک کا بطور خاص حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پنسٹک ٹریننگ سکول میں سائنس دانوں کی تعلیم و تربیت کا معیار بڑا قابل تعریف ہے۔

ڈاکٹر سیگواڈ کا یہ ستائشی بیان باخبر لوگوں کے لیے موجب حیرت ہے۔ یہ وہی صاحب ہیں' جو قبل ازیں پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے' آج اسی زبان سے تعریف کے ڈونگرے برسا رہے ہیں۔ زبان تنقید' توصیف و ستائش میں کیسے ڈھل گئی؟ ڈاکٹر سیگواڈ نے پنسٹک کا بطور خاص حوالہ دیا اور منیر احمد خان کی خدمات اور علمی صلاحیتوں کو سراہا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب منیر کی عمر ۶۰ کے ہندسے کو چھو رہی ہے اور وہ ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ توسیع ملازمت کے لیے ان کے دل میں تمنا جوان ہو رہی ہے۔ بعض باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ براہ راست ملازمت میں توسیع کی استدعا نہیں کرنا چاہتے' بلکہ بالواسطہ جناب صدر اور وزیراعظم کے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جو خود کہنا چاہتے تھے' زبان غیر سے اس کی شرح کر دی گئی ہے۔ واقفان حال کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سیگواڈ کا ایسے وقت میں پاکستان کا دورہ' جب جناب منیر احمد خان ریٹائرمنٹ کے قریب پہنچ چکے ہیں' بڑا ہی پہلودار اور معنی خیز ہے۔ کچھ لوگ منیر احمد خان اور ڈاکٹر سیگواڈ کے درمیان گہرے مراسم اور ربط باہم کو بھی خیال آفرین سمجھتے ہیں۔

ہمارے قومی راہنماؤں میں اصغر خان وہ واحد سیاستدان ہیں' جنہوں نے پاکستان

کے ایٹمی پروگرام پر بڑی فراوانی سے بیانات جاری کیے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ سال امریکہ میں قیام کے دوران کہا تھا کہ یہ پاکستان کی حماقت ہوگی کہ وہ ایٹم بم بنائے۔ اسرائیلی ریڈیو ان کے کلام کو لے اڑا تھا اور حضرت اصغر خان بہت مسرور ہیں کہ ستائش کی سند اسرائیلی ریڈیو نے عطا کی۔ یہ اعزاز ان کو مبارک ہو۔

اصغر خان کا سیکولرازم جو کل تک دل نشیں لفظوں میں مستور تھا' آج ان کے تکلم سے چھلک پڑا ہے۔ وہ برسبیل تذکرہ یا تفریحاً" یہ بات نہیں کر رہے ہیں' بلکہ قصداً انہوں نے گداز گوشہ رکھا ہے' تاکہ اہل قادیان ان سے الرجک نہ ہوں اور انہیں قربت کا احساس رہے۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسرائیل اور قادیان کوئی غیر نہیں ہیں۔ قادیانیوں نے اسرائیل میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں' تو کیا اسرائیل اپنی موساد کے ذریعے قادیانیوں کی صفوں میں داخل نہیں ہوچکا؟ قادیانی اور یہودی اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ایک کو قادیان کی بازیافت کی تڑپ ہے' دوسرے کو ہیکل سلیمانی کی جستجو بے چین کر رہی ہے۔

اصغر خان نے روزنامہ "جنگ" کو ایک طویل انٹرویو دیا' جس میں وہ فرماتے ہیں:

> "صدر نے قوم کو پرفریب تاثر دینے میں مبتلا رکھا ہے۔ یہ تاثر سراسر غلط ہے۔ میری معلومات کے مطابق پاکستان کے سائنس دانوں کو ایٹم بم تیار کرنے کی تمام تر صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایسے کسی پروگرام کو تکمیل کے آخری مراحل تک پہنچانے کی ہدایات نہیں ہیں' نہ ہی موجودہ حکومت اس قسم کے منصوبے میں سنجیدگی کے ساتھ دلچسپی رکھتی ہے۔ بڑی طاقتیں جانتی ہیں کہ ضیاء الحق' عالمی رائے عامہ اور پاکستانی قوم دونوں کو دھوکہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ ویانا میں سبرامینم اور ڈاکٹر عبدالسلام کے درمیان ہونے والی گفتگو صورت حال کو واضح کر دیتی ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" ۱۵ر مارچ ۱۹۸۶ء)

اصغر خان کے اس بیان سے واقعی صورتحال واضح ہوجاتی ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر سلام اور سبرامینم کی گفتگو کا حوالہ دیا' جو ویانا میں ان کے درمیان ہوئی۔ مقام فکر ہے کہ پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام کو بات کرنے پر کس نے مامور کیا؟ خلوت میں ہونے والی ملاقات اصغر خان تک کیسے پہنچی؟ یہ راز نہاں ان پر کیسے عیاں ہوا؟ اصغر خان کے بیان پر تبصرہ تو بعد میں ہوگا' کیا یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام اپنے آقاؤں کو ایٹمی خبروں کی ترسیل کا فریضہ انجام دے رہے ہیں؟ کہاں ڈاکٹر عبدالسلام اور

کہاں سبرامینم۔ یہ سبرامینم وہ شخص ہے جو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو میلی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور ہماری رسوائی کے درپے ہیں۔ سبرامینم کو تو بھارت کی نمائندگی کا حق حاصل ہے' مگر پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام کو ترجمانی کا حق کس نے دیا۔ یہ سوال حقائق کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتا ہے۔ کیا سربراہ مملکت اس کی وضاحت فرما سکتے ہیں؟ کیا وہ اہل وطن کو اعتماد میں لینے کے لیے تیار ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ اصغر خان' عبدالسلام کی وضاحت کو کیوں قبول کر رہے ہیں؟ انہیں ڈاکٹر عبدالسلام کی وکالت کیوں مقصود ہے؟ اگر اصغر خان اس پہیلی کے سیاق و سباق سے آگاہ ہیں' تو وہ وضاحت فرما دیں' مجھے ان کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔

اصغر خان اس سلسلے میں کیا دلائل رکھتے ہیں' ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کو ایٹم بم بنانے کی بجائے اقتصادی پروگرام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نیز ایٹم بم بنانے کی حماقت سے باز آ جانا چاہیے۔ دلیل بظاہر دلکش اور دل میں اتر جانے والی ہے' مگر یہ بات کہتے وقت لائق احترام سیاسی قائد کو ہندوستان کے خوفناک عزائم سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ ہندوستان ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ کر کے نیوکلیئر کلب میں شامل ہو چکا ہے۔ اس نے اعلانیہ ایٹم بم بنایا ہے اور ہائیڈروجن بم کے تجربات میں مصروف ہے۔ اس نے روس کی ننگی جارحیت سے مشرقی پاکستان کو ہڑپ کر لیا اور برملا عالمی پریس کے سامنے اظہار فخر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ہم نے پاکستان کے دو قومی نظریئے کو خلیج بنگال میں غرقاب کر دیا ہے"۔ دشمن جب اس بھیانک تیور سے پڑوسی ملک سے مخاطب ہوا اور شاہین پاکستان کا ٹائٹل حاصل کرنے والے سیاسی قائد اس کے لیے دل بستگی کا سامان پیدا کریں اور قوم کو اپنی آنکھ نیچی کرنے کے مشورے سے نوازیں' تو پھر وطن کی بقاء صرف دعاؤں ہی کے سہارے قائم رہ سکتی ہے۔

اصغر خان مزید کہتے ہیں :

"میں اب تک ۶۵ جلسے کر چکا ہوں' اس بارے میں پاکستان کی حساسیت مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ ایٹم بم بنانے میں کسی غیر معمولی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا' البتہ اخبارات میں غیر معمولی جذباتیت کا اظہار ضرور کیا جاتا ہے۔ بنگلہ دیش کا مسئلہ بھی جذباتی تھا' اس طرح نیوکلیئر پروگرام بھی پاکستان کے لیے ایک اور اقتصادی مسئلہ ہے۔ ہمارے پاس صرف ایک ایٹمی ری ایکٹر ہے اور وہ بھی صحیح طریقہ سے کام نہیں کر رہا۔ اس میدان میں بڑی طاقتیں ہماری مدد کو اس وقت

تک نہیں آئیں گی' جب تک انہیں ہماری نیت کے بارے میں یقین نہیں ہو جاتا۔ ضیاء الحق اب تک جو کچھ کہتے ہیں' ان طاقتوں کو ان کی زبان پر اعتماد نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق جھوٹ بول رہے ہیں"۔

تحریک استقلال کے قائد پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں عوام کے تغافل پر شکوہ کر رہے ہیں کہ وہ نیوکلیئر پروگرام پر حساس نہیں ہے' اسے ایٹم بم سے کوئی دلچسپی نہیں' صرف اخبارات نے اسے مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ اصغر خان کی یہ بات سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی کہ قومی اخبارات عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں' اگر اخبارات پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں متجسس ہیں' تو اس لیے کہ اہل وطن کے لیے یہ نہایت جذباتی مسئلہ بن چکا ہے۔ اگر قوم اتنی بے حس اور جذبات سے بے نیاز ہے' جیسے اصغر خان سمجھ رہے ہیں تو کہوٹہ کے ہزاروں لوگ جن میں ناخواندہ بھی یقیناً شامل ہوں گے' دفور شوق میں پاکستان کے رجل عظیم جناب قدیر خان کے گلے میں گولڈ میڈل نہ ڈالتے اور ان کی عظمت کو سلام عقیدت نہ پیش کرتے۔ اصغر خان مزید فرماتے ہیں کہ بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کرنے کے سلسلے میں بھی پاکستانی عوام نے جذبات کا سہارا لیا' ابھی لوگوں کا حافظہ محفوظ ہے' اسے سیاستدانوں کی طرح دیمک نہیں لگی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پوری قوم نے خیبر سے کراچی تک یک زبان ہو کر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مخالفت کی تھی۔ مسٹر بھٹو جہاں بھی گئے' انہیں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بڑے نباض سیاستدان تھے' انہوں نے جب قوم کا بپھرا ہوا موڈ دیکھا تو وہ اس مسئلے کو قومی اسمبلی میں لے آئے۔ پیپلزپارٹی کے ارکان کی اکثریت نے پارلیمنٹ میں بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا۔ "نوائے وقت" نے اگلے روز شہ سرخی کے ساتھ خبر شائع کی کہ وزیراعظم بھٹو نے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا یعنی قوم نے اس سلسلے میں مسٹر بھٹو کو مینڈیٹ نہیں دیا' بلکہ یہ فرد واحد اور ایک آمر مطلق کا ذاتی فیصلہ تھا' جسے ایوان کے نام سے قوم پر مسلط کر دیا گیا۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے بعد ۹۰ ہزار قیدیوں کی واپسی کا کیا جواز رہ گیا تھا۔ ہندوستان یہی چاہتا تھا کہ پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کرے۔ اصغر خان اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل پاکستان کے جذبات کی کوئی اہمیت نہیں' یہ استدلال پیش کرتے ہوئے اصغر خان اپنی کہہ مکرنی بھول گئے کہ انہوں نے قوم کے جذبات سے مجبور ہو کر بنگلہ دیش کے تسلیم کیے جانے کے اپنے پہلے موقف سے توبہ کر لی تھی۔ بنگلہ دیش کی مثال دے کر وہ اب نیا سیسہ انڈیل رہے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں عوام کی کوئی تائید حاصل

نہیں اور اگر ہے بھی تو ایک سچے لیڈر کو دو ٹوک بات کہنی چاہیے۔ عوام ہی ان قائدین کو لیڈر بناتے ہیں اور اصغر خان الٹا عوام کو سرزنش کرتے ہیں کہ ایک سچے لیڈر کو عوام کے جذبات اور امنگوں کی فکر دامن گیر نہیں ہونا چاہیے۔

جہاں تک ایٹمی ری ایکٹر کا تعلق ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں گزشتہ دس بارہ سال سے ۱۷۵ میگاواٹ کا ایک ہی ایٹمی ری ایکٹر ہے۔ کمال یہ ہے کہ اس ری ایکٹر نے آج تک ۱۷۵ میگاواٹ پر اپنی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اگر ری ایکٹر مذکور کی صلاحیت کار صحیح نہیں ہے' تو اس میں اہل وطن کا کیا قصور؟ یہ تو منیر احمد خان بہتر بتا سکتے ہیں' جن کا دعویٰ تھا کہ مزید ری ایکٹر لائیں گے۔ چنانچہ امریکہ اور فرانس کے ماہرین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ جب پاکستان کے نامور سائنس دان اس واحد ری ایکٹر کو کام میں نہیں لا سکے' تو مزید فراہم کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ یہ رویہ پاکستانی سائنس دانوں کو نااہل اور مشکوک بنانے کے مترادف ہے اور اصغر خان وہی جواز پیش کر رہے ہیں' جو امریکہ اور فرانس شروع دن سے کہتے چلے آ رہے ہیں۔

ہندوستان' پاکستان کے خلاف تین مرتبہ جارحیت کر چکا ہے۔ ہمارے مدمقابل ایک ایسا دشمن ہے' جو کسی بھی لمحہ شب خون مارنے سے گریز نہیں کرے گا۔ ہم دشمن کے بھیانک عزائم اور اس کے ایٹمی پروگرام کی خوفناک تیاریوں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اسے جس دن ہماری کمزوری کا عرفان حاصل ہوگیا' وہ جنگ و جدل سے دریغ نہیں کرے گا۔ اسی باعث تو پاکستانی عوام جذباتی ہو رہے ہیں۔ پاکستان کے عوام کو جنگ و قتال سے کوئی دلچسپی نہیں' مگر وہ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کو ہڑپ کر جائے۔ انہیں وطن کے دفاع کا پورا حق حاصل ہے۔ سیاستدان جو پبلک کے جذبات اور حمایت سے اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کے خواب دیکھتا ہے' اسے عوام کے اجتماعی احساسات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ ہندوستان کی وکالت کا طوق گلے میں لٹکا کر قوم کی خدمت نہیں کی جا سکتی۔ یہ محض اغیار کو خوش کرنے کے حیلے ہیں۔

میں اس دل گرفتہ داستان کو بادل نخواستہ سمیٹ رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے کسی شخص کے ساتھ کوئی ذاتی عناد ہے' نہ پرخاش۔ فقط اصلاح احوال مقصود ہے۔ وطن کی محبت نے مجبور کیا ہے کہ میں اہل وطن کو قادیانیوں کی خوفناک سازش سے آگاہ کر دوں جو دیمک کی طرح تمام اداروں کو چاٹ رہے ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی ادارے ان کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہے۔ کہوٹہ ریسرچ سنٹر ایک ایسا ادارہ ہے' جو محض ڈاکٹر قدیر خان کی شدید

حب الوطنی اور والہانہ محبت کی وجہ سے ان یہودی گماشتوں سے بچا ہوا ہے' اگرچہ مردے کھانے والی کرگس کی طرح قادیانی اس رفیع الشان ادارے کے گرد بھی چکر لگا رہے ہیں۔ قدیر خان قوم کی متاع حیات ہیں' ان کی حفاظت کیجئے کہ وہ قوم کی زندگی ہیں۔

میں' صدر پاکستان سے وطن کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں اصلاح احوال کی طرف توجہ دیں۔ وطن کی مٹی ان سے اپنا قرض طلب کرتی ہے' یہ قرض جتنی جلدی بے باک ہو' اتنا ہی اچھا ہے۔

غداران پاکستان

آستین کا سانپ

ڈاکٹر اُمِّ خولہ

بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ دو امریکی سائنس دانوں ڈاکٹر اسٹیون وائنبرگ (DR. STEVEN WEINBURG) جو آج کل ٹیکساس Texas آسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں' اور ڈاکٹر شیلڈن گلاشو (DR. SHELDON GLASHOW) آف ہاورڈ یونیورسٹی سمیت ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو 1979ء کا مشترکہ نوبل انعام دیا گیا اور ان تینوں میں نوبل انعام کی رقم برابر برابر تقسیم کی گئی۔

محترم تنویر قیصر شاہد اپنے ایک مضمون "عالم اسلام کے خلاف امریکی یہودیوں کی سازشیں" میں لکھتے ہیں۔

"یہودیوں کا ہمیشہ سے یہ خیال اور نظریہ رہا ہے کہ ہم ساری دنیا کے حکمران بن سکتے ہیں اور خدا نے ہمیں اسی عالمی حکمرانی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس نظریے کے حامیوں میں معروف یہودی سائنس دان بھی شامل رہے ہیں جن میں معروف عالم طبیعات ڈاکٹر البرٹ آئن اسٹائن سرفہرست ہیں۔ آئن سٹائن نے اپنی تصنیف My Later Days (اشاعت 1950ء) میں لکھا ہے: "میری صیونیت سے محبت اور یہودی ازم سے وابستگی تقاضا کرتی ہے کہ دنیا میں یہودیوں کا کوئی خاص وطن نہ ہو جو مخصوص سرحدوں تک سکڑ کر رہ جائے۔ ہمیں تو ایسی مملکت کے حصول کے لئے راہیں ہموار کرنی چاہئیں جس کی سرحدیں ساری دنیا پر محیط ہوں اور جس کی افواج ساری دنیا کو اپنے تابع رکھ سکیں۔"

یہودی آئن شائن کو کس نظر سے دیکھتے تھے' اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب 1952ء میں اسرائیلی صدر ڈاکٹر وائز مین کا انتقال ہوا تو آئن شائن کو اسرائیلی صدر بننے کی پیشکش کی گئی جسے اس نے مسترد کر دیا۔ یہ بھی واضح رہے کہ آئن شائن کو نوبل پرائز میں جو رقم ملی' اس کا نصف اس نے اسرائیل میں بننے والی نئی مذہبی یونیورسٹی (عبرانی یونیورسٹی) کو عطا کر دی۔"

(ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور اکتوبر 1997ء)

بالکل اسی طرح ڈاکٹر عبدالسلام نے نوبل پرائز سے ملنے والی رقم کا دسواں حصہ قادیانی جماعت کے فنڈ میں دیا اور باقی رقم اٹلی میں قائم اپنے سائنسی مرکز کو دے دی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اسٹیون وائنبرگ نے ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز ملنے پر شدید احتجاج کیا تھا اور اپنے ایک ریڈیو انٹرویو میں کہا تھا کہ

"ڈاکٹر عبدالسلام نے کوئی اہم سائنسی پیش رفت نہیں کی کہ انہیں اس اہم انعام کا مستحق ٹھہرایا جائے بلکہ انہیں ایک خاص اور ان دیکھے منصوبے کے تحت ہمارے ساتھ نتھی کیا گیا ہے جو سخت بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے"

پاکستان کے نامور سپوت جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو ملنے والے نوبل انعام پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"ڈاکٹر عبدالسلام کو ملنے والا نوبل انعام نظریات کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ وہ 1857ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے اور آخر آئن شائن کی صد سالہ وفات پر اس کا مطلوبہ انعام دے دیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے جو ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔ یہودی چاہتے تھے کہ آئن شائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا جائے۔ سو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بھی اس انعام سے نوازا گیا۔"

(انٹرویو ڈاکٹر عبدالقدیر ہفت روزہ چٹان لاہور 6 فروری 1984ء)

ہمارے ہاں ڈاکٹر عبدالسلام ہمیشہ کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔ وہ ایک عرصہ تک ایٹمی انرجی کمیشن کے رکن اور بعد میں ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی کمیشن' سائنٹیفک کمیشن' نیشنل سائنس کمیشن' پاکستان اکیڈمی

آف سائنس اسلام آباد اور پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے بھی رکن رہے۔ وہ انجمن ترقی سائنس پاکستان کے صدر، "سپارکو" کے صدر اور پاکستان کی جانب سے بین الاقوامی ایٹمی انرجی ایجنسی کے گورنر بھی رہے۔ 1952ء سے 1954ء تک پنجاب یونیورسٹی میں میتھ ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ رہے۔ کراچی پریس کلب نے انہیں تاحیات رکن بنایا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ اور پنجاب کی تعلیمی پالیسی مرتب کرنے کا فریضہ بھی انہیں سونپا گیا۔

صدر ایوب نے اپنے دور حکومت میں ڈاکٹر عبدالسلام کو سائنس کے شعبہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کیا۔ وزیراعظم بھٹو کے زمانہ میں وہ ان کے سائنسی مشیر رہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے انہیں ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری دی اور کہا کہ ہمیں ڈاکٹر عبدالسلام پر فخر ہے۔ سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے عبدالسلام کی بیماری کے موقع پر ان کے لئے درازی عمر اور تیزی سے صحت یابی کی دعا مانگی اور سرکاری خرچ پر علاج و معالجہ کی پیش کش کی۔ برطانوی ہائی کمشنر کو ڈاکٹر صاحب کی صحت کے بارے میں وزیراعظم ہاؤس کو لحہ بہ لحہ رپورٹ دینے اور علاج کے سلسلہ میں ان کے خاندان کی ہر ممکن مدد کرنے کی ہدایت کی گئی۔ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے اپنے دور برطانیہ کے موقع پر ان سے ملاقات کی اور ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس ملاقات میں ان کے ساتھ جناب الٰہی بخش سومرو اور سرتاج عزیز بھی موجود تھے۔

حکومت پاکستان نے مختلف مواقع پر انہیں ستارہ پاکستان' پرائیڈ آف پرفارمنس' تمغہ و ایوارڈ حسن کارکردگی اور پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز "نشان امتیاز" عطا کیے۔ ایٹمی توانائی کمیشن کی طرف سے انہیں خصوصی نشان دیا گیا۔ پاکستان لیگ نے گولڈ میڈل دیا اور ان کی وفات پر گورنمنٹ کالج لاہور نے اپنی تاریخی لائبریری کا نام ڈاکٹر عبدالسلام پر رکھ دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی جائے پیدائش (گھر) واقع جھنگ کو قومی یادگار کے طور پر محفوظ رکھنے کے لئے اس کی فوری مرمت اور بجلی پر لاکھوں روپے خرچ کئے گئے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی سترویں سالگرہ حکومتی سرپرستی میں منائی گئی اور اس

سلسلہ میں اسلام آباد' لاہور اور کراچی میں پروگرام ہوئے۔ اسلام آباد کی تقریب میں چیئرمین سینٹ وسیم سجاد اور وزیراعظم کی خصوصی معاون بیگم شہناز وزیر علی نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کے جس حصہ میں بھی گئے' خواہ انہیں صرف قادیانی جماعت کے ارکان کو ہی خطاب کرنا تھا' انہیں ہمیشہ سرکاری پروٹوکول دیا گیا۔ ہر صوبے کا گورنر' وزیراعلیٰ اور میئر وغیرہ ان کے اعزاز میں استقبالیہ اور ضیافت کا اہتمام کرتے۔ اٹامک انرجی کمیشن' پنجاب یونیورسٹی' ملتان یونیورسٹی' پشاور یونیورسٹی' قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد' کراچی یونیورسٹی' یونیورسٹی گرانٹس کمیشن' اولڈ راوینیز' گورنمنٹ کالج لاہور' مختلف بڑے شہروں کی کارپوریشنوں اور دیگر غیر سیاسی تنظیموں نے ہمیشہ ان کے اعزاز میں تقریبات منعقد کیں' اعزازی ایوارڈ دیئے اور انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور اسلام آباد نے انہیں ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ پنجاب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ہر سال فزکس میں اول آنے والے طالب علم کو ڈاکٹر عبدالسلام ایوارڈ دیتی ہے۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود ڈاکٹر عبدالسلام نے ہمیشہ اپنے مذہب "قادیانیت" کا دفاع کرتے ہوئے اسلام اور پاکستان کی مخالفت کی' 1979ء میں سٹاک ہوم میں نوبل انعام وصول کرتے ہوئے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ

"میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا غلام ہوں' پھر مسلمان ہوں اور پھر پاکستانی۔"

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور 14 جون 1990ء)

جہاں تک قادیانیوں کے عقائد کا تعلق ہے' اس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے' کہا جاسکتا ہے۔ قادیانیوں کے کفریہ عقائد اتنے زیادہ ہیں کہ اس مختصر مضمون میں ان کا شمار ممکن نہیں۔ ملک کی منتخب قومی اسمبلی نے مسلمانوں کے دیرینہ مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے 1974ء میں قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد پر ان

کے عقائد کے حوالہ سے جرح کرتے ہوئے 13 روز کی طویل بحث کے بعد متفقہ طور پر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ اسمبلی کی یہ دلچسپ کارروائی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ نے قومی اسمبلی کے ریکارڈ سے حاصل کر کے حرف بہ حرف مرتب کر دی ہے' جو تقریباً ہر بک سٹال سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ بحث پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اور ہر ذی شعور مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

آئین کے آرٹیکل 260 کے مطابق قادیانی/ لاہوری گروپ غیر مسلم اقلیت ہیں۔ قادیانی جماعت نے پارلیمنٹ کے اس آئینی فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ آج تک خود کو مسلمان اور مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ منتخب پارلیمنٹ کے اس تاریخی فیصلہ پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا تھا کہ

"جو سلوک مسٹر بھٹو نے قادیانیوں سے کیا ہے' اس پر میں یہی دعا کروں گا کہ نہ صرف مسٹر بھٹو بلکہ ان تمام کا بھی بیڑا غرق ہو جو اس فیصلے کے ذمہ دار ہیں۔"

(ہفت روزہ بادبان لاہور جلد 7 شمارہ 5 - 18 مئی 1979ء)

صدر محمد ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں قادیانیوں کو شعائر اسلامی استعمال کرنے سے باز رکھنے کے لئے 26 اپریل 1984ء کو ایک صدارتی آرڈیننس نمبر 20 جاری کیا جس کی رو سے کوئی قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی اپنے مذہب کو بطور اسلام پیش کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ قادیانیوں نے اس آرڈیننس کو "حقوق انسانی" کے منافی سمجھا اور اس کے خلاف پوری دنیا میں شور مچایا۔ تمام اسلام دشمن طاقتیں بالخصوص بھارت اور مغربی میڈیا ان کی حمایت میں کھل کر سامنے آگیا لیکن مسلمانان پاکستان کی بلند ہمتی اور اسلامی جذبوں سے سرشار ملی یکجہتی کی بدولت قادیانی پوری دنیا میں ذلیل و رسواء ہوئے۔ بالآخر قادیانیوں نے اس آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جہاں ان کی رٹ درخواست خارج کرتے ہوئے جج صاحبان نے متفقہ طور پر اس آرڈیننس کو درست قرار دیا اور قادیانیوں کے بارے میں لکھا کہ :

"قادیانی امت مسلمہ کا حصہ نہیں ہیں۔ اس بات کو خود ان کا اپنا طرز عمل خوب واضح کرتا ہے۔ ان کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں۔ وہ ایک الگ امت ہیں۔ یہ متناقض ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کی جگہ لے لی ہے اور مسلمانوں کو اس امت سے خارج قرار دیا ہے۔ مسلمان انہیں امت مسلمہ سے خارج قرار دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس امت سے خارج سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں ایک ہی امت میں سے نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال کہ امت مسلمہ کے افراد کون ہیں؟ برطانوی ہندوستان میں کسی ادارے کے موجود نہ ہونے کی بنا پر حل نہ ہو سکا لیکن اسلامی ریاست میں اس موضوع کو طے کرنے کے لئے ادارے موجود ہیں اور اس لئے اب کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔"

(دیکھئے: PLD 1985 - FSC - 8)

اس کے بعد قادیانیوں نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بینچ میں اپیل دائر کی۔ جہاں سے پھر ان کی درخواست خارج ہوئی۔ اور سپریم کورٹ کے 5 معزز جج صاحبان نے اپنے متفقہ فیصلہ میں لکھا کہ:

"اس ترمیم نے مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کو جو عموماً" احمدیوں کے نام سے معروف ہیں' غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ یہ ترمیم جمہوری' پارلیمانی' نیز عدالتی طریقے پر کی گئی تھی اور پورے ہاؤس پر مشتمل خاص کمیٹی کی طویل روئیداد کے دوران احمدیوں کے دونوں گروہوں کے مسلمہ لیڈروں کو بھی اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کیا گیا تھا۔ اس کمیٹی کو پیش کی جانے والی قرار داد میں یہ تصریح بھی موجود تھی کہ: "احمدی اندرونی اور بیرونی سطح پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔" اور یہ کہ: "اس وقت مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس نے جس میں دنیا بھر سے 140 وفود نے شرکت کی تھی' بالاتفاق قرار دیا تھا کہ " قادیانیت اسلام اور عالم اسلام کے خلاف سرگرم عمل ایک تخریبی تحریک ہے جو دھوکے اور مکاری سے ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔" (مباحثہ قومی اسمبلی پارلیمنٹ جلد 4' 1974ء)

(دیکھئے: PLD 1988 SC 667)

لاہور ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ نے اپنے ایک فیصلہ میں لکھا کہ:

"مرزا غلام احمد قادیانی نے بذات خود "محمد رسول اللہ" ہونے کا اعلان کیا اور ان تمام لوگوں کے خلاف بے حد غلیظ زبان استعمال کی جنہوں نے اس کی جھوٹی نبوت کے دعوے کو مسترد کیا اور اس (مرزا غلام احمد قادیانی) نے خود اعلان کیا کہ وہ برطانوی سامراج کی پیداوار یعنی اس کا "خود کاشتہ پودا" ہے۔ لہٰذا جب وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خود "محمد رسول اللہ" ہے اور اس کے پیروکار اس کو ایسا ہی مانتے ہیں' تو اس صورت میں وہ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کی شدید توہین اور تحقیر کے مرتکب ہوتے ہیں۔" (دیکھئے: PLD 1987 Lahore, 458)

کوئٹہ ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس امیر الملک مینگل نے اپنے ایک فیصلہ میں اس آرڈیننس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا کہ:

"دفعہ ب۔ 298 تعزیرات پاکستان اور دفعہ ج۔ 298 تعزیرات پاکستان' دو آزاد دفعات ہیں جو الگ الگ جرائم کا تعین کرتی ہیں۔ دفعہ۔ 298 کا ابتداء" یہ منشاء تھا کہ مقدس ہستیوں' ناموں' القابوں اور مقامات وغیرہ کو بے جا استعمال ہونے سے محفوظ رکھا جائے لیکن دفعہ ج۔ 298 کسی قادیانی کو اس کے طریقہ کار اور عام طرز عمل کے لئے اس صورت میں سزا دہی کا مستوجب قرار دیتی ہے' جب وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلم ظاہر کرتا ہے' یا اپنے عقیدے کو اسلام کہتا یا اس کا حوالہ دیتا ہے' یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا نشرو اشاعت کرتا ہے' یا کسی نظر آنے والی قائم مقامی کے ذریعے یا کسی بھی اور طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکاتا ہے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دفعہ ج۔ 298 تعزیرات پاکستان کے الفاظ میں مجلس قانون ساز کا منشا دریافت کرنے کے لئے کوئی ابہام موجود نہیں ہے۔" (دیکھئے: PLD 1988- Quetta 22)

لاہور ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس خلیل الرحمٰن خاں نے قادیانیوں کے صد سالہ جشن منانے پر پابندی عائد کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا:

"مرزا صاحب کے مخصوص دعویٰ کے پیش نظر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ احمدی مرزا صاحب کو حضرت محمدؐ کا بدل مانتے ہیں۔ اس لئے جھنڈوں پر لکھے ہوئے اور بیجوں پر تحریر شدہ الفاظ "محمد رسول اللہ" کا استعمال ہر احمدی کی ذمہ داری ہے کیونکہ ایسا کرنا رسول اکرمؐ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرنے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ ایسا فعل دفعہ 295- سی ت پ (جس کی سزا' سزائے موت ہے) کے دائرہ میں آتا ہے۔" "عام لوگ یعنی امت مسلمہ احمدیوں کی سرگرمیوں اور ان کے مذہب کی تبلیغ کی مزاحمت و مخالفت کرتی ہے تاکہ ان کے مذہب کا اصل دھارا پاک صاف اور غلاظت سے محفوظ رہے اور امت کی یکجہتی بھی برقرار رہے۔ ایسا کرنے سے قادیانیوں کے' ان کے مذہب کے پیروی اور اس پر عمل کرنے کے حق پر نہ کوئی زد پڑتی ہے اور نہ اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔"

(دیکھئے: PLD 1992 Lahore)

لاہور ہائیکورٹ کے جناب جسٹس میاں نذیر اختر نے قادیانیوں کی طرف سے شعائر اسلامی کی بے حرمتی پر اپنے ایک فیصلہ میں لکھا کہ:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانی یا مرزا قادیانی کے دوسرے پیروکار زیر دفعہ 298-B پی پی سی کے تحت کچھ مخصوص کلمات مثلاً امیرالمومنین' خلیفتہ المومنین' خلیفتہ المسلمین' صحابی یا اہل بیت وغیرہ کا استعمال نہیں کر سکتے۔ تاہم یہ مذکورہ ممنوعہ کلمات قادیانیوں کو اس بات کا لائسنس نہیں دے دیتے کہ وہ دیگر اس قسم کے مشابہ کلمات یعنی (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) یا شعائر اسلام استعمال کریں جو عام طور پر عام مسلمان استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے یہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہوں گے' جو قانون کے مطابق ممنوع ہے۔"

(دیکھئے: PLD 1992 Lahore)

1993ء میں قادیانیوں نے دوبارہ سپریم کورٹ میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کو چیلنج کیا۔ سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اپنے متفقہ فیصلہ میں لکھا کہ:

"اگر کسی احمدی کو انتظامیہ کی طرف سے یا قانوناً شعائر اسلام کا اعلانیہ اظہار کرنے نہیں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام اس کی شکل میں

ایک اور "شدی" تخلیق کرنے کے مترادف ہو گا۔ کیا اس صورت میں انتظامیہ اس کی جان' مال اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے اور اگر دے سکتی ہے تو کس قیمت پر؟ مزید برآں اگر گلیوں یا جائے عام پر' جلوس نکالنے یا جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے تو یہ خانہ جنگی کی اجازت دینے کے برابر ہے۔ یہ محض قیاس آرائی نہیں' حقیقتاً ماضی میں بارہا ایسا ہو چکا ہے اور بھاری جانی و مالی نقصان کے بعد اس پر قابو پایا گیا۔ (تفصیلات کے لئے منیر رپورٹ دیکھی جا سکتی ہے) ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی احمدی یا قادیانی سرعام کسی پلے کارڈ' بیج یا پوسٹر پر کلمہ کی نمائش کرتا ہے یا دیوار پر یا نمائشی دروازوں پر یا جھنڈیوں پر لکھتا ہے یا دوسرے شعائر اسلامی کا استعمال کرتا یا انہیں پڑھتا ہے تو یہ اعلانیہ رسول اکرم ﷺ کے نام نامی کی بے حرمتی اور دوسرے انبیاء کرام کے اسمائے گرامی کی توہین کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا مرتبہ اونچا کرنے کے مترادف ہے' جس نے مسلمانوں کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز امن عامہ کو خراب کرنے کا موجب بن سکتی ہے' جس کے نتیجہ میں جان و مال کا نقصان ہو سکتا ہے۔"

"ہم یہ نہیں سمجھتے کہ احمدیوں کو اپنی شخصیات' مقامات اور معمولات کے لئے نئے خطاب' القاب یا نام وضع کرنے میں کس قدر دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخرکار ہندوؤں' عیسائیوں' سکھوں اور دیگر برادریوں نے بھی تو اپنے بزرگوں کے لئے القاب و خطاب بنا رکھے ہیں۔"

(دیکھئے: SCMR August 1993)

لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر عبدالسلام جب بھی پاکستان آئے' انہوں نے اپنے اخباری انٹرویوز اور خطابات میں ہمیشہ خود کو مسلمان کہا۔ پارلیمنٹ اور اعلیٰ عدالتوں کے متفقہ فیصلوں کا مذاق اڑایا اور اگر ڈاکٹر صاحب کے ان خلاف اسلام بیانات پر کسی عالم دین نے ان کی توجہ مبذول کروائی تو ڈاکٹر صاحب نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ

"پاکستان میں "ملا کریسی" سائنسی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔"

(روزنامہ جنگ لاہور 26 جنوری 1985ء)

حالانکہ "ملا" بے چارے نے کبھی سائنس کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہمیشہ سائنس کی ترقی' ایٹمی میدان میں پاکستان کی کامیابی اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ایسے محسن پاکستان کی حمایت و حوصلہ افزائی کی ہے اور جس حکومت نے بھی پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو سبوتاژ کرنے کی ناپاک جسارت کی تو "ملا" نے ہمیشہ میدان میں بڑھ کر نہ صرف مذمت کی بلکہ اس کی حفاظت کے لئے ہر قدم اٹھانے کا عہد کیا۔ ہاں البتہ "ملا" قادیانیت کی تبلیغ و تشہیر اور ترقی کی راہ میں ہمیشہ رکاوٹ رہا ہے اور وہ اسے' اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں "ملا" نے 10 ہزار جانوں کا نذرانہ پیش کرکے قادیانیت کی ترقی روک دی تھی اور یہی بات ڈاکٹر عبدالسلام کو اندر ہی اندر سے گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشوں کے باوجود ہمارے نام نہاد دانشوروں نے جن کی اسلام اور پاکستان سے وفاداریاں تشویش ناک حد تک مشکوک ہیں' ہمیشہ ڈاکٹر عبدالسلام کی بے جا حمایت کی اور انہیں ایک ہیرو کے طور پر پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ہر محاذ پر حوصلہ شکنی کی اور انہیں ہمیشہ ذہنی اذیتیں دینے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی دانشوروں کے ایک گروہ نے اسلام آباد میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی فرضی قبر بنا کر اس پر جوتے مارے اور مردہ باد کے نعرے لگائے۔ افسوس یہ ہے کہ محسن کش اور ناشکری پاکستانی قوم نے اس پر اپنے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا حالانکہ یہ ایک ایسا سانحہ تھا کہ جس پر تمام محبان پاکستان کو ایسا شدید ترین احتجاج کرنا چاہیے تھا کہ آئندہ کے لئے ایسے پاکستان دشمن عناصر عبرت حاصل کرتے۔

انڈیا پاک پیپلز فورم کی سرگرمیاں پاکستان دشمن ہیں

ڈاکٹر قدیر کے خلاف مظاہرہ کرنے والی تنظیموں پر

پابندی لگائی جائے (متعدد رہنماؤں کا مطالبہ)

"سیاسی اور سماجی رہنماؤں نے اسلام آباد میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر

خاں اور دفاع پاکستان کے خلاف نام نہاد تنظیموں کے مظاہرے اور اس میں تقسیم ہونے والے لٹریچر کی مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان کے موقف کے خلاف اور مسلح افواج کے بارے میں غیر حقیقت پسندانہ رائے کا اظہار کرنے والی غیر ملکی سرمائے سے چلنے والی تنظیموں پر پابندی عائد کی جائے اور ان کے معاملات کی چھان بین کی جائے' گزشتہ روز راجہ محمد ظفر الحق' مسلم لیگ (ن) کے سینئر نائب صدر محمد اعجاز الحق' نائب صدر شیخ رشید احمد' جماعت اسلامی کے رہنماؤں سمیت کئی دیگر رہنماؤں نے اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انڈیا پاک پیپلز فورم اور مظاہرے میں شریک دیگر تنظیموں کی سرگرمیوں اور مالی معاملات کی تفتیش کی جائے کیونکہ گزشتہ کچھ عرصہ سے خاص طور پر پیپلز فورم نامی تنظیم کی پر اسرار اور پاکستان دشمن سرگرمیوں میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔"

(روزنامہ پاکستان لاہور 8 جولائی 96ء)

"اسلامک بم" کے باعث بھارت نے ہم سے لڑائی کی جرات نہیں کی (چوہدری شجاعت حسین)

"مسلم لیگ پنجاب کے صدر چوہدری شجاعت حسین نے کہا ہے کہ " اسلامک بم" کے خوف کے باعث گزشتہ 27 سال سے ہمارے ازلی دشمن بھارت نے ہمارے ساتھ جنگ لڑنے کی جرات نہیں کی اور اگر حکومت نے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دیے تو اس سے ہم دشمن کے لیے "تر نوالہ" ثابت ہوں گے۔ لیکن محب وطن اپوزیشن ایٹمی پروگرام کو سبوتاژ کرنے کی حکومتی ناپاک کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دے گی۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے جشن آزادی کے سلسلہ میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ چوہدری شجاعت حسین نے کہا کہ حکمرانوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ وفاقی دارالحکومت میں ایٹمی پروگرام کے خالق ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی قبر بنا کر جوتے مارے گئے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 16 اگست 96ء)

سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے حق میں مظاہرہ
بھارتی سفارت خانے نے سپانسر کیا (حمید گل)

"آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل نے انکشاف کیا ہے کہ 6 اگست کو ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری پر پابندی کے معاہدے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حق میں مظاہرہ کرنے والی غیر سرکاری سماجی تنظیموں کو بھارتی سفارخانے نے سپانسر کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ حکومت نے اس واقعہ کا نوٹس تک نہیں لیا۔"

(روزنامہ خبریں لاہور 12 اگست 96ء)

مدیر "سرراہے" اپنے کالم میں لکھتے ہیں

"آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل نے انکشاف کیا ہے کہ چھ اگست کو سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حق میں مظاہرہ کرنے والی غیر سرکاری سماجی تنظیموں کو بھارتی سفارتخانے نے سپانسر کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ حکومت نے اس واقعے کا نوٹس نہیں لیا۔

چھ اگست کو جن غیر سرکاری تنظیموں نے اسلام آباد میں مظاہرہ کیا تھا انہوں نے صرف سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کا مطالبہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ پاکستان کے ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر کا جنازہ بھی نکالا تھا اور پھر ان کی فرضی "لاش" کو قبر میں دفن کر دیا تھا۔ یہ اتنا بڑا واقعہ تھا کہ اس پر حکومت کو ہل جانا چاہیے تھا لیکن حکومت نے اس کا نوٹس تک نہیں لیا۔ جنرل حمید گل کا کہنا ہے کہ اس مظاہرے کو بھارتی سفارت خانے نے سپانسر کیا تھا لیکن ہمارا خیال ہے کہ مظاہرین کو اس حکومتی طبقے کی آشیرباد بھی حاصل تھی جو عوام کے غیض و غضب کو دیکھتے ہوئے سی ٹی بی ٹی کو مسترد کرنے کا اعلان تو کرتا ہے لیکن اندرون خانہ وہ اس معاہدے پر دستخط کرنے کو تیار ہے۔ اگر مظاہرین کو حکومت کی طرف سے اطمینان حاصل نہ ہوتا تو وہ پاکستان کے خلاف اس قسم کے مظاہرے کی جرات ہی نہ کرتے۔ حکومت کی

خاموشی ہمارے اس موقف کو مزید مضبوط بنا رہی ہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 13 اگست 96ء)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور دیگر تنظیموں کا رد عمل

❑ "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماء مولانا اللہ وسایا' مولانا اسماعیل شجاع آبادی اور حاجی عبدالحمید رحمانی نے انڈیا پاک پیپلز فورم کی طرف سے معروف سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف نکالے جانے والے جلوس کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر قدیر محسن پاکستان ہے۔ جس نے نامساعد حالات میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے لیے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ ساری قوم ڈاکٹر قدیر کی احسان مند ہے۔ ڈاکٹر قدیر کے اس حیرت انگیز کارنامے کے بعد بھارت کو پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے ڈاکٹر قدیر اب بھارت کی نظر میں ایک مجرم ہے جسے وہ ہر ممکن نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اب بھارت نے انڈو پاک پیپلز فورم کی طرف سے ڈاکٹر قدیر کے خلاف مہم چلائی ہے جو انتہائی شرمناک حرکت ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ فورم بھارتی ایجنسی را کا تخلیق کردہ ہے جس کا مقصد پاکستان میں بھارتی تسلط قائم کرنا ہے' اس فورم کے زیر اہتمام مختلف سیمینارز میں اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف باتیں کی جاتی ہیں۔ فوج اور اس کے اسلامی تشخص کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ نظریہ پاکستان کو فرسودہ کہا جاتا ہے۔ اسلامی جنگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اسلامی شعائر کی توہین کی جاتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود حکومتی اداروں کی خاموشی معنی خیز ہے۔

انہوں نے کہا کہ انڈیا پاک پیپلز فورم' پاکستان میں انسانی حقوق کمیشن کا ذیلی ادارہ ہے' ڈاکٹر مبشر' آئی اے رحمٰن' عاصمہ جہانگیر' حنا جیلانی' حسین نقی وغیرہ اس فورم اور انسانی حقوق کمیشن کے سرکردہ افراد میں سے ہیں۔ انہوں نے چیف آف آرمی سٹاف جنرل کرامت جہانگیر سے مطالبہ کیا ہے کہ فوری طور پر اس فورم کی سرگرمیوں کا نوٹس لے کر کارروائی کی جائے اس فورم پر پابندی عائد کر کے ذمہ

داران کو ملک بدر کر دیا جائے ورنہ اس فورم کی سرگرمیاں ملکی سلامتی کے لیے نہایت نقصان دہ ثابت ہوں گی۔"

- "پاک انڈیا پیپلز فورم کے خلاف پاکستان سے غداری' دنیا کے نامور سائنس دان اور ایٹمی پروگرام چلانے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو جان سے مارنے کی دھمکی اور ارادہ قتل کی دفعات کے مطابق مقدمہ درج کرنے کی درخواست تھانہ آبپارہ میں دے دی گئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق پیر کی شام وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کی متعدد تنظیموں کی طرف سے پاکستان انڈیا پیپلز فورم کے خلاف زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین' پاکستان کے پر امن ایٹمی پروگرام اور ملک کے نامور سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف مہم چلانے' جان سے مارنے کی دھمکیاں دینے والی مذکورہ تنظیموں کو ملک دشمن قرار دینے اور ان کے سر پرستوں کے خلاف پاکستان سے غداری کا مقدمہ درج کرنے کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس موقع پر مظاہرین نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے حق میں نعرے لگائے اور غداروں کے پتلے نذر آتش کیے۔"

(روز نامہ نوائے وقت لاہور 13 اگست 96ء)

- "صحافیوں' ڈاکٹروں' وکلا اور مزدوروں کی پندرہ سے زائد تنظیموں نے ایٹمی پروگرام کو جاری رکھنے' ایٹمی دھماکہ کرنے' ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی حمایت اور ملک کے دفاعی منصوبوں کو برقرار رکھنے کے حق میں ہفتہ کو یہاں زبردست مظاہرہ کیا۔ مظاہرے کا اہتمام راولپنڈی اسلام آباد میں یونین آف جرنلسٹس نے کیا تھا جس میں پی آئی اے کے ملازمین کی یونین پیاسی' ریلوے کی پریم یونین اور سی ڈی اے کی یونین' وفاقی انجمن شہریان' پرنٹنگ پریس ورکرز ایسوسی ایشن' ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن اور ملٹری اکاؤنٹس ایمپلائز یونین سنٹرل باڈی کے علاوہ دوسری ٹریڈ یونینز نے بھی شرکت کی۔ بعد میں ارجنٹینا پارک جہاں چھ اگست کو سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حق میں مظاہرہ کرنے والی تنظیموں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی مصنوعی قبر بنائی تھی' جلسہ کیا گیا۔ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے سعود ساحر نے کہا کہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو' بری فوج کے سربراہ جنرل جہانگیر کرامت اور دیگر حساس

اداروں کے ذمہ داران محسن پاکستان اور ایٹمی پروگرام کے خالق ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی مصنوعی قبر بنانے، ایٹمی پروگرام اور فوج کے خلاف مظاہرہ کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کے خلاف حکومت کی کاروائی سے قوم کو آگاہ کریں۔ افسوس ہے کہ بھارت سے را کے ایجنٹ ڈاکٹر کے روپ میں اسلام آباد آکر ہمارے ایٹمی پروگرام اور فوج کے خلاف مظاہروں میں شریک ہوتے ہیں اور ہمارے حساس اداروں کو پتہ تک نہیں چلتا۔ وفاقی وزیر پٹرولیم و قدرتی وسائل انور سیف اللہ خان نے گزشتہ دنوں ایسی تقریب کا افتتاح کیا جس میں را کے ایجنٹ شریک تھے۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے رہنما لیاقت علی بنوری نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی قبر بنانے والے قومی مجرم ہیں۔ پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن پنجاب کے پریس سیکرٹری جمال ناصر نے کہا کہ حکومت کو دفاعی معاملات اور حساس اداروں کی کارکردگی بہتر بنانی چاہیے۔ پریم یونین کے مرکزی رہنما اشتیاق آسی نے کہا کہ اگر آئندہ کسی نے اسلام آباد میں ملک دشمن مظاہرے کا اہتمام کیا تو ہم انتظامیہ کو خاطر میں لائے بغیر خود ان کے خلاف کارروائی کریں گے۔ راولپنڈی پریس کلب کے جنرل سیکرٹری رانا غلام قادر نے کہا کہ ایٹمی پروگرام کے خلاف مظاہرہ کرنے والی این جی اوز، اصل میں ہمارے ملک میں محب وطن لوگوں کا امتحان لینا چاہتی تھیں کہ ان میں وطن کی محبت کا جذبہ کس قدر ہے۔ مظاہرے سے وفاقی انجمن شہریان کے خالد قریشی، پرنٹنگ پریس ورکرز یونین اور سی ڈی اے کی یونین کے رہنما محمد یاسین، ڈاکٹرز ایسوسی ایشن کے ریاض بلوچ نے بھی خطاب کیا۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 18 اگست 96ء)

❑ "رکن صوبائی اسمبلی انعام اللہ خان نیازی نے اسلام آباد میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف جلوس کو حکومت کی وطن دشمنی قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 6 اگست کو CTBT کے حق میں مظاہرہ حکومتی گماشتوں کے ایماء پر بعض نام نہاد تنظیموں نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی توہین فرد واحد کی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی توہین ہے۔ وہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے محسن ہیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 19 اگست 96ء)

حکومتی کارروائی

❑ "ذمہ دار ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت نے سی ٹی بی ٹی کے حق میں اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف گزشتہ دنوں یہاں احتجاجی مظاہرہ کرنے والی 13 کے قریب غیر سرکاری تنظیموں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس بارے میں ان تنظیموں سے جواب طلبی کی گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ دنوں آبپارہ چوک میں ہیروشیما پر بم گرائے جانے کے دن کے موقع پر 13 کے قریب این جی اوز نے احتجاجی مظاہرہ کیا' پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف نعرے لگائے تھے جس پر ملک کے عوام اور نامور سیاسی رہنماؤں نے شدید احتجاج کیا تھا اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان تنظیموں کے خلاف کارروائی کرے جس پر حکومت نے ان تنظیموں سے جواب طلبی کر لی ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ حکومت ایسی تمام این جی اوز پر پابندی لگانے پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہے جو کہ ملک کے مفاد کے منافی سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور آئندہ چند روز تک اس کا باقاعدہ اعلان کر دیا جائے گا۔"

(روز نامہ خبریں لاہور 10 اگست 96ء)

❑ "انسپکٹر جنرل پولیس اسلام آباد عبدالقادر بھٹی نے کہا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر قدیر خان کے خلاف مظاہرہ اور ان کی قبر پر چراغاں اور نعرے مارنے کا واقعہ سنگین نوعیت کا ہے۔"

(روز نامہ نوائے وقت لاہور 20 اگست 96ء)

❑ "ڈاکٹر قدیر کے خلاف نکالے گئے جلوس کے منتظمین کے خلاف ابھی تک مقدمہ درج نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں بابر اعوان ایڈووکیٹ اور اسلامی نظریہ کونسل کے رکن صاحبزادہ علامہ یونس کاظمی نے درخواستیں دائر کر رکھی ہیں' اس بارے میں جب تھانہ آبپارہ سے رابطہ کیا گیا تو اس نے بتایا کہ درخواستیں لیگل برانچ کو بھجوا دی گئی ہیں۔ وہاں سے جواب آنے پر کوئی کارروائی ہو گی۔"

(روز نامہ نوائے وقت لاہور 18 اگست 96ء)

"آستین کے سانپ" کے عنوان سے

عبدالقادر حسن اپنے کالم (غیر سیاسی باتیں) میں لکھتے ہیں

"اس ملک میں اور اس قوم پر یہ وقت بھی آنا تھا کہ اس کے دارالحکومت میں محافظ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف جلوس نکالا جائے اور جسارتیں یہاں تک بڑھیں کہ ان کی قبر بھی بنائی جائے۔ اسلام آباد راولپنڈی میں آباد پاکستانیوں کی بے حسی بلکہ بے حمیتی کی انتہا ہے کہ انہوں نے یہ تماشا دیکھا اور چپ رہے اور ہماری حکومت جو کبھی چپ نہیں ہوتی' اس سانحہ پر خاموش ہے۔ جنرل حمید گل نے کہا ہے کہ یہ جلوس اور مظاہرہ بھارتی سفارت خانے کی مالی امداد سے ہوا۔ اس ملک میں سامراجی گماشتوں نے این جی اوز (غیر سرکاری تنظیموں) کا جال بچھانا شروع کر دیا ہے جن کو امریکہ کے زیر اثر ادارے ورلڈ بینک اور عالمی فنڈ وغیرہ سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور ان تنظیموں سے متعلق لوگ اس کا حق نمک ادا کرتے ہیں۔ یہاں ایک "پاک بھارت فورم" بھی بنا ہوا ہے جس کے بارے میں بعض لوگ یقین سے اور بعض مبینہ طور پہ یہ کہتے ہیں کہ اس فورم کو بھارت سرمایہ فراہم کرتا ہے' ایک طریقہ واردات یہ بھی ہے کہ امریکہ کی بعض یونیورسٹیاں بھی تحقیق کے نام پر ان تنظیموں کی مالی امداد کرتی ہیں۔ بہرکیف جو ادارے بھی مالی امداد کرتے ہیں' ان کے اپنے مخصوص مقاصد ہیں اور ایک "پاکستان دشمنی مقصد" تو کھل کر سامنے آیا ہے اور پاکستان کی ایٹمی طاقت کے خلاف یہ مظاہرہ ہوا ہے' کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس کا فائدہ صرف اور صرف بھارت کو جاتا ہے۔

جڑواں دارالحکومت راولپنڈی اسلام آباد سے آنے والی یہ واحد خبر تھی جس پر میں نے یقین نہیں کیا' میرے لیے یہ تصور کرنا ممکن نہیں کہ کوئی کم بخت پاکستانی ایسا بھی ہو سکتا ہے جو ڈاکٹر قدیر جیسے شخص کے خلاف بات کر سکتا ہے اور اس حد تک جا سکتا ہے کہ ایک شاہراہ پر ان کی قبر بناتا ہے۔ اسلام آباد راولپنڈی میں اگر کوئی قبر بنے گی اور ضرور بنے گی تو ان لوگوں کی حسرتوں کی قبر ہو گی۔ لیکن اس وقت سوال یہ ہے کہ ایسی جرات کیسے ہوئی اور یہ سوال میں اگر کسی سے پوچھ

سکتا ہوں تو وہ صدر پاکستان جناب فاروق لغاری ہیں جن کی حب الوطنی پر شک کرنے کی میرے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ کسی سیاسی پارٹی کے نہیں' پاکستان کے صدر ہیں۔ پاکستان کے مفادات کی حفاظت ان کا پہلا فرض ہے اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے جب یہ اطلاع سنی ہو گی تو وہ میری طرح بلکہ مجھ سے زیادہ پریشان ہوئے ہوں گے کیونکہ ان کی ذمہ داری مجھ سے زیادہ ہے۔ میں تو صرف دو لفظ لکھ کر رو سکتا ہوں لیکن وہ تو ان نام نہاد پاکستانیوں کے خلاف کسی بھی کارروائی کا حکم دے سکتے ہیں۔ ہماری سیاسی حکومت ان دنوں وزارتوں کی تقسیم میں مصروف ہے اور آزاد کشمیر کی فتح کو مکمل کرنے کی فکر میں ہے۔ لیکن جناب صدر کا مملکت پاکستان کے اجتماعی مفادات کے تحفظ کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے اور یہ طے ہو چکا ہے اور پوری قوم اس پر متفق ہے کہ پاکستان کے وفاع کے لیے فی الوقت ایٹمی توانائی سے بڑھ کر اور کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ بالکل یہی وجہ ہے کہ بھارتی ایجنٹ اس سے پریشان ہیں اور اس کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں۔ بھارت کے کچھ ایجنٹ پاکستان میں ایک طرف اگر دھماکے کرا رہے ہیں اور بے گناہ پاکستانیوں کی جانیں لے کر ملک میں بے اطمینانی پھیلا رہے ہیں تو دوسری طرف "دانشوروں" کے ذریعہ فکری محاذ پر قوم کے اندر شکوک اور غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں تاکہ یہ قوم اپنے قومی فکری مرکز سے ہٹ جائے۔ بھارت کی یہ خواہش ہو سکتی ہے اور ہونی چاہئے کہ وہ ہمارا دشمن ہے جو ہر میدان میں ہمارے خلاف برسرپیکار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ان پاکستانی دانشوروں کی خباثتیں کیسے برداشت کر رہے ہیں۔ یہ مظاہرہ صرف قدیر خان کے خلاف نہیں' پوری فوج کے خلاف بھی تھا کیونکہ ہر وہ ادارہ جو پاکستان کا دفاع کر سکتا ہے ان لوگوں کے لیے ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہے جسے اسلام آباد والوں نے ہنسی خوشی برداشت کر لیا۔ تعجب ہے کہ جب یہ مظاہرہ ہو رہا تھا تو وہاں موجود لوگ کیا کر رہے تھے؟ خاموشی کے ساتھ دیکھنے والوں کی آنکھیں پھوٹ کیوں نہ گئیں اور دل پھٹ کیوں نہ گئے۔ کیا کوئی پاکستانی اس قدر بے حس بھی ہو سکتا ہے میرے لیے اس کا تصور کرنا بہت مشکل ہے اور وہ پولیس کہاں تھی جو اس شہر میں اپوزیشن کو پر نہیں مارنے دیتی۔ لیکن پاکستان کی اپوزیشن شاید ہماری

پولیس کے لیے اپوزیشن نہیں ہے' صرف حکومت کی اپوزیشن ہی اپوزیشن ہے۔ ہماری سیاسی جماعتیں بھی پولیس کی طرح خاموش ہیں۔ جنرل حمید گل کے دل میں ہی اضطراب پیدا ہوا اور ان کی بات اخبارات میں چھپی' کسی دوسرے دل کو یہ چوٹ نہیں لگی یا بات بات پر احتجاج کرنے والوں نے ابھی تک اس کا اظہار نہیں کیا۔

صدر صاحب سے گزارش ہے کہ وہ صرف یہی نہ کریں کہ ایسی جماعتوں اور مظاہرہ کے پس پردہ محرکات کی تحقیقات کرائیں بلکہ ان این جی اوز کی باقاعدہ انکوائری کرائیں کہ یہ سوشل ویلفیئر جیسے کاموں کے پردے میں کیا گل کھلاتے ہیں۔ آج انہوں نے ایک مظاہرہ کیا ہے' کل مزید آگے بڑھیں گے اور ملک کے مفادات کے لیے مزید خطرات پیدا کریں گے۔ "گربہ کشتن روز اول بہ" کے دانشمندانہ مشورے پر عمل کیا جائے اور اس فتنے کو مزید بڑھنے سے روکا جائے۔ صومالیہ کی بربادی انہی این جی اوز کا کارنامہ ہے۔ پاکستانی اگر ہوشیار نہ رہے تو یہ آستین کے سانپ ان کو ڈس لیں گے اور پانی پلانے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔"

(روزنامہ جنگ لاہور 14 اگست 96ء)

"اسلام آباد میں ڈاکٹر قدیر کے خلاف جلوس کیوں؟"

اس عنوان سے خوشنود علی خاں اپنے کالم میں لکھتے ہیں

"یقین مانیں' مملکت خداداد پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں "فرزند پاکستان" ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف صرف جلوس ہی نہیں نکلا' اس شہر میں ان کی قبر بھی بنائی گئی اور وہ جو بظاہر پاکستانی تھے' انہوں نے ایٹمی پروگرام کیپ کرنے کے نعرے بھی لگائے اور اسی غصے میں ڈاکٹر عبدالقدیر کا مزار بھی بنا دیا۔

اس مظاہرے پر ابھی تک کسی کے خلاف کوئی پرچہ درج نہیں ہوا' حالانکہ اسلام آباد میں جہاں بھی چند غریب لوگ اکٹھے ہوں' دفعہ 144 لگ جاتی ہے لیکن پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف اور پاکستان کے نامور فرزند ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف اکٹھا ہونے والوں پر کسی نے دفعہ 144 نہیں لگائی' انہیں کسی نے ڈاکٹر عبدالقدیر کی قبر بنانے سے نہیں روکا۔ میں حیران ہوں قائد حزب اختلاف

سے قائد ایوان تک' سب کے بیانات اخبارات میں روزانہ موجود ہوتے ہیں لیکن وہ اپوزیشن جس کا سٹینڈ یہ ہے کہ ایٹمی پروگرام کیپ نہیں کرنا چاہئے' انہیں اس جرم کی سزا یہ ملی کہ وہ اقتدار سے باہر کر دیئے گئے' بالکل اسی طرح پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی کتاب میں اور صدر راولپنڈی میں امریکن سنٹر کے سامنے اپنے خطاب میں ایٹمی پروگرام کے حوالے سے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ:

"امریکی کتے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"

میں حیران ہوں کہ ان ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف جلوس نکالنے اور ان کی قبر بنانے کی خبروں پر خاموش ہے حالانکہ وہ اس وقت ملک کی وزیراعظم اور چیف ایگزیکٹو ہے۔ جنرل نصیر اللہ بابر جو افواج پاکستان کے جرنیل رہے ہیں اور اس وقت ملک کے وزیر داخلہ ہیں' وہ ایٹمی پروگرام کی اہمیت و افادیت کو سمجھتے ہیں' انہوں نے بھی آئین کے آرٹیکل چھ کو حرکت میں لانے اور ڈاکٹر قدیر کی قبر بنانے والوں کے خلاف غداری کا مقدمہ درج کرانے کے احکامات جاری نہیں کیے۔

اسی طرح میرا قائد حزب اختلاف میاں محمد نواز شریف سے سوال ہے کہ وہ اس مسئلے پر کیوں باہر نہیں نکلے۔ انہوں نے ان بھارتی ایجنٹوں کے خلاف کیوں ریلی نہیں کی۔ جنرل حمید گل سڑک پر کیوں نہیں آئے' جس سڑک پر ایٹمی پروگرام کیپ کرنے والوں نے جلوس نکالا' اگر جنرل حمید گل' میاں محمد نواز شریف یا کوئی بھی دوسرا جلوس نکالنے کا اعلان کر دے تو مجھے یقین ہے کہ وہ جلوس حکومت کے لیے مسئلہ بن جائے گا۔

وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو سے میرا سوال یہ ہے کہ وہ کیوں خاموش ہیں۔ انہوں نے ایٹمی پروگرام کیپ کرنے اور ڈاکٹر قدیر کی قبر بنانے والوں کے خلاف ایکشن لینے کے احکامات کیوں نہیں کیے؟

میرا سوال پوری قوم سے ہے کہ جب اسلام آباد کی سڑک پر ڈاکٹر قدیر کی قبر بن رہی تھی' کیا پورے ملک میں دو چار ایسے لوگ بھی باقی نہیں بچے تھے جو ڈاکٹر قدیر کی قبر بنانے والوں کو جوتے مارتے!"

(روزنامہ خبریں لاہور 12 اگست 96ء)

ہندو پاکستانی بھائی بھائی؟

"بھارتی صحافی کلدیپ نیّر نے امید ظاہر کی ہے کہ آئندہ برس جب پاکستان اور بھارت اپنی آزادی کے 50 سال مکمل کر چکے ہوں گے' سرحد پر دونوں ممالک کے ہزاروں افراد امن کی شمعیں ہاتھوں میں لیے ایک دوسرے سے ضرور ملیں گے۔ کلدیپ نیّر نے کہا 14 اور 15 اگست کی درمیانی رات بارہ بجے بھارت کی طرف سے تقریباً 300 افراد موم بتیاں اٹھائے سرحد پر پہنچے اور "ہندو پاکستانی بھائی بھائی" "ہندو پاکستان دوستی زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ ان میں ونود مہتا' سید نقوی اور آرٹسٹ راجو سیٹھی جیسے لوگ شامل تھے۔ پاکستان کی طرف سے کوئی موم بتی نظر نہیں آئی۔ پتہ چلا ہے کہ سات آٹھ افراد نے سرحد تک پہنچنے کی کوشش کی تھی مگر نہ پہنچ سکے جس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی' بعد میں پاکستان میں بعض لوگوں سے فون پر بات کی گئی تو ان میں سے اکثر نے پروگرام سے لاعلمی ظاہر کی۔ ویسے انہوں نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ وہ آئندہ سال شمعیں لے کر ضرور سرحد پر جائیں گے۔ عاصمہ جہانگیر' ڈاکٹر مبشر حسن' آئی اے رحمٰن اور طاہرہ مظہر علی نے فیکس کے ذریعے اس اقدام کا خیر مقدم کیا۔"

(روز نامہ جنگ لاہور 17 اگست 96ء)

مدیر "سرراہے" اپنے کالم میں اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

بھارتی صحافی کلدیپ نیّر نے امید ظاہر کی ہے کہ آئندہ برس جب پاکستان اور بھارت اپنی آزادی کی پچاسویں سالگرہ منائیں گے تو واہگہ بارڈر پر دونوں طرف سے ہزاروں لوگ امن کی شمعیں جلا کر ایک دوسرے کو خوش آمدید کہیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ اس سال بھی 14 اور 15 اگست کی درمیانی رات کو بارہ بجے بھارت کی طرف سے 300 افراد موم بتیاں اٹھائے سرحد پر پہنچے اور انہوں نے پاک بھارت دوستی کے نعرے لگائے۔ لیکن پاکستان کی طرف سے کوئی موم بتی نظر نہ آئی۔ انہوں نے بتایا کہ عاصمہ جہانگیر' ڈاکٹر مبشر حسن' آئی اے رحمٰن' اور طاہرہ مظہر علی نے فیکس کے ذریعے ان کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور یقین دلایا

ہے کہ آئندہ سال وہ شمعیں لے کر ضرور سرحد پر آئیں گے۔

کلدیپ نیر نے جن "معززین" اور "معززات" کے نام گنوائے ہیں وہ تو کب سے مشعلیں جلائے واہگہ باڈر کے خاتمے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن پاکستانی قوم ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ پچھلے دنوں انہی جیسے لوگوں نے اسلام آباد میں پاکستان کے ایٹمی سائنس دان عبدالقدیر خان کا فرضی جنازہ نکالا تھا اور پھر انہیں قبر میں دفن کر دیا تھا۔ لیکن دوسری طرف بھارتی وزیراعظم دیو گوڑا نے اعلان کیا کہ وہ پاکستان کو بھسم کرنے کے لیے اگنی میزائل تیار کرتے رہیں گے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امن کے یہ پجاری بھارت جاکر وہاں کے ایٹمی سائنس دانوں کا جنازہ نکالتے لیکن ان کا سارا زور غریب پاکستان پر چلتا ہے۔ ان کے بھارتی ہمنواؤں کو بھی اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ دیو گوڑا کے اس اعلان کے بعد وہ ان کی ارتھی نکالتے اور شمشان بھومی میں جاکر اس کی چتا جلاتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 18 اگست 96ء)

آستین کے زہریلے سانپ' اسلام آباد کی سڑکوں پر!

(اداریہ ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور)

"چند روز پہلے یہ اندوہناک اور غمناک خبر قومی اخبارات میں شائع ہوئی کہ پاکستان کے عظیم سپوت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف ایک جلوس نکالا گیا' سڑک کے درمیان ان کی قبر بنائی گئی' ان کا پتلا جلایا گیا' اور ان کے خلاف بے ہودہ نعرے لگائے گئے۔

لوگوں نے یہ تماشا دیکھا اور چپ رہے۔ قومی غیرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ سڑکوں پر لہرانے والے ان زہریلے سانپوں کا سر کچل دیا جاتا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی حرکت کرنے کی کبھی جرات نہ ہوتی۔

حکومت بھی خاموش تماشائی بنی رہی' یہ وہی سڑکیں ہیں جہاں کچھ عرصہ

پہلے محب وطن پاکستانیوں کو اس جرم کی پاداش میں تاک تاک کر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا کہ وہ وزیر اعظم ہاؤس کے باہر صرف تھوڑا عرصہ دھرنا دے کر ظالمانہ بجٹ کے خلاف اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتے تھے۔ حکومت سے یہ برداشت نہ ہوسکا اور چشم زدن میں خون کی ہولی کھیلی گئی نوجوان لاشیں سڑکوں پر تڑپنے لگیں' بچوں' بوڑھوں اور خواتین پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔ لیکن وہیں پاکستان کے محسن' عظیم سکالر' بین الاقوامی شہرت یافتہ سائنس دان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف جلوس نکالا جاتا ہے۔ لیکن اس جلوس کے شرکاء کو ہر قسم کا تحفظ میسر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا قصور کیا ہے؟

کیا ان کا یہ قصور ہے کہ انہوں نے اپنے سائنسی تجربات کو بروئے کار لاتے ہوئے تھوڑے ہی عرصے میں پاکستان کو ایٹمی قوت سے لیس کر دیا ہے؟

صدر پاکستان اور آرمی چیف کا یہ فرض ہے کہ وہ معلوم کرے کہ یہ جلوس نکالنے والے لوگ کون ہیں؟

جنرل حمید گل کا یہ بیان آیا کہ یہ جلوس اور مظاہرہ بھارتی سفارتخانے کے مالی تعاون سے کیا گیا۔ اگر یہ سچ ہے تو ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

ہمارے ملک کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہاں سامراجی گماشتوں نے این جی اوز یعنی غیر سرکاری تنظیموں کے جال بچھانے شروع کر دیئے ہیں اور ان تنظیموں کو ملک دشمن قوتیں سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ یہاں ایک "پاک بھارت فورم" بھی قائم ہے جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اسے بھارت سے مالی امداد ملتی ہے۔ اور یہ فورم حق نمک ادا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔

یہ مظاہرہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ذات کے خلاف نہیں بلکہ دراصل یہ پاکستان کی ایٹمی طاقت کے خلاف سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نفرت کا اظہار ہے جس کا سراسر فائدہ صرف اور صرف بھارت کو پہنچتا ہے اور پاکستان کے دارالحکومت کی سڑکوں پر یہ شرمناک مظاہرہ بھارت کے نمک خوار ہی کرسکتے ہیں۔ اور ان کو کھلی چھٹی دینے والے بھارت کے بہی خواہ ہی ہوسکتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی شخصیت پاکستان کا ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ ان کی ہر

پاکستانی کو دل و جان سے قدر کرنی چاہیے۔ اس قسم کی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ پاکستان کے دفاع کے لیے ایٹمی توانائی سے بڑھ کر اور کوئی اسلحہ نہیں اور یہ اسلحہ تیار کرنے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان مکمل دسترس رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بھارتی ایجنٹ ان کے خلاف گاہے بگاہے مختلف صورتوں میں نفرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ہمارا صدر پاکستان سے پرزور مطالبہ ہے کہ وہ این جی اوز کی خفیہ کارروائیوں کے بارے میں تحقیقات کریں۔ اور نظریہ پاکستان کے خلاف سرگرم عمل قوتوں کو ملیا میٹ کرنے کے لیے فوری طور پر احکامات صادر کریں' آج اسلام آباد میں یہ مظاہرہ ہوا ہے اور کل اس سے بڑھ کر بھی کوئی اقدام سامنے آسکتا ہے۔

حکومت پاکستان کے علاوہ ہر محب وطن پاکستانی کا بھی فرض ہے کہ وہ جہاں بھی اس قسم کی گھناؤنی سازش دیکھیں' غیرت اور جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک دشمن عناصر کا قلع قمع کریں' تاکہ آئندہ کسی بھی غیر ملکی ایجنٹ کو کوئی بھی تخریبی کارروائی کرنے کی جرات نہ ہوسکے۔"

(اداریہ' ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور' ۱۳ ستمبر۱۹۹۶ء)

ہم اسرائیل سے محبت کرتے ہیں

(اسلام آباد میں شرانگیز وال چاکنگ)

"وفاقی دارالحکومت میں ایک گمنام گروپ نے اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس کے بارے میں تہنیتی نعرے درج کرنے کی ایک خصوصی مہم کے دوران شہر کی اہم ترین شاہراہوں پر "ہم اسرائیل سے محبت کرتے ہیں" کے نعروں پر مبنی وال چاکنگ شروع کر دی ہے۔ چاکنگ میں "I Love Israel" کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ یہ نعرے شاہراہ جمہوریت' امریکی سفارت خانے اور ایم این اے ہاسٹلز کو جانے والی سڑکوں پر لکھے گئے

ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۲ ستمبر۱۹۹۶ء)

اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "سرراہے" لکھتے ہیں:

"اسلام آباد سے خبر آئی ہے کہ وفاقی دارالحکومت کے ایک گمنام گروپ نے اسرائیل کے حق میں وال چاکنگ شروع کر دی ہے اور شہر کی اہم سڑکوں پر "آئی لو اسرائیل" کے نعرے درج کر دیئے ہیں۔ ان نعروں کا مقصد اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے فضا ہموار کرنا ہے۔ اگرچہ خبر رساں ایجنسیوں نے اس گروپ کو گمنام قرار دیا ہے لیکن اہل پاکستان خوب جانتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ بقول شاعر ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت رامی شناسم

ترجمہ: (تم جس طرح کا چاہو لباس پہن لو' میں تمہارے انداز قد سے تمہیں پہچان لوں گا۔) پچھلے دنوں اس گروپ نے پاکستان کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا جنازہ نکالا تھا اور پھر انہیں چوک آبپارہ کے نزدیک دفن کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ ان لوگوں نے دن کی روشنی میں کیا تھا۔ اس لئے انہیں پہچاننے میں کوئی وقت نہیں آنی چاہیے۔ وزیر داخلہ جنرل نصیر اللہ بابر کراچی میں را کے ایجنٹ تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن چراغ تلے اندھیرا کے مصداق انہیں اسلام آباد میں را کا کوئی ایجنٹ نظر نہیں آتا۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ ستمبر۱۹۹۶ء)

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف پاک انڈیا

پیپلز فورم کی پریس کانفرنس میں ہنگامہ

"منگل کی شام وفاقی دارالحکومت کے ایک مقامی ہوٹل میں پاکستان انڈیا پیپلز فورم کی پریس کانفرنس اس وقت بدترین ہنگامہ آرائی کا شکار ہوگئی۔ جب فورم کے ایک رکن نے نہ صرف جوہری تجربات کرنے پر پاکستان کی مذمت کی بلکہ احتجاج کرنے والے ایک صحافی کو

گالیاں بھی دیں۔ موقع پر موجود شباب ملی کے کارکنوں نے فورم کے رکن پروفیسر اے ایچ نیر اور دیگر منتظمین کی زبردستی ٹھکائی کر دی اور پریس کانفرنس الٹ دی۔ تفصیلات کے مطابق بھارت اور پاکستان کے درمیان جب سرکاری سفارت کاری کی علمبردار تنظیم پاک انڈیا پیپلز فورم نے پاکستان کی زیر زمین ایٹمی تجربات پر اپنے ردعمل کے اظہار کے لیے منگل کی شام یہاں ایک مقامی ہوٹل میں پریس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ جونہی فورم کے اسلام آباد چیپٹر کی سربراہ پروفیسر ڈاکٹر زرینہ سلامت' اقوام متحدہ کی ایک مقامی افسر طاہرہ عبداللہ' کراچی کے دانشور پروفیسر اقبال اور قائداعظم" یونیورسٹی کے پروفیسر عبداللہ حمید نیر کے ہمراہ اپنی نشستوں پر پہنچیں تو سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

صحافیوں نے ان پر واضح کر دیا کہ پریس کانفرنس کے دوران پاکستان مخالف بیان یا ریمارکس قطعاً برداشت نہیں کیے جائیں گے۔ فورم کی پریس کانفرنس میں ان کے ارکان کے علاوہ حیرت انگیز طور پر نوجوان خواتین غیر معمولی تعداد میں موجود تھیں۔ پروفیسر اقبال اور پروفیسر اے ایچ نیر کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ ان خواتین نے سوال و جواب سے الجھنے کی کوشش کی۔ شباب ملی کے کارکنان جنہیں قبل از وقت سیمینار اور پریس کانفرنس کی اطلاع مل گئی تھی' فورم اور بھارت کے خلاف نعروں پر مبنی پلے کارڈز اور بینر اٹھائے کھڑے تھے۔ پاکستان کے خلاف گالیاں سن کر انہوں نے پروفیسر اے ایچ نیر کی ٹھکائی شروع کر دی۔ اخبار نویسوں نے بڑی مشکل سے پروفیسر اے ایچ نیر کو مشتعل کارکنان کے نرغے سے نکالا۔ پوری پریس کانفرنس درہم برہم ہو گئی۔ ہنگامہ شروع ہوتے ہی سب سے پہلے ہوٹل کی سیکورٹی کے عملہ نے راہ فرار اختیار کی۔ کرسیاں میزیں الٹ گئیں۔ شیشے کے برتن اور گلاس ٹوٹ گئے۔ جبکہ بلوریں جھاڑ فانوس ٹوٹ کر فرش پر بکھر گئے۔ پریس کانفرنس میں ایک امریکی صحافی بھی موجود تھا' جس نے فورم کے ارکان' شباب ملی کے قائدین اور مقامی صحافیوں کے تاثرات تفصیل سے ریکارڈ کیے اور ہنگامہ آرائی کی تصاویر بنائیں"

(روزنامہ "خبریں" لاہور' ۳ جون ۱۹۹۸ء)

پاک بھارت پیپلز فورم کی ہرزہ سرائی

(نوائے وقت کا اداریہ)

"گزشتہ روز اسلام آباد میں پاک بھارت فرینڈ شپ فورم کے جلسے میں اس وقت ہنگامہ ہوگیا جب مقررین نے پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا۔ مظاہرین نے سخت احتجاج کیا کہ آزادی اظہار کے نام پر پاک بھارت فرینڈ شپ فورم کے دانشور پاکستان کو گالیاں دیتے ہیں۔ انہیں بھارت کے ایٹمی دھماکوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن جب پاکستان نے اپنے دفاع کے لیے ایٹمی دھماکے کیے تو یہ دانشور کونوں کھدروں سے نکل کر پاکستان کو برا بھلا کہنے کے لیے اکٹھے ہوگئے۔ یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے کہ پاک بھارت دوستی کے دعویدار دانشور پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ جب بھارت نے تین دنوں میں پانچ ایٹمی دھماکے کیے تو یہ دانشور کہاں تھے؟ اسی طرح ۱۹۷۴ء میں بھارت نے جب پوکھران میں پہلا ایٹمی دھماکہ کیا تھا تو اس وقت بھی یہ دانشور خاموش رہے۔ بھارتی دھماکوں کے بعد پاکستان سترہ روز تک اس انتظار میں رہا کہ عالمی رائے عامہ' بھارت کی مذمت کرے جس نے جنوبی ایشیا میں ایٹمی دوڑ شروع کر دی ہے۔ لیکن جب عالمی برادری خاموش رہی تو حفاظت خود اختیاری کے طور پر پاکستان بھی جوابی دھماکوں پر مجبور ہوگیا۔

اس بات کو سراہنے کی بجائے بیرونی پیسوں پر چلنے والی بعض این جی اوز نے پاکستان کے خلاف محاذ کھول لیا اور انہوں نے پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کو مطعون کرنا شروع کر دیا۔ ان دانشوروں میں ایسے لوگ شامل ہیں جو پاکستانی یونیورسٹیوں میں پڑھا رہے ہیں۔ ہم حکومت کو مشورہ دیں گے کہ وہ اس قسم کے اساتذہ کی سرگرمیوں کا نوٹس لے۔ اس قسم کے اساتذہ نے مشرقی پاکستان کے طالب علموں کے دماغ خراب کیے تھے۔ اب یہ لوگ پاکستان میں یہی کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔ حکومت کو اپنے تعلیمی اداروں کو اس قسم کے لوگوں سے پاک کر دینا چاہیے جو ملکی مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

علاوہ ازیں ان تمام جماعتوں اور افراد کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنی چاہیے جو پاکستان

کے ایٹمی دھماکوں پر منفی ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ عوامی نیشنل پارٹی ہو یا بلوچستان نیشنل پارٹی، کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچائے۔ سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق جو ایٹمی دھماکوں کے خلاف رائے عامہ تیار کر رہے تھے، انہیں بھی بھارت کے خلاف دو لفظ کہنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اب اگرچہ وہ ڈاکٹر لوٹا بن کر پابندیوں کے خلاف باتیں کر رہے ہیں مگر انہوں نے جس سیمینار سے خطاب کیا، وہاں بھی پاکستانی ایٹمی دھماکوں کے خلاف قرارداد منظور کی گئی۔ ایسے لوگ صرف اپنے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ملک و قوم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم حکومت کو مشورہ دیں گے کہ وہ ایسے تمام لوگوں پر کڑی نظر رکھے جنہیں پاکستانی مفاد کے مقابلے میں بھارتی مفادات زیادہ عزیز ہیں۔ خاص طور پر غیر ملکی فنڈز سے چلنے والی این جی اوز کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ گھاس کے یہ کیڑے پاکستان اور قوم کی صحت کے لیے مضر ہیں"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ۴ جون ۹۸ء)

ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھی پروفیسر ہود بھائی کے متعلق قائداعظم یونیورسٹی کے پروفیسروں اور طلبہ کے تاثرات

اسلام آباد (رپورٹ نوید اکبر، نبیلہ شاہین) پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف واویلا کرنے والے نام نہاد دانشور امریکہ اور بھارت کے ایجنٹ ہیں۔ انڈیا پاکستان فورم کے کرتا دھرتا ڈاکٹر پرویز ہود بھائی، ڈاکٹر نیر اور اقبال احمد کا امریکی ڈالر کھا کر پاکستان کو گالی دینا محبوب مشغلہ ہے۔ حکومت اس ٹولے کی سرگرمیوں کا نوٹس لے کر اس کے خلاف ملک دشمنی کا مقدمہ چلائے۔ ان خیالات کا اظہار قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسروں، طلباء اور طالبات نے بدھ کے روز "خبریں" کے موبائل فورم میں کیا۔

قائداعظم یونیورسٹی کے ایک پروفیسر اور اکیڈمک سٹاف ایسوسی ایشن کے سابق صدر نے کہا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو ذہنی بیمار ہیں، جن کا کام ہر حال میں اپوزیشن میں رہنا ہوتا

ہے۔ یہ لوگ یونیورسٹی کو غلط مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے طلباء و طالبات کا ایک منظم گروپ بنایا ہوا ہے' جن کی وہ برین واشنگ کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایک ٹیچر نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اس اینٹی پاکستان گروپ کو یقیناً غیر ملکی ایجنسیوں کی این جی اوز کی شکل میں حمایت حاصل ہے' یونیورسٹی کی اکثریت اس اینٹی اسلام اور اینٹی پاکستان گروپ کے خلاف ہے۔

پروفیسر ہود بھائی گروپ نے بدھ کے روز دوپہر کو یونیورسٹی کے فزکس ڈیپارٹمنٹ میں پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف ایک سیمینار کا اہتمام کیا تھا' جسے انتظامیہ نے رکوا دیا۔ اس سلسلے میں طلباء نے کہا کہ اگر اس طرح ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ ہم پاکستان اور اسلام کے تحفظ کے لیے اپنے آپ کو کنٹرول میں نہ رکھ سکتے۔ شعبہ فزکس کی ایک سینئر خاتون پروفیسر نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ایک بات سو فیصد ٹھیک ہے کہ اس گروپ کو امریکہ کی بھرپور مدد حاصل ہے' اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ڈاکٹر نیر کو امریکہ کی جانب سے ۴ ہزار ڈالر ماہانہ آفر ہوئی حالانکہ ان کے ۲۵ سالہ تدریسی دور میں ایک بھی طالب علم کو ان سے پی ایچ ڈی کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا' لیکن وہ اپنے طرز عمل سے اپنے طلباء و طالبات کو کچھ اس طرح سے متاثر کرتے ہیں جیسے کسی کو ہپناٹائز کیا جاتا ہے۔

ٹیچرز نے اس بات کا اعتراف کیا' کہ انہوں نے ڈاکٹر ہود بھائی اور نیر گروپ کی وجہ سے شعبہ کے ٹی روم میں جانا چھوڑ دیا کیونکہ یہ گروپ وہاں پاکستان کے خلاف گفتگو کرتا ہے۔ شعبہ فزکس کے چیئرمین ڈاکٹر اسلم بیگ نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر نیر گروپ اور ڈاکٹر پرویز ہود بھائی نے انڈیا پاکستان فورم بنایا ہے' جس کا مقصد کھلم کھلا پاکستان کی مخالفت کرنا ہے۔ ڈاکٹر نیر ایک استاد ہیں' انہیں اپنے آپ کو صرف اور صرف ایک استاد ہی سمجھنا چاہیے۔ شعبہ فزکس کے ڈاکٹر نذر' جو کہ خود بھی پرویز ہود بھائی کے شاگرد رہے ہیں' نے کہا کہ یہ لوگ نہ صرف اینٹی پاکستان اور اینٹی اسلام بلکہ ملک کے غدار بھی ہیں۔ جن سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ یہ ایک مخصوص گروپ ہے۔ یہ لابی یونیورسٹی جیسے ادارے کو بدنام کر رہی ہے۔ ماضی میں ایک بار "میرٹ" ہوٹل میں ایک

کانفرنس میں ڈاکٹر پرویز ہود بھائی نے پاکستان کے خلاف سخت ہرزہ سرائی کی تھی' جس پر ان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت کے امریکی سفیر نے حکومت پر دباؤ ڈال کر یہ مقدمہ خارج کروا دیا تھا۔ یہ گروپ کبھی "NGOs" کے نام پر' کبھی فلاسفیکل "Philosophical Society" سوسائٹی اور کبھی "بیداری" کی نام پر خواتین کو ٹریپ کرتا ہے۔ ڈاکٹر نذر نے کہا کہ شروع شروع میں' میں بھی اس گروپ سے بہت متاثر تھا۔ دراصل ان کا طریقہ واردات ایسا ہے کہ انسان کو ہوش اس وقت آتا ہے' جب وہاں سے نکلنے کا راستہ باقی نہیں رہتا۔ اس اینٹی گروپ کو امریکہ سے NPT پر سیمینار کروانے کے لیے لاکھوں ڈالر ملتے ہیں۔ یہ اس یونیورسٹی میں بہت سے ایسے سیمینار کرواتے ہیں جس میں یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پاکستان ایک غریب اور کمزور ملک ہے۔ اس کی ترقی کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی زہر کی حیثیت رکھتی ہے۔

شعبہ مطالعہ پاکستان کے پروفیسر ڈاکٹر مسعود نے "خبریں" سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ اینٹی گروپ ان چار پانچ لوگوں کا گروپ ہے' جنہوں نے خود پر ایک ایسا خول چڑھا رکھا ہے کہ ان کے اصلی چہرے تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اگر یہ لوگ محب وطن ہیں تو پھر ہود بھائی کا بی بی سی کو اینٹی پاکستان انٹرویو کس سلسلے کی کڑی ہے۔ ان لوگوں کے زیادہ تعلقات قادیانیوں سے ہیں' حکومت جانتے بوجھتے ہوئے بھی ایسے لوگوں کو کیوں کھلا چھوڑ رہی ہے؟ طالب علم مبشر اکبر نے کہا کہ ویسے پاکستان کو دھماکہ نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن بھارتی ایٹمی دھماکوں نے پاکستان کو ایٹمی دھماکے کرنے کا جواز فراہم کر دیا۔ ہر وہ بات قابل مذمت ہے جو پاکستان کو عالمی سطح پر ذرا سا بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ سہیل مقبول نے کہا کہ ایٹمی دھماکوں کے بغیر پاکستان کی بقا ممکن نہیں تھی' یونیورسٹی کو ایک تعلیمی ادارہ ہی رہنا چاہیے' اسے ہرگز سیاسی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

(روزنامہ "خبریں" ۴ مئی ۱۹۹۸ء)

مدیر ''سرراۓ'' کا تبصرہ

''اخباری اطلاعات کے مطابق گزشتہ روز اسلام آباد میں پاک انڈیا پیپلز فورم کے آرگنائزر کی پٹائی ہوگئی۔ اس فورم نے پاکستان کے ایٹمی تجربات پر اپنے ردعمل کے اظہار کے لیے ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کر رکھا تھا جس میں پاک بھارت فورم کے دانشور جمع تھے۔ لیکن قائداعظم یونیورسٹی کے پروفیسر اے ایچ نیر نے جب ایٹمی دھماکوں پر پاکستان کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو حاضرین برداشت نہ کرسکے اور انہوں نے پریس کانفرنس الٹ دی۔

ہمیں پاک بھارت فرینڈ شپ فورم سے بڑی ہمدردی ہے لیکن ہم حیران ہیں کہ انہیں ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف پریس کانفرنس منعقد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ اسلام آباد کے ایک پٹھان چوکیدار نے ایک بھارتی سفارت کار کا سر پھاڑ دیا تھا کیونکہ اس نے پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کا مذاق اڑایا تھا۔ پاکستان میں چند ایسے دانشور موجود ہیں جنہیں پاکستان کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ انہی لوگوں نے گزشتہ برس ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا فرضی جنازہ نکالا تھا اور انہیں اسلام آباد کی ایک شاہراہ کے قریب دفن کردیا تھا۔ یہ دانشور بھارت کو کچھ نہیں کہتے۔ ان کا سارا زور پاکستان پر چلتا ہے۔ ہود بھائی ہوں' یہود بھائی ہوں یا ہنود بھائی۔ یہ سب عالم اسلام کو ترقی کرتے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم ان بیہود بھائیوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنا ہیڈ کوارٹر تل ابیب منتقل کرلیں۔ پاکستان میں ان کی دانشوری کی دال نہیں گلے گی''۔

(روزنامہ ''نوائے وقت'' ۴ جون ۹۸ء)

مدیر ''سرراہے'' کا تبصرہ

''قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے اساتذہ اور طلباء نے بتایا ہے کہ ان کی یونیورسٹی میں ایک اینٹی پاکستان اور اینٹی اسلام گروپ قائم ہے' جس کی سرپرستی شعبہ فزکس کے استاد ڈاکٹر ہود بھائی کر رہے ہیں۔ اس گروپ کے سرغنہ پروفیسر اقبال احمد ہیں جو ایک

امریکی یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں۔ پروفیسر اقبال احمد ڈاکٹر ہود بھائی کے سسر بھی ہیں۔ ان کے علاوہ پروفیسر اے ایچ نیر بھی اس گروپ میں شامل ہیں جنھوں نے گزشتہ روز پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف ایک پریس کانفرنس منعقد کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حاضرین اور اخبار نویسوں نے ان کا جلسہ الٹ دیا۔ اس اینٹی پاکستان گروپ نے انٹرنیشنل ٹیلی فون اور فیکس بھی لگا رکھے ہیں اور ان کا رابطہ امریکہ سے ہر وقت قائم رہتا ہے۔

ہم حیران ہیں کہ یہ اینٹی پاکستان اور اینٹی اسلام گروپ قائداعظم کے نام پر قائم ہونے والی یونیورسٹی میں کیسے کام کر رہا ہے؟ کیا یونیورسٹی کو ان کے علاوہ دوسرے اساتذہ نہیں ملتے؟ مشرقی پاکستان میں بھی اسی قسم کے اساتذہ نے طلباء کو گمراہ کیا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہاں اسلامیات کی تعلیم دینے کے لیے بھی ہندو اساتذہ مقرر تھے۔ خدا جانے حکومت قائداعظم یونیورسٹی کے اساتذہ کا نوٹس کیوں نہیں لیتی؟ گورنمنٹ کالج لاہور میں بھی اسی قسم کا ایک گروہ کام کر رہا ہے جس نے پچھلے دنوں ایک بھارتی سکالر کو بلا کر پاکستان کو گالیاں دلوائی تھیں۔ اس کالج کی انتظامیہ نے اپنی انگریزی کی کتاب سے سوروں والا حصہ نکال دیا ہے لیکن جب تک ایسے لوگوں کو کالج سے باہر نہیں نکالا جاتا' وہ اپنی شرارتیں جاری رکھیں گے۔ ہم حکومت کو مشورہ دیں گے کہ وہ تعلیمی اداروں کو ناپاک جانوروں سے پاک کرے۔ کنوئیں سے بو کے نکالنے کا کیا فائدہ' جب تک وہاں سے کتا نہ نکالا جائے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۵ مئی ۹۸ء)

معروف شاعر محترم مظفر وارثی کا قطعہ

انڈو پاک پیپلز فورم...... (مظفر وارثی)

آ کر لگے جو تیر' بدن سے نکال دو
جو پھول سنگ زن ہو' چمن سے نکال دو

یہ کون ہیں' نہیں ہے حکومت کو کیا خبر
ننگ وطن گروہ' وطن سے نکال دو

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ مئی ۹۶ء)

قادیانیوں کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سلام کو اپنی خدمات کے عوض یقین تھا کہ نوبل انعام اس کا مقدر بن چکا ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ انہوں نے امریکہ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں اپنا کام پیش کیا۔ دوسرے دن انٹرنیشنل پریس میں تصویریں چھپیں' جس میں ڈاکٹر سلام اور Professor Oppenheimer جو کانفرنس میں صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے' سٹیج پر کھڑے ہیں۔ تصویر کا Caption تھا:

Salam is asking Prof. Oppenheimer: Give me my Noble Prize!

یاد رہے پروفیسر اوپن ہائمر ایک تھیوریٹیکل فزیسٹ تھے جو دوسری جنگ عظیم کے دوران ایٹم بم پراجیکٹ کے انچارج تھے۔ جس کا خفیہ نام مین ہٹن پراجیکٹ تھا۔

اسی تکبر و نخوت کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام کہتے ہیں کہ میں ارادتاً کانفرنسوں میں جاتا ہوں اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر سپیکرز کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہوں تاکہ وہ ہماری "خدمات" کا ذکر کرتے ہوئے میرا نام لینا نہ بھول جائیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک تین سال گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر رہے۔ اس دوران کالج کے پرنسپل کی طرف سے انہیں درخواست کی گئی کہ وہ باقی پروفیسرز کی طرح تدریس کے علاوہ کچھ غیر نصابی فرائض بھی سرانجام دیں۔ اس کے لیے انہیں تین Options دی گئیں۔ ہوسٹل وارڈن کے فرائض یا کالج اکاؤنٹس کے چیف Treasurer یا کالج فٹ بال ٹیم کے پریذیڈنٹ۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام نے تحریری طور پر پرنسپل کو مطلع کیا کہ وہ قانونی طور پر تدریس کے علاوہ (پورے دن میں ایک یا دو پیریڈ) کوئی ذمہ داری پوری کرنے کے پابند نہیں۔ ہاں اگر یہ ڈیوٹی ناگزیر ہے تو انہیں اس کی اضافی تنخواہ (Over time) ادا کی جائے۔ بصورت دیگر وہ یہ فرائض سرانجام دینے سے قاصر ہیں۔

یہ واقعہ ڈاکٹر عبدالسلام کو خودغرض' لالچی اور مفاد پرست ثابت کرتا ہے۔

دسمبر ۱۹۵۱ء کی چھٹیوں میں مشہور سائنس دان پروفیسر پاؤلی (Pauli) ٹاٹا انسٹیٹیوٹ بمبئے (بھارت) کی دعوت پر ہندوستان آئے۔ پروفیسر پاؤلی ۱۹۴۵ء کے نوبل انعام یافتہ تھے۔ ہندوستان کے ڈاکٹر بھابھا نے ڈاکٹر سلام کو دعوت نامہ بھیجا۔ ڈاکٹر صاحب غیر قانونی طور پر Ex-Pakistan Leave اور NOC کے بغیر ہندوستان چلے گئے۔ واپسی پر کالج نے ڈاکٹر صاحب سے ایک سرکاری ملازم کی حیثیت سے بغیر اجازت ہندوستان جانے پر وضاحت طلب کی تو قادیانیوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ آخرکار قادیانی وزیر خارجہ سر ظفراللہ کی سفارش پر ڈائریکٹر ایجوکیشن نے Without Pay Leave منظور کر کے اس دورہ کو قانونی متصور کرتے ہوئے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی جگہ کوئی اور غریب پروفیسر ہوتا تو اسے یقیناً اس قانون شکنی پر نوکری سے ہاتھ دھونا پڑتے۔

قارئین کے لیے یہ بات بھی دلچسپی کا باعث ہوگی کہ ڈاکٹر عبدالسلام جب گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھایا کرتے تھے تو طلبہ نے پرنسپل سے شکایت کی کہ انہیں پڑھانا نہیں آتا اور نہ ہی وہ پڑھانے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اس لیے ان کے لیے کسی نئے استاد کا بندوبست کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی سالانہ Confidential رپورٹ پر پرنسپل نے مندرجہ ذیل ریمارکس تحریر فرمائے:

Dr. Abdul Salam is not fit for Govt College Lahore. He may be researcher, but he is not a good college man.

یہ تاریخی ریمارکس آج بھی گورنمنٹ کالج کے ریکارڈ سے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ بعد میں پرنسپل کے ان ریمارکس پر وہ شرمندہ ہو کر گورنمنٹ کالج چھوڑ کر چلے گئے۔ جنہیں ہمارے نام نہاد دانشور کہتے ہیں کہ وہ پاکستان میں سائنس کے تاریک مستقبل کی بناء پر مایوس ہو کر برطانیہ چلے گئے تھے۔

جن دنوں ICTP کے قیام کی تجویز زیر غور تھی' پاکستان میں صدر ایوب کی حکومت تھی۔ ڈاکٹر سلام' صدر پاکستان کے ایڈوائزر تھے۔ جنرل ایوب' سلام صاحب کے مداح تھے

اور ان کا احترام کرتے تھے۔ ڈاکٹر سلام نے خواہش ظاہر کی کہ کیوں نہ یہ سنٹر پاکستان میں قائم ہو۔ چنانچہ انہوں نے حکومت وقت سے کہا کہ وہ بھی دوسرے ممالک کی طرح اس سنٹر کے قیام کے لیے پیشکش دیں۔ صدر ایوب نے وزارت خزانہ اور متعلقہ اداروں سے رائے طلب کی۔ متعلقہ اداروں نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان میں تھیوریٹیکل فزکس سینٹر کے قیام کے لیے نہیں بلکہ یہاں ایک انٹرنیشنل طرز کا ہوٹل قائم کرنا چاہتے ہیں' جہاں آ کر سائنس دان اپنی چھٹیاں گزار سکیں اور اس کی آڑ میں پاکستان میں سائنسی و ایٹمی پروگرام پر کڑی نظر رکھ سکیں۔ اس حساس رپورٹ کے بعد صدر ایوب بہت پریشان ہوئے اور ڈاکٹر عبدالسلام کو مشکوک قرار دے کر ان سے ملاقاتوں میں بے حد محتاط رہنے لگے۔

ایک اور واقعہ سنئے۔ جب ڈاکٹر سلام کو ۱۹۷۹ء کا مشترکہ نوبل انعام ملا تو مختلف ممالک سے انہیں اعزازات سے نوازنے کے لیے مدعو کیا جا رہا تھا۔ حکومت پاکستان نے بھی دعوت کا پیغام بھیجا۔ سلام صاحب نے جواب میں پاکستان میں سائنسی ترقی کے متعلق کچھ باتیں کہیں۔ اس سلسلہ میں سلام صاحب کی طرف سے کئی ایک پیغامات آئے۔ ایک پیغام اس وقت کے چیئرمین ایٹمی توانائی کمیشن منیر احمد صاحب کے لیے تھا جو ان دنوں حکومت پاکستان کی طرف سے تقریب کے انتظامات کروا رہے تھے۔ ڈاکٹر سلام نے کہا کہ منیر احمد خان سے کہیں کہ وہ حکومت پاکستان کو بتا دیں کہ مجھے ذاتی طور پر ان کے اعزاز اور میڈل کی کوئی بھوک نہیں۔ مجھے جس میڈل کی تمنا تھی' وہ مجھے مل گیا ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ پاکستان کی سائنسی ترقی کے لیے کوئی سنجیدہ اقدامات کرنے کے لیے تیار ہیں تو میں ضرور آؤں گا۔ انہوں نے یہ بھی خواہش کی کہ اعزاز کی تقریب "ربوہ" ضلع جھنگ میں ہو۔ قصہ مختصر ڈاکٹر سلام پاکستان آئے تو ان کی اور ان کے خاندان کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ قائداعظم یونیورسٹی کی طرف سے اعزازی ڈگری بھی دی گئی۔ ڈاکٹر سلام نے جنرل ضیاء الحق کو یہ پیشکش دی کہ میں اپنے نوبل انعام کی پوری رقم ۵۶۶ ہزار ڈالر وقف کرنے کو تیار ہوں جس سے پاکستانی طلباء بیرون ملک جا کر سائنس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے بشرطیکہ حکومت پاکستان بھی اس کام کے لیے دس لاکھ ڈالر اپنی طرف سے مختص کرے۔

جنرل ضیاء نے اصولی طور پر اتفاق کیا اور کہا کہ ڈاکٹر سلام کی تجویز قبول ہے مگر ہماری بھی ایک شرط ہے کہ بیرون ممالک جا کر سائنس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی سلیکشن خالصتاً بلا امتیاز مذہب میرٹ پر ہوگی۔ بغیر میرٹ کے کسی بھی طالب علم کو خواہ وہ قادیانی ہو یا آپ کی سفارش' باہر نہیں بھجوایا جائے گا جیساکہ ماضی میں بارہا ایسا ہوا کہ تمام شعبوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جانے والے طلبہ قادیانی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ (جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملک کے اعلیٰ کلیدی عہدوں پر فائز ہیں) جن کی سفارش سر ظفراللہ قادیانی وزیر خارجہ کرتے اور یوں مسلمان اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کی حق تلفی ہوتی۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام نے فوراً جنرل ضیاء الحق کے نام تار بھیجا کہ یہ تجویز مجھے منظور نہیں۔ اس صورت میں تو میں اپنی الگ فاؤنڈیشن قائم کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۹۸۶ء میں یونیسکو کے نئے ڈائریکٹر جنرل کا انتخاب ہونا تھا۔ ملک میں ایک مخصوص لابی نے ڈاکٹر عبدالسلام کا نام تجویز کیا۔ اٹلی کے وزیر خارجہ گیلیو اندروتے اور امریکی وزیر خارجہ جارج شلز کے علاوہ کئی اسلام دشمن ممالک بالخصوص روس' برطانیہ اور بھارت ان کی نامزدگی کے لیے بھرپور کوشش کرنے لگے۔ ان حکومتوں کا پرنٹ میڈیا ڈاکٹر سلام کی شان میں قصیدے پڑھنے اور ان کے قلابے آسماں سے ملانے لگا۔ ادھر حکومت پاکستان نے انہیں نامزد کرنے سے انکار کر دیا اور ان کی جگہ صاحبزادہ یعقوب علی خان (سابق وزیر خارجہ) کو نامزد کر دیا۔ چونکہ ڈاکٹر سلام اس پوزیشن کے لیے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترتے تھے اس لیے ڈاکٹر صاحب یہ انتخاب بری طرح ہار گئے۔ دوسری طرف ڈاکٹر عبدالسلام کی پاکستان کے خلاف زبردست لابنگ کے باعث ان کے حریف صاحبزادہ یعقوب علی خاں بھی انتخاب ہار گئے۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے اخبار نویسوں سے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "یہ پاکستان کی Missed Opportunities کی کہانی ہے"۔

پاکستان کے محب وطن حلقوں کے لیے یہ بات انتہائی تشویش کا باعث ہوگی کہ پاکستان کی بہت بڑی علمی درس گاہ "گورنمنٹ کالج لاہور" اس وقت کلی طور پر قادیانیوں کے نرغے میں آچکی ہے۔ اس عظیم درس گاہ کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت سیکولر اور

لادین بنا جا رہا ہے۔ اس کے سلیبس میں شامل تمام اسلامی مضامین کو خارج کر دیا گیا ہے۔ اسلام اور پاکستان کی مخالفت پر مبنی مضامین کے علاوہ انتہائی غیر اخلاقی اور قابل اعتراض تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ تسلیمہ نسرین اور سلمان رشدی کی دل آزار تحریروں کو "آزادی اظہار" کا حق قرار دیا جا رہا ہے۔ کلاس روم اور میٹنگز میں تلاوت ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ پروفیسر حضرات کی طرف سے شعائر اسلامی کا سرعام مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ سیکس کو ذاتی مسئلہ قرار دے کر اس پر بحث کی جاتی ہے۔ کالج کا مجموعی ماحول غیر سنجیدہ اور مادر پدر آزاد ہوتا جا رہا ہے۔ قادیانی لابی اس سلسلہ میں پیش پیش ہے۔ کلج میگزین "راوی" کے مضامین میں ڈاکٹر عبدالسلام کو نہ صرف مسلمان (یہ آئین و قانون کی صریحاً خلاف ورزی ہے) بلکہ عالم اسلام کا نجات دہندہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اہل علم و دانش کے لیے یہ صورت حال قابل تشویش ہے۔

خود قادیانیوں کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام دنیا کے پہلے شخص تھے جنہوں نے آئن سٹائن کے خواب کی تعبیر کے حصول کے لیے عملی قدم اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے یونیسکو (UNESCO) نے ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر سلام کو ان کی "خدمات" کے ضمن میں "آئن سٹائن میڈل" سے نوازا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی "مخصوص خدمات" کے پیش نظر روس کی ایک سائنس اکیڈمی نے ۱۹۸۳ء میں انہیں "لومونسو گولڈ میڈل" (Lomonseve Gold Medal) دیا۔

صدر محمد ضیاء الحق سے لاکھ اختلافات کے باوجود کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ موصوف پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے محافظ اور نہایت محب وطن انسان تھے۔ ان کے دور میں پاکستان دفاعی لحاظ سے بہت زیادہ مستحکم ہوا۔ یہ ضیاء الحق ہی تھے کہ جن کے تدبر اور آہنی عزم و ہمت سے روس جیسی سپرپاور کو افغانستان میں بدترین شکست ہوئی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ صدر ضیاء الحق پاکستان کو ناقابل تسخیر بنانا چاہتے تھے۔ جس کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ کہوٹہ ایٹمی سنٹر کے ساتھ ان کی والہانہ توجہ اور دلچسپی تھی۔

معروف دانشور ڈاکٹر وحید عشرت لکھتے ہیں:

"مشہور قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام نے بھی پاکستان دشمنی میں پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کے راز حکومت امریکہ کو پہنچائے جس پر جنرل ضیاء نے کہا کہ "اس کتیا کے بچے کو کبھی میرے سامنے نہ لانا' یہ امریکہ' برطانیہ اور یہودیوں کا گماشتہ ہے اور اسی لیے اسے نوبل انعام دیا گیا"۔

(روزنامہ "امت" کراچی' ۸ جنوری ۱۹۹۸ء)

جن دنوں ڈاکٹر عبدالسلام پنجاب یونیورسٹی میں پڑھایا کرتے تھے' انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے یہاں فزکس ڈیپارٹمنٹ میں ایک "ریسرچ سنٹر" قائم کرنے کی درخواست کی۔ وائس چانسلر نے محکمہ تعلیم اور حکومت کے بااختیار افسران سے مشورہ کیا اور ڈاکٹر صاحب کی تجویز ان کے سامنے رکھی۔ حکومت نے ڈاکٹر عبدالسلام کو اس سنٹر کے اخراجات اور ریسرچ کے سلسلے میں ایک تفصیلی فریم ورک تیار کرنے کو کہا۔ ڈاکٹر سلام نے اس ریسرچ سنٹر کا فریم ورک تیار کر کے وائس چانسلر کو پیش کیا۔ کچھ عرصہ بعد حکومت کی طرف سے اس کی منظوری دے دی گئی اور ابتدائی طور پر رقم بھی فراہم کر دی گئی۔ لیکن بعد میں ڈاکٹر عبدالسلام نے اچانک ایک نئی شرط عائد کر دی کہ اس ریسرچ سنٹر میں دنیا کے مختلف ممالک سے یہودی ماہرین اور سائنس دان بھی ریسرچ کے لیے آسکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی اس خواہش پر محبان وطن چونک پڑے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس مطالبہ کی حمایت میں پنجاب یونیورسٹی میں سیکولر اور قادیانی لابی بھی کھل کر سامنے آگئی اور انہوں نے بھی اس کا مطالبہ کر دیا۔ حساس اداروں نے اسے سیکورٹی رسک قرار دیا جس پر حکومت نے اس ریسرچ سنٹر میں یہودیوں کی آمد پر پابندی عائد کر دی اور یوں ڈاکٹر صاحب کا ایک دیرینہ خواب پورا نہ ہوسکا۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام دل برداشتہ ہو کر پنجاب یونیورسٹی سے استعفیٰ دے کر بیرون ملک چلے گئے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے نام نہاد دانشور اس واقعہ سے مبینہ چشم پوشی کر کے کہتے ہیں کہ پاکستانی قوم نے اپنے اس "ہیرو" کی قدر نہیں کی اور وہ "وطن میں اجنبی" رہا۔ اب اس کھلی حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ قادیانیوں کے یہودیوں سے براہ راست مراسم ہیں جو اسلام اور پاکستان کے استحکام کے خلاف استعمال ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے قادیانیوں کے

بارے میں تاریخی جملہ فرمایا تھا کہ:

"قادیانیت' یہودیت کا چربہ ہے۔"

اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے نام اپنے ایک تاریخی خط میں فرمایا تھا کہ:

"قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔"

ڈاکٹر عبدالسلام برصغیر کے دوسرے سائنس دان ہیں جنہیں نوبل انعام ملا۔ اس سے بیشتر یہ انعام فزکس میں بھارت کے ہندو پروفیسر سی وی رمن کو مل چکا ہے۔ وہ اکثر اس بات پر فخر کرتے کہ ہرگوبند کھورانہ جنہیں علم وراثت (GENETICS) میں 1976ء میں نوبل انعام ملا تھا' وہ ملتان کے قریب پیدا ہوئے تھے اور میں (ڈاکٹر عبدالسلام) جھنگ میں پیدا ہوا۔ اس لحاظ سے برصغیر کے معاملے میں جھنگ اور ملتان کو سب سے زیادہ انعامات اور اعزازات حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ آخر دم تک پاکستان دشمن ممالک کے آلہ کار کے طور پر کام کرتے رہے۔ اسی لئے وہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے ایٹم بم کے حوالہ سے شدید نفرت کرتے تھے جبکہ اس کے مقابلہ میں وہ بھارت کے مشہور سائنس دان "ڈاکٹر سوامی ناتھن" اور بھارت کے ایٹمی انرجی کمیشن کے سربراہ "بھابھا" کی تعریف کرتے اور انہیں "فخر انڈیا" قرار دیتے۔ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ "میں ان دونوں شخصیات کے نظریات کی پیروی کر رہا ہوں اور میرا بھی وہی نظریہ ہے جو ان دونوں شخصیات کا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ وہ (بقول ڈاکٹر عبدالسلام) جب کبھی بھارت گئے' بمبئی' دہلی' کلکتہ' امرتسر' حیدر آباد' مدراس' بھونیشور اور بنگلور کے لوگوں نے ان کی آمد کی خوشی میں اس طرح جشن منایا گویا پورے برصغیر کا جشن ہو' عوام ان کی آمد پر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل بالخصوص "ٹائمز آف انڈیا" اور "السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا" ان کی آمد پر خصوصی ضمیمہ جات شائع کرتے۔ جنوری 81ء کے دورہ بھارت کے موقع پر ٹائمز آف انڈیا نے انہیں "

رستم ہند" کا خطاب دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ برائے بنیادی تحقیق بمبئی اور انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی نئی دہلی کے باقاعدہ رکن رہے۔ انہیں مختلف موقع پر گورونانک یونیورسٹی امرتسر اور ہندو یونیورسٹی بنارس نے ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ اس کے علاوہ کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں "سردیو پرشاد سروادھیکاری" گولڈ میڈل دیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام اپنے اعزاز میں منعقدہ ہر تقریب میں اپنی کامیابی کا سہرا اپنی جماعت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی اور اپنے ہندو اساتذہ ایشا کمار (چندی گڑھ)' لالہ ہنس راج بھاٹلہ (دہلی) پروفیسر اے این گنگولی (کلکتہ) اور پی ٹی چندی (بنگلور) کے سر باندھتے۔"

(ڈاکٹر عبدالسلام شخصیت اور کارنامے ص 146 از احمد سلیم)

جنوری 1981ء میں اپنے دورہ بھارت کے متعلق ڈاکٹر عبدالسلام نے ایک سوال کے جواب میں کہا:

سوال: ہندوستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے متعلق ایک مرتبہ سینیٹر مونی ہن (Senator Monihan) نے کہا تھا کہ 2000 تک ہندوستان ایک زبردست طاقت کا مالک بن جائے گا۔ آپ کو ان کی رائے سے کہاں تک اتفاق ہے؟

جواب: اس دورے کے دوران مجھے ہر چیز بڑے ناز اور فخر سے دکھائی گئی جس میں خاص طور پر بھابھا تحقیق کا مرکز' حیدر آباد کا نیوکلیائی ایندھن تیار کرنے کا پلانٹ' بنگلور کا مصنوعی سیارہ تیار کرنے کا اسٹیشن اور 140 Mv کا تغیرپذیر توانائی سائیکلو ٹران (Variable Energy Cyclotron) شامل ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ خصوصیت کا حامل مصنوعی سیارہ کا مرکز ہے۔ جہاں مجھے بتلایا گیا ہے کہ بیس سالہ جاپانی تجربے کو صرف چھ سال میں اپنا کر چار مصنوعی سیارے تیز تر برق رسانی اور مواصلاتی نظام کو کنٹرول کرنے اور موسم کی پیش گوئی کرنے کے لئے از خود تیار کئے ہیں۔ اس مرکز میں 600 سائنس دان کام کر رہے ہیں۔ جس کا سالانہ بجٹ چودہ کروڑ روپے ہے جو کچھ مجھے دکھلایا' وہ بے شک ایک اونچے معیار اور اعلیٰ

درجے کا تکنیکی کارنامہ ہے' جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جو چیز بھی اس میں استعمال ہوئی ہے' اندرون ملک تیار کی گئی ہے۔

بہرحال جہاں تک ہندوستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا تعلق ہے' یہ کلمات وہاں میں نے بڑے فخر کے ساتھ کہے کہ اب ہندوستان کا شمار سائنسی نقطہ نگاہ سے دنیا کی تین بڑی طاقتوں میں ہونے لگا ہے۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے بلاتامل میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مونی ہن نے جو پیش گوئی کی تھی' وہ بالکل درست ثابت ہو رہی ہے۔ آپ دونوں ملکوں کے موازنے کی بات کر رہے ہیں تو ہندوستان کے دورے کے بعد اور وہاں ترقی دیکھنے کے بعد میرا خیال ہے کہ سائنسی نقشہ پر ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان کا وجود' نہیں کے برابر ہے اور پھر بھی پاکستانی حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

ہندوستان نے عالمی سائنسی کلب میں شرکت کرلی ہے' جبکہ پاکستان کا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ پاکستان سے سائنس داں اور سائنسی انتظامیہ کے کچھ عہدیداران کا ایک وفد ہندوستان جائے اور وہاں دیکھے کہ وہ کیسے اور کیا کر رہے ہیں؟ اس طرح انہیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔"

(ڈاکٹر عبدالسلام شخصیت اور کارنامے ص 149-148 از احمد سلیم)

ڈاکٹر عبدالسلام ایک سازش کے تحت پاکستانی سائنس دانوں کو ایسا قبیح مشورہ دے رہے تھے ورنہ انہیں بھی معلوم تھا کہ مشہور صحافی جناب محمد مسعود اظہر 26 جنوری 1994ء کو کشمیر کے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے باقاعدہ بھارتی سفارت خانہ سے ویزا حاصل کرکے ایک صحافی کی حیثیت سے پاکستان سے دہلی اور وہاں سے سری نگر پہنچے مگر 10 فروری 1994ء کو بھارت نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہ صرف انہیں بلا جواز گرفتار کرلیا بلکہ انہیں شدید ترین تشدد کا نشانہ بھی بنایا۔ انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں سمیت تمام بھارتی اور مغربی میڈیا اس پر اب تک مجرمانہ خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے۔ ان حالات میں پاکستان کے محب وطن اور انتہائی قیمتی ایٹمی سائنس دانوں کو دورہ بھارت کے دوران زندگی کی کیا ضمانت دی جاسکتی ہے؟ یہی کہ انہیں ڈاکٹر عبدالسلام کے اشارہ

پر گرفتار کرلیا جائے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ بھارت کے رحم و کرم پر اپنی زندگی بھارتی زندانوں میں گزار دیں۔

ایک موقع پر ڈاکٹر عبدالسلام نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ
"پاکستان کے پاس اسپرین بنانے کی بھی ٹیکنالوجی نہیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت کراچی 11 ستمبر 1987ء)

ڈاکٹر صاحب سے پوچھا جاسکتا تھا کہ اس سلسلہ میں آپ نے ہماری کیا خدمت کی؟ ڈاکٹر صاحب ایسے بیانات صرف اور صرف ہماری تضحیک اور زخموں پر نمک چھڑکنے کے لئے جاری کرتے تھے ورنہ اگر انہیں پاکستان سے ذرا سی بھی محبت ہوتی تو وہ اس کی ترقی کے لئے ضرور کوئی کارنامہ سرانجام دیتے لیکن انہیں تو صرف ایک ہی غم کھائے جارہا تھا کہ پاکستان میں قادیانیت کا پودا کیوں نہیں پھل پھول رہا؟

ایک اور موقع پر انہوں نے پاکستان کے سائنس دانوں کی صلاحیتوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ

"بھارت میں سائنس دان کم تنخواہوں اور مشاہروں پر زیادہ بہتر تحقیقاتی کام کر رہے ہیں۔"

(روزنامہ جنگ لاہور 23 جون 1988ء)

اس سلسلہ میں بھی ڈاکٹر صاحب سے پوچھا جاسکتا تھا کہ ان کے اس بیان کا کیا مقصد ہے؟ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مندرجہ بالا بیان قادیانیوں کی بھارت دوستی اور بھارت نوازی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حالانکہ ہمارے سائنس دانوں نے جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی سرپرستی میں ایسا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا کہ جس کی بنا پر پاکستان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفاعی لحاظ سے محفوظ ہوگیا۔

عبدالجبار مرزا اپنی زیر طبع کتاب "چھوٹے لوگ" میں لکھتے ہیں۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خان 27 اپریل 1996ء کو بحمداللہ ساٹھ سال کے ہوچکے ہیں۔ ہمارے ہاں صرف جسٹس صاحبان کی عمر کی حد 65 سال مقرر ہے جبکہ دوسری ملازمتوں میں ساٹھ سال ہے' اس طرح سابقہ حکومت کی سربراہ بے نظیر بھٹو نے

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی مدت ملازمت میں تین سال کی توسیع فرمادی تھی۔ 31 دسمبر 1995ء کے نوٹیفکیشن کے مطابق اب ڈاکٹر اے کیو خان کو یکم اپریل 1999ء تک کہوٹہ ایٹمی سنٹر میں آنے کی "اجازت" ہوگی حالانکہ جو ادارہ جس شخصیت کے نام منسوب کر دیا جائے تو وہ شخص تاحیات اس ادارے کا سربراہ قرار پاتا ہے اسے Extension کے طوق کی محتاجی نہیں رہتی۔ ممتاز صحافی اور میرے دیرینہ ساتھی جناب یونس خلش جنہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا پہلا باقاعدہ انٹرویو کرنے کا اعزاز حاصل ہے' وہ اپنی کتاب "ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور کہوٹہ ایٹمی سنٹر" میں ڈاکٹر خان کو دیئے گئے "جسٹس حمود الرحمان گولڈ میڈل" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "گولڈ میڈل تو کیا نوبل پرائز بھی ان کے جاوداں کارناموں اور خدمات کا متحمل نہیں ہو سکتا' اہل وطن کی نگاہیں ہر وقت ان کے لئے فرش راہ رہتی ہیں' یہ افتخار بانی پاکستان کے بعد اگر کسی شخص کے حصے میں آیا تو وہ فقط ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہیں۔"

ایک ایسا شخص جو 1976ء میں 30,000 روپے ماہوار کی نوکری چھوڑ کر تین ہزار روپے مشاہرے پر پاکستان میں کام کرنے کو ترجیح دے' اس کے نزدیک روپے پیسے کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ کیا ڈاکٹر اے کیو خان پاکستان میں ملازمت کے حصول کے لئے آئے تھے؟ وہ جنہیں یورپ اور امریکہ ہاتھوں ہاتھ لینے کے انتظار میں دیوانے ہوئے جاتے ہیں' اسے Extension کی کیا ضرورت تھی' بے نظیر حکومت نے تین سال تک ملازمت میں توسیع دے کر خیال کیا کرتی تھی کہ انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے احسانات کا حساب بے باک کر دیا ہے۔ بیگم ہینی خان کیا سوچتی ہوں گی' یہ کس قسم کے احسان فراموش لوگ ہیں' جو محسنوں کو محتاج بنا دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ آج ہندو بنیا پاکستان کی طرف دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا' اور اس وقت ان کی حالت اور بھی عبرت ناک تھی جب 23 اگست 1994ء کو اعلان نیلا بٹ ہوا تھا۔ اس وقت کے بھارتی وزیراعظم نرسیماراؤ کو اپنے ممبران اسمبلی کو خاص طور پر کہنا پڑا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر عوام کی ڈھارس بندھائیں کیونکہ وہ اسلامی بم سے بہت خوفزدہ ہو چکے ہیں۔"

ڈاکٹر خان نے سات آٹھ سال کی قلیل مدت اور کم لاگت سے وہ کچھ کر

دکھایا جو امریکہ جیسا ترقی یافتہ ملک 20 سال میں بھی نہیں کرسکا تھا۔ ڈاکٹر خان کی ہمارے لئے خدمات کیا ہیں اور ہمارا رویہ کیسا ہے؟ یہ سوال پوری قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری نے تو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ایوان صدر بلوا کر بڑے ہی ترنگ میں کہا کہ "ہم نے آپ کو تین سال کی Extension تجویز کی ہے لیکن ڈاکٹر خان نے تو کبھی نہیں کہا کہ ہم نے آپ کو عالم میں معتبر کیا ہے۔ ڈاکٹر خان اس "اسلامی" بم کا کریڈٹ کبھی تنہا قبول نہیں کرتے' وہ اکثر کہا کرتے ہیں کہ "میری کامیابی میں میرے ساتھیوں کی محنت بھی شامل ہے اور وہ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ کہوٹہ ایٹمی سنٹر میں کام کرنے والا ہر سائنس دان ڈاکٹر اے کیو خان ہے۔

بے نظیر کابینہ کی وہ میٹنگ اس سے بھی زیادہ افسوسناک تھی جس میں ڈاکٹر خان کی ملازمت میں توسیع دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ کابینہ کے اس مخصوص اجلاس کے دوران مختلف آراء سامنے آئی تھیں۔ ایک وزیر صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی اب کوئی خاص ضرورت تو ہے نہیں' پھر کیوں نہ کسی دوسرے کو موقع دیا جائے' ان کے دوسرے ہم منصب نے فرمایا کہ تین سال کی Extension کوئی ضروری نہیں ہے' اگر بہت ہی مجبوری ہے تو پھر انہیں بھی موجودہ اسمبلی کی معیاد 1998ء تک' ملازمت میں توسیع دے دی جائے' اس کے بعد جو بھی حکومت آئے وہ خود فیصلہ کرلے۔ لیکن بے نظیر بھٹو نے کہا کہ اگر ہم نے ڈاکٹر اے کیو خان کو Extension نہ دی تو عوام میں اس کا منفی ردعمل ہوگا۔ جہاں تک ہماری اسمبلی کا تعلق ہے تو اکتوبر 1998ء سے اپریل 1999ء تک چھ ماہ کا ہی تو فرق ہے' یوں پھر بادل نخواستہ ڈاکٹر خان کو "بے روزگار" ہونے سے تین سال کے لئے بچا لیا گیا۔ بھلا اس سے بہتر اور آبرو مندانہ طریقہ ڈاکٹر صاحب کی خدمات کے اعتراف کا اور کیا ہوگا؟

کہر سی شہر وفا پر چھا گئی مرزا مگر
تم ہو ایسے بے خبر جیسے ہوا کچھ بھی نہیں

حال ہی میں 23 مارچ کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو تمغہ پیش کیا گیا جس پر

تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے کہا تھا کہ یہ تمغہ میری عمر بھر کی کمائی ہے۔ وہ عبدالقدیر خان جو اس ایک تمغہ کو اپنی عمر بھر کی کمائی سے تعبیر کر رہے ہیں' انہیں اگر کہوٹہ ایٹمی سنٹر کا تاحیات سربراہ بنا دیا جاتا تو یقیناً انہیں عمر بھر کا سکون میسر آجاتا کہ ان کی خدمات کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔"

ڈاکٹر عبدالسلام نے 1964ء میں اٹلی کے شہر "ترییتے" میں آئی سی ٹی پی کے نام سے "انٹرنیشنل سنٹر فار تھیورٹیکل فزکس" (بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ برائے نظریاتی طبیعات) قائم کیا جس کے وہ پہلے سربراہ اور ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ڈپٹی ڈائریکٹر اٹلی کے پروفیسر پاؤلی بودینی مقرر ہوئے اور ان کے معاون بلجیئم کے ڈاکٹر اینڈ رے ھندے ہیں۔ اس ادارے کے تمام تر اخراجات حکومت اٹلی برداشت کرتی ہے جس نے مرکز کی عمارت کی تعمیر میں بھی مالی امداد کی جو تقریباً دو ملین ڈالر ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی اور یونیسکو میں سے ہر ایک نے ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر دیئے ہیں۔ بقیہ رقم کا انتظام کرنے والوں میں دو یہودی ادارے سویڈیش بین الاقوامی ترقیاتی اتھارٹی اور فورڈ فاؤنڈیشن اہم ہیں۔ 1962ء میں بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کی جنرل کانفرنس نے اس مرکز کے قیام کی منظور دی۔ بقول پروفیسر سلام "یہ میری زندگی کا یادگار دن تھا۔ میں تمباکو کا استعمال کم کرتا ہوں لیکن اس دن میں نے تقریباً 50 سگریٹ پئے۔"

اس سنٹر میں ایک لمبی راہداری جو پروفیسر سلام کے دوسری منزل پر واقع کمرے تک لے جاتی ہے' مرکز کے روحانی سرپرستوں آئن شائن' نیلسن بور' اوپن ہائمر' ورنر ہائزن برگ' وولف گینگ پالی اور لوئی دی برولر وغیرہ کی تصاویر سے آراستہ ہے اور ان سب کے درمیان قادیانی جماعت کے سربراہ آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی قد آور تصویر آویزاں ہے جو ڈاکٹر عبدالسلام نے خصوصی طور پر بنوائی۔

حال ہی میں ڈاکٹر عبدالسلام کی کتاب "Ideals and Realities" کا اردو ترجمہ "ارمان اور حقیقت" کے عنوان سے شہزاد احمد نے کیا

شہزاد احمد کو اس "خدمت" کے صلے میں پاکستان کی گولڈن

جوبلی کے موقع پر 14 اگست 1997ء کو صدر مملکت فاروق احمد خان لغاری نے تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا۔ معروف کالم نگار جناب نذیر ناجی نے اپنے ایک کالم میں لکھا کہ شہزاد احمد کا نام 1997ء کی فہرست میں شامل نہیں تھا' انہوں نے اپنے قلم سے اس فہرست میں شہزاد احمد کا نام لکھ دیا۔ شہزاد احمد جس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں' اس کا ضمیر ہی گستاخی اور غداری سے اٹھا ہے۔ شہزاد احمد کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ ہمارے ہاں کس قبیل کے لوگ دانشور کہلوا کر حکومت کی نظروں میں سرخرو ہو کر انعام حاصل کرتے ہیں۔ شہزاد احمد کا شعر ہے

جس قدر جلدی ہو اس کچے مکان سے کوچ کر
ابر کو مولا کی رحمت کا پیامی مت سمجھ

معروف ادیب جناب انور سدید اپنے کالم "گفت نی" میں لکھتے ہیں۔

"دو ایوارڈ یافتگان یعنی محمد صفدر میر اور شوکت صدیقی پکے اشتراکیت پسند صحافی اور کمیونسٹ ادیب ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک پر سرکاری پابندی لگائے جانے کے بعد بھی خود کو ترقی پسند نظریے کا ادیب شمار کرتے ہیں۔ وہ پاکستان کی نظریاتی اساس سے کبھی متفق نہیں ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ سوویت یونین کے انہدام کے بعد بھی وہ ملک میں سرخ انقلاب لانے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ نذیر ناجی اس قسم کے ادیبوں کو ایوارڈ دلانے پر فخر کا اظہار کر رہے ہیں' جن کی سیاسی سرگرمیاں اور وابستگیاں ہمیشہ ان عناصر کے ساتھ رہیں' جو تحریک و تخلیق پاکستان سے متفق نہیں تھے یا جو نذیر ناجی کی طرح سابقہ پیپلز پارٹی کے حامی تھے۔ حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے ایوارڈ کے قابل نہیں سمجھا' وہ مسلم لیگ حکومت میں نذیر ناجی کے منظور نظر قرار پا گئے ہیں۔"

(روزنامہ خبریں لاہور 28 اگست 1997ء)

حال ہی میں قادیانی جماعت نے ڈاکٹر عبدالسلام کی وفات پر مختلف اخبارات وجرائد میں شائع ہونے والے کالم اور مضامین کو اکٹھا کر کے "النداء" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ قادیانی جماعت کے آرگن ہفت روزہ "لاہور" نے اپنی اشاعت 4 اکتوبر 1997ء میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

"یہ تمام مقالات' اداریئے اور تبصرے تصدیق ہیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی) کے اس ارشاد کی کہ

"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے فرقے کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور اپنے نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمے سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا۔"

یہ اقتباس ڈاکٹر عبدالسلام کی بے جا تعریف و ستائش کرنے' اسے ہیرو بنانے اور اس کی پاکستان دشمنی سے مبینہ طور پر چشم پوشی کرنے والے نام نہاد دانشوروں بالخصوص الطاف گوہر' سعید احمد' میاں ظفیر احمد' عبدالعزیز خالد' اصغر علی گھرال' مسعود حسن' قاضی جاوید' اردشیر کاؤس جی' پرویز ہود بھائی' ڈاکٹر انیس عالم' زاہدہ حنا' افضل توصیف' ڈاکٹر منیر احمد خان' احمد ندیم قاسمی' مستنصر حسین تارڑ' ڈاکٹر مجاہد کامران' ڈاکٹر عقیلہ اسلام' ڈاکٹر نصیر احمد خاں' شیر افضل جعفری' ڈاکٹر اجمل نیازی' جی ایم پراچہ' آل احمد سرور' راغب مراد آبادی' پروفیسر اسرار احمد اور محمد خلیل کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ ہے۔ میرے خیال میں ان سب کو دینی و ملی غیرت و حمیت کے پیش نظر چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیے۔

اپنے خنجر سے کرو گے خودکشی
ہاں یہی انجام ہے تمہارا یہی

غدار پاکستان

نوبل پرائز اور ڈاکٹر عبدالسلام

شفیق مرزا

سویڈن کے الفرڈ نوبیل نے ڈائنا مائٹ کی ایجاد پر انعام پایا تو اس نے دنیا بھر میں علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں غیر معمولی دستگاہ کا مظاہرہ کرنے والوں اور ہر آن ترقی پذیر سائنسز میں اہل علم کی لگن بڑھانے کے لیے انہیں خطیر انعامات سے نوازنے کی خاطر ایک ٹرسٹ قائم کر دیا جس سے مختلف علوم میں مہارت پیدا کرنے والے ممتاز افراد کو نوبیل پرائز دینے کی روایت آج تک چلی آ رہی ہے۔ ابتداء میں، تو یہ انعام اکثر و بیشتر اہل افراد ہی کو ملتا رہا لیکن جوں جوں دنیا میں امریکی سامراج اور اس کے حواریوں کا مادی و عسکری تسلط نمایاں ہوتا گیا تو انہوں نے اسی رفتار سے نہایت ہی اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے قائم کردہ اس انعام کو بھی اپنے مخصوص اہداف کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

جوزف براڈسکی، کینسر وارڈ کے خالق سولزے نتسن اور سخاروف، اگرچہ اپنے اپنے علمی و فکری میدانوں میں یگانہ روزگار افراد تھے لیکن امریکہ نے انہیں نوبیل پرائز صرف اس وجہ سے دلوایا کہ یہ لوگ اشتراکی نظام کے باغی، اس کی جبریت سے نالاں اور اس کے کھلے مخالف تھے اور یوں وہ نوبیل پرائز کو سرد جنگ کے عہد میں اپنے روایتی حریف کے خلاف بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے استعمال کرتا رہا۔ پھر کئی مقامات ایسے بھی آئے کہ اس سرخاب کا پر ایسے لوگوں کی کلاہ میں بھی لگا دیا گیا جنھوں نے خود اس بات پر حیرانی کا اظہار کیا کہ انہیں یہ انعام کیسے اور کیوں کر مل گیا؟ دو سال پہلے جس جاپانی سائنس دان کو یہ انعام دیا گیا، اس نے برملا یہ کہا کہ "میں خود اس بات پر ششدر رہ گیا ہوں" ایک سے زائد مرتبہ کمیٹی کے کئی ارکان نے محض اس بنا پر کمیٹی کی بنیادی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا کہ نوبیل انعام کی مخصوص مصلحتوں کے پیش نظر کسی غلط فرد کو منتخب کرلیا گیا تھا اور پھر نوبیل

پرائز کو "اناں ونڈے ریوڑیاں مڑمڑ اپنیاں نوں" کی یہ صورت حال اس قدر الم نشرح ہوئی کہ ادیب ژاں پال سارتر کو اس "اعزاز" کے لیے منتخب کیا گیا تو اس نے اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ کئی مرتبہ یہ انعام مرجانے والے سائنس دانوں کو ان کی موت کے بھی کئی کئی سال بعد دیا گیا۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر عبدالسلام کو دیئے جانے والے نوبیل پرائز کو دیکھا جائے تو اس کی اصل حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں قادیانی امت کے غیر مسلم اقلیت پانے سے ملت اسلامیہ میں ان کی نقب لگانے کی پوزیشن بری طرح متاثر ہوچکی تھی اور وہ کسی بھی اسلامی ملک میں امریکی مفادات کے لیے موثر طریقے سے کام کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے تھے۔ کیونکہ انہیں ہر جگہ سامراجی گماشتہ اور جاسوس کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ مگر امریکہ تاج برطانیہ کے ان پرانے وفاداروں اور گماشتوں کو اس حالت میں چھوڑنا پسند نہیں کرتا تھا' اس لیے اس نے چند ہی سال کے اندر اندر پہلے تو یہودی اثر و رسوخ کے تحت چلنے والے ممتاز سائنسی و اکتشافاتی اخبارات و جرائد میں ڈاکٹر عبدالسلام کے حق میں کئی سال تک بڑی زور دار اور موثر مہم چلائی اور پھر بالاخر نوبیل پرائز کا تمغہ ان کی چھاتی پر سجا دیا حالانکہ وہ اپنے ایک ریڈیو انٹرویو میں خود اس بات کو تسلیم کرچکے تھے کہ انہوں نے طبعیات میں میکسول اور اس کے ساتھیوں کے اکتشافات کو ہی آگے بڑھایا ہے اور اس شعبہ میں کوئی بڑا معرکہ انجام نہیں دیا مگر ہمارے نام نہاد مغرب زدہ دانشور ہر روز نئے انداز اور نئے زاویوں سے ڈاکٹر عبدالسلام کے نا.بغہ روزگار ہونے کے قصیدے لکھ رہے ہیں حالانکہ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ جب اٹامک انرجی کمیشن آف پاکستان کے ایک انتہائی اہم عہدہ دار اپنے وفد کے ہمراہ امریکہ گئے تو سی آئی اے نے انہیں پاکستان کی ایٹمی تیاریوں کے بارے ایک ایسی دستاویزی فلم دکھائی کہ وہ خود اس پر چونک کر رہ گئے کہ یہ ساری تفصیلات کسی واقف حال کے علاوہ کوئی دوسرا کسی بھی صورت میں فراہم نہیں کرسکتا تھا۔ انہی صاحب کا یہ بیان بھی موجود ہے کہ امریکہ کو یہ ساری تفصیلات اور نقشے ڈاکٹر عبدالسلام نے مہیا کئے تھے' ڈاکٹر عبدالسلام نے کہوٹہ اور اٹلی دونوں مقامات پر قادیانیوں کو اہم مناصب پر فائز کرنے اور کھپانے کے لیے کام کیا اور ایک مشہور قادیانی مبلغ کے بیٹے کو کہوٹہ پلانٹ کی ملازمت سے اس الزام میں سبکدوش کیا گیا کہ وہ ایک غیر ملک کے لیے جاسوسی کر رہا تھا مگر ابھی بے شمار قادیانی حساس

عہدوں پر تقیہ کرکے قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ حکومت پاکستان کو گہری چھان بین کرکے حساس مقامات کے اندر گھسے ہوئے ان منافق قادیانیوں کو تلاش کرکے نکال باہر کرنا ہوگا کیونکہ وہ ہر جگہ "لارنس آف عربیہ" کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبیل انعام دیئے جانے پر عالمی شہرت یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہا تھا کہ "ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز اس لیے دیا گیا ہے کہ ایک مخصوص لابی سے ان سے روابط ہیں۔" اب یہ تو کوئی راز نہیں کہ نوبیل پرائز علمی تحقیقات پر کم اور سیاسی رشوت کے طور پر زیادہ دیا جاتا ہے۔ ولیم گولڈنگ کو نوبیل پرائز سے نوازنے پر ممبران کمیٹی نے جس انداز میں استعفے دیئے تھے' وہ اس کا تازہ ترین ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ہو یا کوئی اور قادیانی' وہ اپنی مخصوص برین واشنگ کی وجہ سے ہمیشہ اسلام اور قادیانیت میں سے کسی ایک کا ساتھ دینے کے مرحلہ پر' قادیانیت ہی کا ساتھ دے گا اور اب تو قادیانی جماعت کا سربراہ مرزا طاہر احمد ڈش انٹینا کے ذریعے پاکستان کا آئین نہ ٹوٹنے کی صورت میں نعوذ باللہ ملک کے ٹوٹ جانے کے نعرے بھی بلند کر رہا ہے۔ پیشگوئیوں کے لبادے میں لپٹی ہوئی ان سازشوں سے پاکستان کو ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کو چوکس و خبردار رہنا ہوگا کیونکہ مشرق وسطیٰ کے قلب میں اگر اسرائیل' امریکہ عسکری اڈہ ہے تو "ربوہ" پاکستان میں امریکہ اور اسرائیل کے مفادات کا فکری مرکز ہے اور ڈاکٹر عبدالسلام اینڈ کمپنی اسی مشن کے لیے کام کرتی رہی ہے اور یہی علت غائی ہے اس کے اس "اعزاز" کی' ورنہ یہ پاکستان ہی نہیں' دنیا بھر کے مایہ ناز سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں' پروفیسر ڈاکٹر قادر حسین' اور ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کو ملتا۔ مگر یہ ان کو کبھی نہیں ملے گا کیونکہ ان کا یہی جرم ان کو اس سے محروم رکھنے کے لیے کافی ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور عالم اسلام کے خلاف یہودی اور امریکی سازشوں سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اس ضمن میں انہیں کسی طرح جل دینا ممکن نہیں۔

غـدار پاکستان

ڈاکٹر عبدالسلام
پاکستان دشمن قوتوں کی شخصی یادگار

علامہ ابو ٹیپو خالد الازہری

شیخ سعدیؒ نے کہا تھا کہ وہ دشمن جو بظاہر دوست ہو' اس کے دانتوں کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔ یہ مقولہ نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام پر پوری طرح صادق آتا ہے جنہوں نے دوستی کی آڑ میں پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ انہیں 10 دسمبر 1979ء کو نوبل پرائز ملا۔ قادیانی جماعت کے آرگن روزنامہ "الفضل" نے لکھا تھا کہ جب انہیں نوبل انعام کی خبر ملی تو وہ فوراً اپنی عبادت گاہ میں گئے اور اپنے متعلق مرزا قادیانی کی پیش گوئی پر اظہار تشکر کیا۔ اس موقع پر مرزا قادیانی کی بعض عبارتوں کو کھینچ تان کر ڈاکٹر عبدالسلام پر چسپاں کیا گیا اور فخریہ انداز میں کہا گیا کہ یہ دنیا کا واحد موحد سائنس دان ہے جسے نوبل پرائز ملا ہے۔ حالانکہ اسلام کی رو سے رسالت ﷺ کا منکر بڑے سے بڑا موحد بھی کافر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے منکر تھے۔ وہ حضور ﷺ کے بعد آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی (جن سے انگریز نے اپنے سیاسی مفادات کے حصول کی خاطر نبوت کا اعلان کروایا تھا) کو اللہ کا آخری نبی مانتے تھے اور اس طرح وہ اپنے عقائد کی رو سے دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر اور صرف اپنی جماعت کے لوگوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ چونکہ قادیانیت مخبروں اور غداروں کا سیاسی گروہ ہے' لہٰذا اس کی سرپرستی کرتے ہوئے سامراج نے ان کے ایک فرد کو نوبل پرائز دیا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ ایک رشوت ہے جو یہودیوں نے قادیانیت کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے دی۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنی جماعت کی خدمات پر "فرزند احمدیت" بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اپنی

جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد کے حکم پر 1966ء سے وفات تک مجلس افتاء کے باقاعدہ ممبر رہے۔ ان کے ماموں حکیم فضل الرحمٰن 20 سال تک گھانا اور نائیجیریا میں قادیانیت کے مبلغ رہے۔ ان کے والد چودھری محمد حسین جنوری 1941ء میں انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن کے دفتر میں بطور ڈویژنل ہیڈ کلرک تعینات ہوئے۔ قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے انہیں قادیانی جماعت ضلع ملتان کا امیر مقرر کیا' جس میں تحصیل ملتان' وہاڑی' کبیروالہ' خانیوال' میلسی' شجاع آباد اور لودھراں کی تحصیلیں شامل تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے خانیوال میں سیرت النبی ﷺ کے نام قادیانی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ اور مرزا قادیانی کا (نعوذ باللہ) موازنہ شروع کیا تو اجتماع میں موجود مسلمانوں میں کہرام مچ گیا اور انہوں نے اشتعال میں آ کر پورا جلسہ الٹ دیا۔ چند نوجوانوں نے چودھری محمد حسین کو پکڑ کر جوتے بھی مارے۔ پولیس نے چودھری محمد حسین کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا۔ دو دن بعد ملتان میں ایک قادیانی اعلیٰ پولیس افسر کی مداخلت سے انہیں رہائی ملی۔

تحریک پاکستان کے مشہور غدار خضر حیات ٹوانہ ضلع سرگودھا کے بہت بڑے جاگیردار اور یونینسٹ سیاست دان تھے۔ انہوں نے اپنی ریاست "کہلرا" میں جہاں ہزاروں مزدور' کسان ان کی ہزاروں ایکڑ اراضی پر محنت و مشقت کرتے تھے' کبھی کوئی سکول نہ کھلنے دیا۔ اس خضر حیات ٹوانہ نے حکومت برطانیہ کو جنگ عظیم میں مدد دینے کے لیے 3 لاکھ روپے کا فنڈ اکٹھا کیا۔ مگر 1945ء میں جنگ عظیم اختتام کو پہنچ گئی جس کے بعد وہ 1946ء میں کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کے ساتھ مخلوط وزارت کے زیر اہتمام پنجاب کے وزیراعلیٰ بنا دیے گئے۔ چونکہ ان کا جمع کیا ہوا جنگی فنڈ تاحال کسی مصرف میں نہ آ سکا تھا' اس لیے انہوں نے انگریز کی تعلیمی پالیسی کے مطابق چھوٹے زمینداروں کے ہونہار فرزندوں کو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجنے کے لیے وظائف کا اجراء کیا۔ چھوٹے درجے کے زمینداروں کے بچوں کو ان وظائف سے محروم رکھنے کے لیے انہوں نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ کوئی زمیندار سالانہ پچیس روپے سے کم ادا نہ کرتا ہو۔ اس مقصد کے لیے کہ

سلام کو بیرون ملک تعلیم کے لیے یہ وظیفہ مل جائے' ان کے والد نے سر ظفراللہ خاں قادیانی' جو ان دنوں وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے' کی سفارش پر ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر سے ایک سرٹیفکیٹ حاصل کرلیا کہ گورداسپور میں ان کی اراضی ہے جو انہیں ان کے بھائی نے دی ہے جو اسی ضلع میں رہائش پذیر ہیں۔ اس طرح دوسرے امیدواروں کے ساتھ سلام بھی وہ وظیفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ وظیفہ تین سال کی مدت کے لیے مخصوص تھا اور اس کی رقم تین سو پچھتر پاؤنڈ سالانہ تھی۔ اس زمانے کے ایکسچینج ریٹ کے مطابق ایک برطانوی پاؤنڈ تیرہ روپے کا ہوا کرتا تھا۔ سلام نے اس وظیفے کے حصول کی کوشش کے ساتھ ہی کیمبرج داخلے کی درخواست بھیج دی تھی۔ جب ان کے ساتھی سکالرز کو اگلے سال (یعنی 1947ء میں) کیمبرج میں داخلہ دینے کا وعدہ کیا گیا تو سلام کو اسی دن یعنی 3 ستمبر 1946ء کو کیمبرج والوں کی طرف سے ایک کیبل موصول ہوا جس میں انہیں اطلاع دی گئی تھی کہ سینٹ جان کالج میں ان کے لیے ایک غیر متوقع خالی جگہ موجود ہے۔ یوں سلام کا کیمبرج میں داخلہ ہوگیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب برطانیہ پہنچے تو لیورپول کی بندرگاہ پر جو شخص انہیں سب سے پہلے ملا' وہ سر ظفراللہ خاں تھے۔

ڈاکٹر عبدالسلام 1948ء میں اپنی شادی کے سلسلہ میں واپس پاکستان آنا چاہتے تھے مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے انہیں منع کر دیا۔ 1949ء میں وہ پاکستان واپس آئے تو میاں افضل حسین جو پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ سر فضل حسین کے چھوٹے بھائی تھے' ان دنوں پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین تھے۔ انہوں نے کمال مہربانی کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام کے سکالر شپ میں توسیع کر دی۔ اسی سال گرمیوں میں ڈاکٹر عبدالسلام کی پہلی شادی اپنے چچا غلام حسین کی بیٹی امت الحفیظ بیگم سے ہوئی۔ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد وہ واپس برطانیہ چلے گئے۔

انہوں نے 1951ء میں دوبارہ واپس آکر گورنمنٹ کالج لاہور میں ملازمت کا آغاز کیا۔ گورنمنٹ کالج میں پروفیسری کے دور میں سلام کو کیمبرج یونیورسٹی نے لیکچرر شپ کے عہدے کی پیشکش کی تو سلام نے اسے بخوشی قبول کیا۔ لہٰذا بمطابق حکومت پنجاب کے

نوٹیفکیشن نمبر 2 / 6075 مورخہ 16 فروری 1954ء عبدالسلام کو مندرجہ ذیل شرائط پر کیمبرج میں ڈیپوٹیشن پر لیکچرر شپ کے عہدہ پر کام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

"گورنر پنجاب کی جانب سے ڈاکٹر عبدالسلام ایم اے (پنجاب) بی۔ اے (کیمبنٹ) پی ایچ ڈی (کیمبنٹ) پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کی خدمات بخوشی تین سال یا اس سے کم (اگر وہ جلد ہی پاکستان واپس آ گئے) مدت کے لیے بحیثیت ریاضی کے سٹوکس لیکچرر (Stoekes Lecturer) یکم جنوری 1954ء سے کیمبرج یونیورسٹی کے سپرد کی جاتی ہیں"

ڈاکٹر عبدالسلام کی کیمبرج میں تقرری کی شرائط حسب ذیل ہوں گی:

سینٹ جان کالج کی فیلوشپ	300 پاؤنڈ
یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرار تنخواہ	450 پاؤنڈ
دیگر الاؤنس	50 پاؤنڈ
کل	800 پاؤنڈ

اس کے علاوہ انہیں سینٹ جان کالج کی طرف سے ایک اپارٹمنٹ دیا گیا جہاں وہ اپنی بیگم اور بیٹی کے ساتھ منتقل ہو گئے۔ یاد رہے کہ یہاں رہائش اور کھانا مفت تھا۔ اپنے ڈیپوٹیشن کے عرصہ میں ڈاکٹر عبدالسلام حکومت پنجاب سے غیر قانونی طور پر ایک سو اسی روپے ماہوار خصوصی الاؤنس بھی حاصل کرتے رہے۔ جو لوگ اسے ڈاکٹر عبدالسلام کی جلاوطنی کا نام دیتے ہیں' انہیں اس حقیقت کے پیش نظر اپنے من گھڑت مفروضے پر نظر ثانی کر کے پوری قوم سے معذرت خواہ ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی پرزور سفارش پر ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی (ڈاکٹر آئی ایچ عثمانی) کو صدر ایوب نے 1958ء میں اپنے دور حکومت میں ایٹمی توانائی کمیشن کا رکن بنایا اور پھر ایک سال کے اندر اندر اس کا چیئرمین بنا دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے امپیریل کالج لندن کے ریکٹر سر پیٹرک لنسٹیڈ کی ملی بھگت سے 500 کے قریب نیوکلیئر فزکس' ریاضی' صحت و طب اور حیاتیات کے طلبہ اور ماہرین کو بیرونی ممالک بالخصوص امریکہ اور برطانیہ کے تحقیقی مرکز میں حکومت کے خرچ پر اعلیٰ تحقیق و تعلیم کی لیے بھیجنے کا منصوبہ بنایا۔ ان طلبہ اور ماہرین کی اکثریت قادیانی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ڈاکٹر عثمانی سے

اس منصوبہ کو منظور کروا کر ان لوگوں کو باہر بھجوا دیا جو واپس آ کر ملک کے حساس کلیدی عہدوں بالخصوص ایٹمی انرجی کمیشن میں فائز ہوگئے۔ اس کے برعکس امریکی تعلیمی اداروں کے نیوکلیئر فزکس کے شعبہ میں مسلمان بالخصوص عرب طلبہ پر پابندی ہے جو اب تک برقرار ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ 1974ء تک جب تک اس شعبہ میں قادیانیوں کے اثرات تھے' ایٹمی قوت بننے کے سلسلہ میں معمولی سا بھی کام نہیں ہوا۔ حالانکہ صدر ایوب چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مقابلہ میں دفاعی قوت مضبوط بنائی جائے لیکن قادیانیوں نے ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بعد جب قادیانی گروپ کے اثرات ختم ہوئے تو پاکستان نے اس شعبہ میں ترقی کی۔

ذوالفقار علی بھٹو ایسا زیرک انسان جانتا تھا کہ قادیانی جماعت غدار ہے ورنہ پکھران (راجستھان) میں بھارت کے پہلے ایٹمی دھماکے نے جو تشویش ناک صورت حال پیدا کر دی تھی' اس کے پیش نظر ذوالفقار علی بھٹو ہالینڈ میں مقیم پاکستانی سفیر کے ذریعے ڈاکٹر قدیر کو فوراً پاکستان نہ بلاتے بلکہ عبدالسلام قادیانی کو اس سلسلہ میں کوشش کرنے کے لیے کہتے۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں قادیانی سائنس دانوں پروفیسر شیخ عبداللطیف' مرزا منور احمد' محمود احمد شاہ اور ڈاکٹر محمد افضل نے ہمیشہ سازشیں کیں۔

ڈاکٹر منیر احمد خان کے زمانہ میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن قائم ہونے کے باوجود ایٹمی شعبہ میں معمولی سا بھی کام نہیں ہوا۔ ایوب خان کو جھوٹی رپورٹوں کے ذریعہ طفل تسلیاں دی جاتی رہیں۔ حالانکہ وہ انیس برس تک اس ادارے کے سربراہ رہے لیکن اس کے برعکس جب ڈاکٹر عبدالقدیر نے کہوٹہ میں ایٹمی قوت بننے کے لیے کام شروع کیا تو ڈاکٹر منیر نے جو کہ ڈاکٹر عبدالسلام کا شاگرد تھا' ڈاکٹر عبدالقدیر کی زبردست مخالفت کی۔ حالانکہ وہ نہ تو نیوکلیئر انجینئر تھے اور نہ ہی ڈاکٹریٹ کی تھی' صرف ایم ایس سی تھے۔

ڈاکٹر منیر نے بھٹو دور میں حکومت سے جو مراعات بھی طلب کی تھیں' انہیں فراہم کی گئیں مگر نتیجہ صفر۔ کیونکہ وہ قادیانیوں کی پاکستان دشمن لابی میں بری طرح گھرے ہوئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ پاکستان ایٹمی قوت بنے۔ حساس اداروں کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے پاکستان دشمن ممالک کو ایٹمی راز دیے اور ایسے مواقع بھی آئے کہ اس لابی نے

ڈاکٹر قدیر کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے پاکستان چھوڑ کر ہالینڈ جانے کا ارادہ کر لیا۔ حالانکہ ڈاکٹر خان ہالینڈ میں تیس ہزار روپے ماہانہ لیتے تھے مگر پاکستان کی خاطر صرف تین ہزار روپے پر نوکری کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔ مگر بھٹو کی درخواست سے انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ بالاخر بھٹو کے علم میں آیا کہ یہ سب کارستانی ڈاکٹر منیر خان کی ہے۔ بھٹو نے اپنے ذرائع سے بریگیڈیر زاہد علی اکبر (سابق چیئرمین واپڈا) سے اس کی تصدیق کروائی تو انہیں یقین آگیا کہ ڈاکٹر منیر اینڈ کمپنی' ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بلاوجہ تنگ کر رہی ہے۔ اور ان کے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ منیر احمد خاں کی پوری کوشش تھی کہ پاکستان نہ ہی ایٹمی دھماکہ کر سکے اور نہ کوئی اس کا کریڈٹ لے۔ اس لیے انہوں نے ڈاکٹر قدیر کے لیے کام کرنا ناممکن بنا دیا۔ بھٹو نے فوری طور پر کوئی وقت ضائع کیے بغیر 31 جولائی 1976ء کو کہوٹہ انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز (پراجیکٹ 706) کے نام سے اسے خودمختار ادارہ بنا دیا جس میں تمام تر عمل دخل صرف ڈاکٹر قدیر کو تھا۔ جس کا سرکاری نام اب (''ڈاکٹر اے کیو خاں ریسرچ لیبارٹریز'' ہے۔ یہی کچھ بھارتی مسلمان ایٹمی سائنس دان ابوالکلام کے ساتھ ہوا۔ جنہوں نے حال ہی میں انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ بعض طاقتور لابیوں کے دباؤ کے وجہ سے پاکستان میں کام نہ کر سکا اور واپس ہندوستان چلا آیا۔

10 ستمبر 1974ء کو سلام نے وزیراعظم کے سائنسی مشیر کی حیثیت سے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اس کی وجہ انہوں نے اس طرح بیان کی:

> ''آپ جانتے ہیں کہ میں اسلام کے احمدیہ (قادیانی) فرقے کا ایک رکن ہوں۔ حال ہی میں قومی اسمبلی نے احمدیوں کے متعلق جو آئینی ترمیم منظور کی ہے' مجھے اس سے زبردست اختلاف ہے۔ کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ کوئی شخص خالق اور مخلوق کے تعلق میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں قومی اسمبلی کے فیصلہ کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا لیکن اب جبکہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر عمل درآمد کا آغاز بھی ہو چکا ہے تو میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں اس حکومت سے قطع تعلق کر لوں جس نے ایسا قانون منظور کیا ہے۔ اب میرا ایسے ملک کے ساتھ تعلق واجبی سا ہو گا

جہاں میرے فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہو"۔

30 اپریل 1984ء کو قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد قادیانی صدارتی آرڈیننس مجریہ 1984ء کی خلاف ورزی پر مقدمات کے خوف سے بھاگ کر لندن چلے گئے۔ رات کو لندن میں انہوں نے مرکزی قادیانی عبادت گاہ "بیت الفضل" سے ملحقہ محمود ہال میں غصہ سے بھرپور جوشیلی تقریر کی۔ اس موقع پر ڈاکٹر عبدالسلام مرزا طاہر کے سامنے صف اول میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے خطاب میں صدارتی آرڈیننس نمبر 20 مجریہ 1984ء (جس کی رو سے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا) پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ احمدیوں کی بددعا سے عنقریب پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مزید برآں انہوں نے امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک سے اپیل کی کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر پاکستان کی تمام اقتصادی امداد بند کر دیں۔ اپنے خطاب کے آخر میں مرزا طاہر نے ڈاکٹر عبدالسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "صرف آپ میرے دفتر میں ملاقات کے لیے تشریف لائیں۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔" "فرزند احمدیت" ڈاکٹر عبدالسلام نے اسے اپنی سعادت سمجھا اور ملاقات کے لیے حاضر ہو گئے۔ اس ملاقات میں مرزا طاہر احمد نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ہدایت کی کہ وہ ضیاء الحق سے ملاقات کریں اور انہیں آرڈیننس واپس لینے کے لیے کہیں۔ لہٰذا ڈاکٹر عبدالسلام نے جنرل محمد ضیاء الحق سے پریذیڈنٹ ہاؤس میں ملاقات کی اور انہیں جماعت احمدیہ کے جذبات سے آگاہ کیا۔

صدر ضیاء الحق نے بڑے تحمل اور توجہ سے انہیں سنا۔ جواب میں صدر ضیاء الحق اٹھے اور الماری سے قادیانی قرآن "تذکرہ" اٹھا لائے اور کہا کہ یہ آپ کا قرآن ہے اور دیکھیں اس میں کس طرح قرآن مجید کی آیات میں تحریف کی ہے اور ایک نشان زدہ صفحہ کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس

صفحہ پر مندرجہ ذیل آیت درج تھی:

انا انزلناہ قریبا من القادیان

ترجمہ: "(اے مرزا قادیانی) یقیناً ہم نے قرآن کو قادیان (گورداسپور بھارت) کے قریب نازل کیا"

اور مزید لکھا ہے کہ یہ تمام قرآن مرزا قادیانی پر دوبارہ نازل ہوا ہے۔ ضیاء الحق نے کہا کہ یہ بات مجھ سمیت ہر مسلمان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ بے حد شرمندہ ہوئے اور کھسیانے ہو کر بات کو ٹالتے ہوئے پھر حاضر ہونے کا کہہ کر اجازت لے کر رخصت ہو گئے"۔

حال ہی میں بھارت نے 11 مئی 98 کو پوکھران میں 3 ایٹمی دھماکے کیے اور 13 مئی 1998ء کو 2 اور دھماکے کیے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے 28 مئی 98ء کو چاغی (بلوچستان) کے میدان میں 2 ایٹمی دھماکے کیے اور پھر 30 مئی کو 2 مزید ایٹمی دھماکے کیے۔ روزنامہ "نوائے وقت" کی رپورٹ کے مطابق:

> "گزشتہ روز پاکستان کے کامیاب ایٹمی دھماکوں کا اعلان کرتے ہوئے ربوہ کے سرکردہ قادیانیوں کے خفیہ اجلاس منعقد ہوئے۔ ربوہ میں ہو کا عالم تھا۔ قادیانیوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے جبکہ مسلمانوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے"۔

("روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' 29 مئی 1998ء)

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے لندن کی مرکزی قادیانی عبادت گاہ "بیت الفضل" میں پاکستانی عوام کو ایٹمی دھماکوں کے خلاف اکساتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو ایٹمی دھماکوں کا حق عقل سے استعمال کرنا چاہیے تھا جو اس نے نہیں کیا۔ انہوں نے پاکستان کے مسلمان عوام پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ "ایٹمی دھماکے کر کے جشن منالو' پتہ اس وقت چلے گا جب بھوک ناچے گی۔ جنونی دور ختم ہو گا تو ملک کا رہا سہا نظام بھوکے عوام اپنی بغاوت کے ذریعے ختم کر دیں گے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ایٹمی دھماکوں سے پاکستان میں درجہ حرارت بڑھ جائے گا"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' 9 جون 1998ء)

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف عاصمہ جہانگیر (قادیانی) کی زیر قیادت کم و بیش 2 درجن خواتین و حضرات نے شاہراہ قائداعظم پر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ عاصمہ جہانگیر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر اسلام کا مسئلہ نہیں' انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔ اگر وزیراعظم یہ مسئلہ حل کروانا چاہتے ہیں تو وہاں چھیڑ خانی فوراً بند کروائیں۔ مظاہرہ سے قادیانی جماعت (بلوچستان) کے راہنما اور سابق ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی طاہر محمد خاں نے بھی خطاب کیا۔

ہفت روزہ "تکبیر" کے نمائندہ نصراللہ غلزئی اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ "یہ مظاہرہ درحقیقت امریکہ کی زیر نگرانی ان نام نہاد رضاکار تنظیموں کو پاکستان کے ایٹمی دھماکے کے خلاف متحرک کرنے کا نتیجہ تھا جو اپنے آقاؤں کا نمک حلال کرنے کے لیے مستعد رہتی ہیں۔ عاصمہ جہانگیر کی حقوق انسانی کی تنظیم بھی انہی میں شامل ہے جنہیں بیرون ملک سے امداد ملتی ہے اور وہ پاکستان میں مسلمات کے خلاف ہر لحاظ سے متحرک رہتی ہیں"۔

(ہفت روزہ "تکبیر" کراچی' 9 جولائی 1998ء)

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے اپنے اداریہ میں لکھا کہ:

"افسوس یہ ہے کہ بھارتی دھماکوں پر انسانی حقوق کی ان تنظیموں نے کوئی مخالفانہ آواز بلند نہیں کی مگر پاکستان کے تجربات پر یہ سیخ پا ہیں۔ حکومت پاکستان کو اس بات کی تحقیق کرنی چاہیے کہ اس قسم کی این جی اوز کو اتنے زیادہ فنڈز کہاں سے ملتے ہیں اور یہ کہ پاکستان کے ایٹمی تجربات کے خلاف عاصمہ جہانگیر اور دیگر خواتین و حضرات کی رائے دیانتدارانہ ہے یا ملنے والے فنڈز کا شاخسانہ تاکہ عوام کو حقیقت حال معلوم ہو اور وہ اس کی روشنی میں پروپیگنڈہ مہم کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکیں"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' 21 جولائی 98ء)

معروف صحافی خوشنود علی خان اپنے کالم "ناقابل اشاعت" میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر عبدالقدیر محسن پاکستان ہیں۔ ان کے خلاف ایک خاص لابی کام کر رہی ہے جسے میں کھلم کھلا قادیانی اور مرزائی لابی کہتا ہوں۔ ان کے پیٹ میں

درد اٹھ رہا ہے کہ کیسے ایک مسلمان نے اتنا بڑا کام کر دکھایا۔ اگر اس لابی کو چین نہ آیا تو پھر میں چھاپ دوں گا کہ یہ کہاں کہاں بیٹھے' کیا کیا کر رہے ہیں"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' 8 جون 1998ء)

معروف صحافی عبدالقادر حسن اپنے کالم غیر سیاسی باتیں میں "آواز سگاں" کے نام سے لکھتے ہیں:

"ایک صاحب جو پاکستان اٹامک کمیشن کے سربراہ رہ چکے ہیں' ڈاکٹر منیر صاحب جو میرے عزیز دوست فاروق نثار (اے پی پی کے سابق ڈائریکٹر جنرل) اور سابق وفاقی وزیر قانون خورشید احمد کے بھائی ہیں' ان دنوں بڑی زیادتی کر رہے ہیں اور ایٹمی کامیابیوں کا سہرا اپنے سر کے لیے چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ "ہم نے یہ کیا اور ہم نے وہ کیا" وہ انیس برس تک اس ادارے کے سربراہ رہے مگر سوائے ایٹمی توانائی میں پاکستان کی کوششوں کی جاسوسی کے اور کچھ نہیں کیا۔ چنانچہ ان سے تنگ آ کر بھٹو صاحب نے ڈاکٹر قدیر خان کی لیبارٹری کو ایٹمی توانائی کمیشن سے الگ اور خود مختار کر دیا اور صدر ضیاء الحق نے تو کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری کا نام ہی سائنس دان عبدالقدیر خان کے نام پر رکھ دیا۔ پہلے بھٹو صاحب اور پھر ضیاء الحق صاحب دونوں نے ایک سے زیادہ بار ڈاکٹر قدیر خان کو خبردار کیا کہ اپنی کوئی بات ڈاکٹر منیر احمد کو نہ بتانا ورنہ وہ امریکہ جاسوسی اداروں کو بتا دیں گے۔ برادرم زاہد ملک نے تو اپنی کتاب میں بھی یہ شرمناک کہانی لکھ دی ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' یکم جون 1998ء)

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر منیر کی سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"حکومت کے سربراہ سے جھوٹ بولنا بہت غلط کام ہے مگر ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین منیر احمد خان اور اس کے چیلوں نے سابق

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ انتہائی ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ تھوڑا سا دھماکہ خیز مواد لے کر زمین میں دبا دیتے ہیں۔ اس میں کوبالٹ اور زنک بھی ملا دیں گے اور پھر اس سے دھماکہ کر کے بھٹو کو بے وقوف بنا لیں گے کہ ہم نے ایٹمی دھماکہ کر لیا ہے۔ مجھے پتہ چلا تو میں نے ذوالفقار علی بھٹو کو صاف صاف بتا دیا کہ ان سب لوگوں کا یہ پروگرام ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر نے کہا کہ میں نے کبھی کسی سربراہ حکومت کو غلط نہ کہا۔ اب اگر ہم نے میاں نواز شریف کو غلط گائیڈ کیا ہوتا اور خدانخواستہ ہمارے پاس کچھ نہ ہوتا تو بھارتی دھماکوں کے بعد ہمارے پاس کیا بچتا۔ کیونکہ دنیا بھر کے سیسمک سنٹر آپ کے دھماکوں کو مانیٹر کر رہے ہوتے ہیں اور آپ کی کارکردگی چھپ نہیں سکتی۔ ساری دنیا نے دیکھا کہ الحمدللہ پاکستانی سائنس دان اور قوم سرخرو ٹھہری"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور' 31 مئی 1998ء)

معروف صحافی جناب زاہد ملک اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"منیر احمد کے بارے میں یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ بھٹو مرحوم اپنے آخری دور میں اسے پہچان گئے تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۷۶ء کی بات ہے' گورنر ہاؤس لاہور کی ایک میٹنگ میں' جس میں مولانا کوثر نیازی' آغا شاہی' جنرل (ریٹائرڈ) امتیاز علی' ڈاکٹر امیر محمد خاں موجود تھے' بھٹو مرحوم نے ان کے بارے میں انتہائی سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا تھا (HE IS A BASTARD. FIND A NEW MAN) اس کی تصدیق مولانا کوثر نیازی نے بھی اپنی کتاب "اور لائن کٹ گئی" میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "مسٹر بھٹو سخت ناراض تھے۔ کیونکہ ان کی دانست میں انہیں قوم کے سامنے شرمسار کرایا گیا تھا...... مسٹر بھٹو نے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ میں یہاں وہ الفاظ درج کرنے سے قاصر ہوں۔ ان کے طیش کو دیکھتے ہوئے جنرل امتیاز نے تجویز پیش کی کہ ڈاکٹر امیر محمد کو ایٹمی توانائی کمیشن کا چیئرمین لگا دیا جائے اور منیر احمد

کو سیکرٹری تعلیم بنا دیا جائے۔ بھٹو انتہائی غصہ سے بولے

""THROW HIM OUT"

("ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور اسلامی بم" از زاہد ملک' ص 165-166)

روزنامہ "اوصاف" کے چیف ایڈیٹر جناب حامد میر نے تحریک المجاہدین کے زیر اہتمام ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے اور دنیا بھر میں اپنی حیثیت منوا لی لیکن حیرانگی اس بات پر ہے کہ دھماکوں کے ساتھ ہی ہمارے محب وطن اور عظیم سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو متنازعہ بنانے کی کوشش شروع ہو گئی۔ یہ کوشش کس نے کی۔ کس نے اسلام آباد میں جگہ جگہ ان کے خلاف بینر لگوائے۔ کس کی کوششوں سے اٹامک انرجی کمیشن کے عملے کو چھٹی کے دن اسلام آباد لا کر ڈاکٹر اشفاق اور ثمر مبارک مند کے حق اور عبدالقدیر کے خلاف نعرے لگوائے گئے۔ کون ہے جو اتنی بڑی کامیابی کی خوشی کو دھندلانے پر تلا ہوا تھا؟ "نیوز ویک" اور "دی ٹائم" امریکن رسالے میں پچھلے دو تین ہفتوں سے ہمارے سائنس دانوں کے حوالے سے جو کچھ شائع ہو رہا ہے' اس کی عملی تفسیر کون مہیا کر رہا ہے۔ آج منیر احمد خان ٹیلیویژن پر آ کر ایٹم بم کی کامیابی کا کریڈٹ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس شخص نے ہمیشہ ایٹمی قوت بننے کے خلاف سازشیں کیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ثقہ قادیانی تھے اور جنہیں صرف اس لیے نوبیل انعام سے نوازا گیا کہ انہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے والے لوگوں کو اٹامک انرجی کمیشن میں بھرتی کیا۔ یہ منیر احمد خان انہیں کے لائے ہوئے سائنس دان تھے جن کی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کبھی ایٹمی قوت نہ بن سکے"۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور' 28 جون تا 14 جولائی 1998ء)

معروف صحافی جناب یونس خلش اپنی کتاب میں ہوشربا انکشافات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بھارت کی طرح یہودیوں کی اسلام دشمنی بھی اظہر من الشمس ہے۔ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مغربی ممالک میں یہودی تعلیم و تجارت' ذرائع ابلاغ اور مختلف مالیاتی اداروں میں پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت کا عالم یہ ہے کہ بڑے سے بڑے اور بظاہر آزاد و خودمختار اخبارات و رسائل میں بھی ان کی مرضی کے بغیر کوئی چیز شائع نہیں ہو سکتی۔ بغاوت کرنے والے جرائد بائیکاٹ جیسے حربوں کے ذریعے مالی بحران میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں کم و بیش یہی پوزیشن قادیانیوں اور بعض اقلیتی فرقوں کو حاصل ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک نہایت اہم اور حساس سرکاری شعبوں میں اعلیٰ مراتب انہی کے قبضہ تسلط میں رہے ہیں۔ صنعت و تجارت' وزارت خارجہ' پلاننگ کمیشن' تعلیم اور ذرائع ابلاغ ان کی تگ و تاز کے خصوصی ہدف ہیں۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری ظفر اللہ جیسے پرامن قادیانی سے کون واقف نہیں کہ انہوں نے مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈالنے کے لیے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اسی طرح پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین ایم ایم احمد پاکستان کو مالی بحران سے دوچار رکھنے میں اپنے "فرائض" بحسن و خوبی ادا کر چکے ہیں۔ اٹامک انرجی کمیشن کے بارے میں حقائق یکجا کیے جائیں تو بڑے ہوشربا انکشاف ہو سکتے ہیں۔ پاکستان کے نوبل انعام یافتہ ماہر طبیعات ڈاکٹر عبدالسلام کی کوششوں سے کتنے قادیانی حضرات سائنسی تحقیق کے نام پر آگے بڑھے ہیں؟ اعلیٰ سطح پر اس کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے۔ قادیانیوں کی موجودہ حکمت عملی یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان کو مالی امداد سے محروم کرنے کے علاوہ وطن عزیز کے وقار کو داؤ پر لگایا جائے۔

قادیانیوں کی اس سازش کا تازہ شکار ڈاکٹر عبدالقدیر خان بنے ہیں' جس میں ان کی معاونت یہود و ہنود نے کی ہے۔ "فرنٹیئر پوسٹ" کے منیجنگ ایڈیٹر فرحت اللہ بابر کے بارے میں باخبر ذرائع نے بتایا ہے کہ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کے چیلے اور ایک سول انجینئر ہیں۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ یہ اپنے اصلی اور جعلی ناموں سے کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ اور یورینیم کی افزودگی کے خلاف پہلے "مسلم" اور دیگر جرائد میں لکھتے رہے اور اب انہوں نے "فرنٹیئر پوسٹ" میں شمولیت اختیار کر کے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو تنقید کا نشانہ

بنایا ہے۔

اسلام اور امت مسلمہ سے بھارت اور اسرائیل کا عناد کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کے اسرائیل کے ساتھ نہایت خوشگوار سفارتی تعلقات ہیں۔ بھارت اسرائیل تعلقات کے بارے میں "تکبیر" کے ایک شمارے میں تفصیلی مضمون شائع ہو چکا ہے۔ پاکستان کا وجود ان دونوں ممالک کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے' اسی لیے پاکستان نے اسرائیل کے ناجائز وجود کو آج تک تسلیم نہیں کیا ہے۔ لیکن قادیانی حضرات کو یہ "اعزاز" حاصل ہے کہ اسرائیل جیسی کٹر اور متعصب یہودی ریاست میں نہ صرف ان کے مشن کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت ہے' بلکہ وہ اسرائیل کی فوج میں بھی خدمات انجام دینے کے اہل قرار پائے ہیں' جس میں سوائے یہودیوں کے کسی اور کو بھرتی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

تحریک پاکستان کے بزرگ رہنما مولانا ظفر احمد انصاری نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا تھا کہ یہودی ہر مسلم مملکت کو نیست و نابود کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ وہ اس کے لیے ہر ذریعے اور واسطے کو استعمال میں لا رہے ہیں اور ان کے آلہ کار بننے والوں میں یہ مرزائی یا قادیانی بھی شامل ہیں' جو اپنے آپ کو "احمدی" کہتے ہیں۔ 1972ء تک اسرائیل میں موجود "احمدیوں" کی تعداد چھ سو تھی' جن پر اسرائیلی فوج کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔ یہ تفصیل پولٹیکل سائنس کے یہودی مصنف آئی ٹی نومانی کی کتاب "اسرائیل اے پروفائل" کے صفحہ نمبر 75 پر موجود ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ "احمدی" پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا ظفر احمد انصاری نے اپنے اسی انٹرویو میں بتایا کہ بابائے اسرائیل بن گوریان نے جون 1976ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد پیرس کی لوربون یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: (جس کی رپورٹ 9/ اگست 1967ء کو صیہونی رسالے "جیوش کرانیکل" میں چھپی تھی)

"عالمی صیہونی تحریک کو پاکستان کے خطرے سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے اور اب پاکستان اس کا پہلا نشانہ ہونا چاہیے' کیونکہ یہ نظریاتی مملکت

ہمارے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ سارے پاکستانی یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ عربوں کے لیے ان کی یہ محبت ہمارے لیے خود عربوں سے بڑھ کر خطرناک ہے کہ اب پاکستان کے خلاف فوری اقدام کیا جائے۔

جہاں تک ہندوستانی سطح مرتفع کے باشندوں کا تعلق ہے' وہ ہندو ہیں۔ جن کے دل پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہندوستان ہمارے لیے پاکستان کے خلاف کام کرنے کا اہم ترین مرکز ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اس مرکز کا پورا استعمال کریں اور تمام ڈھکے چھپے اور خفیہ منصوبوں کے ذریعہ یہودیوں کے دشمن پاکستانیوں پر ضرب لگائیں اور انہیں کچل دیں"۔

بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بن گوریان کی اس تقریر کے سوا چار سال بعد دسمبر 1971ء میں اندرونی سازش اور بیرونی جارحیت کے ذریعے ڈھاکہ میں داخل ہونے والی ہندو فوج کا ڈپٹی کمانڈر جنرل جیکب ایک یہودی تھا۔

قادیانیوں کے اسرائیل کے یہودیوں سے تعلقات بڑے پرانے ہیں۔ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد سرزمین فلسطین سے تمام عربوں کو چن چن کر نکال باہر کیا گیا' حالانکہ صدیوں سے یہ ان کا وطن تھا' لیکن وہاں موجود قادیانیوں سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ قادیانیوں کے "مصلح موعود" مرزا بشیر الدین محمود نے خود نہایت فخریہ انداز میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"عرب ممالک میں بے شک ہمیں اس قسم کی اہمیت حاصل نہیں' جیسی ان (یورپی افریقی) ممالک میں ہے' پھر بھی ایک طرح کی اہمیت ہمیں حاصل ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ فلسطین کے عین مرکز میں اگر مسلمان رہے تو وہ صرف احمدی ہیں"۔

(روزنامہ "الفضل" لاہور' 30/ اگست 1950ء)

یہودیوں اور قادیانیوں کی نظریاتی مماثلت اور اشتراک کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ

اقبال ؒ نے 1936ء میں کہا تھا کہ "مرزائیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے"۔

("حرف اقبال" لطیف احمد شیروانی ایم اے، صفحہ 115)

علامہ اقبال نے ایک اور موقع پر فرمایا تھا: "ہمیں دنیائے اسلام سے متعلق قادیانیوں کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے"۔

مولوی فرید احمد نے اپنی کتاب "ابر آلود سورج" میں پاکستان کی بیوروکریسی کے ایک رکن رکین کے بارے میں لکھا کہ ایوب خان کی گول میز کانفرنس کو ناکام بنانے میں یہودیوں نے اسے استعمال کیا تھا۔

اسرائیل میں قادیانی مشن کی موجودگی کا ذکر مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے اور مرزا بشیر الدین محمود کے بیٹے مرزا مبارک احمد نے اپنی کتاب "آور فارن مشن" میں کیا ہے، جو 1965ء میں ربوہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ 79 پر وہ لکھتا ہے:

"احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفہ (ماؤنٹ کرنل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد، ایک مشن ہاؤس، ایک لائبریری، ایک بکڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔ ہمارے مشن کی طرف سے "البشریٰ" کے نام سے ایک ماہانہ عربی رسالہ جاری کیا، جو 30 ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ مسیح موعود کی بہت سی تحریریں اسی مشن نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ فلسطین کی تقسیم ہونے سے یہ مشن کافی متاثر ہوا۔ چند مسلمان جو اس وقت اسرائیل میں موجود ہیں، ہمارا مشن ان کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے اور مشن کی موجودگی سے ان کے حوصلے بلند ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہماری مشنری کے لوگ حیفہ کے میئر سے ملے اور ان سے گفت و شنید کی۔ میئر نے وعدہ کیا کہ احمدیہ جماعت کے لیے کبابیر میں، حیفہ کے قریب، وہ ایک سکول بنانے کی اجازت دے دیں گے۔ یہ علاقہ ہماری جماعت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد میئر صاحب ہماری مشنری دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ حیفہ کے چار معززین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا پروقار استقبال کیا گیا، جس میں جماعت کے سرکردہ ممبر اور سکول

کے طالب علم بھی موجود تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا' جس میں انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ واپسی سے پہلے میئر صاحب نے اپنے تاثرات مہمانوں کے رجسٹر میں تحریر کیے۔ ہماری جماعت کے موثر ہونے کا ثبوت ایک چھوٹے سے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ 1956ء میں جب ہمارے مبلغ چوہدری محمد شریف صاحب ربوہ پاکستان تشریف لا رہے تھے' اس وقت اسرائیل کے صدر نے ہماری مشنری کو پیغام بھیجا کہ چوہدری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر چوہدری صاحب نے ایک قرآن حکیم کا نسخہ' جو جرمن زبان میں تھا' صدر محترم کو پیش کیا' جس کو خلوص دل سے قبول کیا گیا۔ چوہدری صاحب کا صدر صاحب سے انٹرویو اسرائیل کے ریڈیو پر نشر کیا گیا اور ان کی ملاقات کو اخبارات میں جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا"۔

قادیانیوں کے اسرائیل سے تعلقات پر گفتگو کے بعد ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ کیا قادیانیوں نے پاکستان کا وجود تسلیم کر لیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں طوالت سے بچنے کے لیے ہم روزنامہ "الفضل" قادیان کے شمارے مورخہ 5/ اپریل 1947ء میں شائع ہونے والی "اکھنڈ ہندوستان" کے عنوان سے قادیانیوں کے سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی "مجلس عرفان" کا ایک اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی اس مشیت سے کہ اس نے احمدیت کے لیے اتنی وسیع بیس مہیا کی ہے' پتہ لگتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو ایک سٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت کا جوا ڈالنا چاہتا ہے' اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے اور ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں تاکہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں۔ بے شک یہ کام بہت مشکل ہے' مگر اس کے نتائج بھی بہت شاندار ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں' احمدیت اس وسیع بیس میں ترقی کرے' چنانچہ اس رویا (خواب) میں اسی طرح اشارہ ہے۔ ممکن ہے عارضی طور پر افتراق پیدا ہو

اور کچھ وقت کے لیے دونوں قومیں جدا ہو جائیں' مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دور ہو جائے۔

بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیرو شکر ہو کر رہیں' لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو ہم مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اگر وہ ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے' تو ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور ہماری وجہ سے اللہ تعالٰی ان کو بھی بچا لے گا۔ یہ تو نہیں کہتا کہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہماری ہلاکت ہوگی' کیونکہ اللہ تعالٰی احمدیت کو ہلاک نہیں کر سکتا"۔

واضح رہے کہ اس "مجلس عرفان" میں چوہدری سر ظفر اللہ خان بھی "حضور" کے ساتھ مسند پر تشریف فرما تھے اور مجلس کی ابتداء میں "خلیفتہ المسیح الثانی" نے اپنا ایک تازہ خواب سنایا' جس میں گاندھی جی ان کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے تھے اور ذرا سی دیر لیٹنے کے بعد فوراً اٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کر دی۔

یہود و ہنود سے قادیانیوں کے تعلقات کے علاوہ ایک عجیب بات یہ ہے کہ مذہب کو افیون قرار دینے والے کمیونسٹ عناصر' ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ قادیانیوں کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھے۔ وہ ہر موقع پر قادیانیوں کی مخالفت سے گریز کرتے اور ان کے مسئلہ کو فرقہ وارانہ جھگڑا کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

اس پس منظر میں پاکستان کے خلاف بھارت اور اسرائیل کے جارحانہ عزائم کی تکمیل میں قادیانیوں کے خفیہ اور اعلانیہ کردار اور کمیونسٹوں کے تعاون کا کوئی راز نہیں رہتا۔ پھر پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام میں نمایاں خدمات انجام دینے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ان کی سازش سے کیسے بچ سکتے تھے؟ آخرکار وہ بھی ان کی زد میں آ گئے اور اب ڈاکٹر عبدالقدیر کی شخصیت اور کارنامے ہی متنازعہ نہیں قرار پاتے' بلکہ بعض لوگ ان شکوک و شبہات کا اظہار بھی کرنے لگے ہیں کہ اس نام کی کسی شخصیت کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ جو نام اور جو تصویر اخبارات میں شائع ہو رہی ہے' وہ کوئی اور ہی شخص ہے۔ سازشی عناصر کی یہی کامیابی کم ہے کہ انہوں نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوششوں کے علاوہ وطن عزیز کے ایک مایہ ناز سپوت کو متنازعہ بنا ڈالا"۔

("ڈاکٹر عبدالقدیر اور کہوٹہ ایٹمی سنٹر" از یونس خلش)

ڈاکٹر عبدالسلام کا ہمیشہ اسلام اور پاکستان دشمن شخصیات سے گہرا یارانہ رہا بلکہ رازدارانہ تعلقات رہے۔ امپیریل کالج لندن سے پی ایچ ڈی یافتہ یہودی ڈاکٹر یودل نیمان' ڈاکٹر عبدالسلام کے قریبی دوستوں میں سے ہیں۔ جن کی دعوت پر ڈاکٹر عبدالسلام اکثر اسرائیل کے دورہ پر جاتے رہے ہیں۔ ایک معروف صحافی کے سوال پر کہ جماعت احمدیہ کا اسرائیل میں تبلیغی مشن ہے' اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ڈاکٹر عبدالسلام نے اعتراف کیا تھا کہ .اسرائیل کے قیام سے پہلے کے زمانہ میں ہم وہاں آباد ہیں۔ وہ ہماری جماعت کے اہم آدمی ہیں۔ اسرائیل ان کا وطن ہے' ہم انہیں وطن بدر نہیں کر سکتے۔ رہا میری ذات کا تعلق تو میں ایسا سائنس دان ہوں جو جغرافیائی سرحدوں کا قائل نہیں۔ میرے لیے انسانیت سب سے اہم ہے۔ اگر مجھے کوئی کافر یا غدار کہتا ہے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بوعلی سینا کو بھی کافر اور زندیق کہا گیا تھا"۔

معتبر ذرائع کے مطابق بھارت نے حال ہی میں اپنے ایٹمی دھماکے اسی یہودی سائنس دان کے مشورے سے کیے جو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یودل نیمان امریکہ میں بیٹھ کر براہ راست اسرائیل کی مفادات کی نگرانی کر رہا ہے۔ اسرائیل کے لیے پہلا ایٹم بم بنانے کا اعزاز بھی اسی شخص کو حاصل ہے۔ پاکستان اس کی ہٹ لسٹ پر ہے اور اس سلسلے میں وہ بھارت کے کئی خفیہ دورے بھی کر چکا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امریکی کانگریس کی بہت بڑی لابی اس وقت یودل نیمان کے لیے نوبیل پرائز کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ اس کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد امت مسلمہ کو نقصان پہنچانا ہے اور وہ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے ہر وقت مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی سازش میں مصروف رہتا ہے۔ دنیا کی ہر مسلم دشمن قوت کے ساتھ اس کا براہ راست رابطہ ہے۔ اس نے ٹیکساس اور کیلی فورنیا کی دو بڑی یونیورسٹیوں کے اہم عہدوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تل ابیب یونیورسٹی اسرائیل کے شعبہ فزکس کا سربراہ بھی ہے۔ اس سے پہلے یہ شخص اسرائیل کا وزیر تعلیم و سائنس و ٹیکنالوجی بھی رہا۔ پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام پر اس کی خاص نظر ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ان کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹکتا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر عبدالسلام کے پاکستان دشمن بھارتی لیڈر نہرو کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ نہرو نے ڈاکٹر عبدالسلام کو آفر کی تھی کہ آپ انڈیا آجائیں ہم آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق ادارہ بنا کر دیں گے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ "وہ اس سلسلہ میں اٹلی کی حکومت سے وعدہ کر چکے ہیں لہٰذا میں معذرت چاہتا ہوں لیکن آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے وہاں کے سائنس دانوں سے تعاون کروں گا"۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی بھارتی "خدمات" کے عوض ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ برائے بنیادی تحقیق بمبئی' انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی نئی دہلی اور انڈیا اکیڈمی آف سائنس بنگلور کے منتخب رکن رہے۔ گورونانک یونیورسٹی امرتسر (بھارت)' نہرو یونیورسٹی بنارس (بھارت)' پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ (بھارت) نے انہیں "ڈاکٹر آف سائنس" کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں سر دیو پرشاد سردا دھیکاری گولڈ میڈل اور انڈین فزکس ایسوسی ایشن نے شری آر ڈی برلا ایوارڈ دیا۔

بھارتی صحافی جگجیت سنگھ کے ساتھ ڈاکٹر عبدالسلام کے ذاتی تعلقات تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب بھی بھارت جاتے' جگجیت سنگھ "ٹائمز آف انڈیا" میں ان پر بھرپور فیچر شائع کرتے۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام پر "Abdus Salam A Biography" (سن اشاعت 1992ء) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کا ایک باب "The Ahmaddiya Jammat" ہے جس میں جگجیت سنگھ نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے والے 7 ستمبر 1974ء کو پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ اور 1984ء کے صدارتی آرڈیننس جس کے تحت قادیانی شعائر اسلامی استعمال نہیں کر سکتے' کی سخت مذمت کی اور قادیانیوں کو "مظلوم" قرار دیتے ہوئے ان اقدامات کو حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے ایک اور بے تکلف دوست جے سی پولنگ ہارو (J.C. Polking Horue) جو کیمبرج میں سلام کے شاگرد تھے اور بعد میں کیتھولک بشپ بن گئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی درخواست پر ہر سال قادیانی جماعت کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے رہے۔ یاد رہے یہ وہی پولنگ ہارو ہیں جو پاکستان میں قانون توہین رسالت C / 295 کے خلاف امریکہ میں عیسائی جلوسوں کی قیادت کرتے ہیں۔ جن میں قادیانیوں کی بھی کثیر تعداد

شامل ہوتی ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے جولائی 1994ء میں بیت الفضل لندن میں توہین رسالت ﷺ کی سزا کے خلاف تقریر کی تو مسٹر پولنگ ہاروا اپنے کئی بشپ دوستوں کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو بڑے بڑے انعامات سے جو رقوم ملیں' ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ایٹم برائے امن ایوارڈ	تیس ہزار ڈالر
نوبل پرائز	چھیاسٹھ ہزار ڈالر
بارسلونا پرائز	ایک لاکھ ڈالر
ایڈنبرا پرائز	5ہزار ڈالر

انہوں نے ان تمام رقوم کا 10% حصہ اپنے خلیفہ کے حکم پر جماعت احمدیہ کے فنڈ میں جمع کروایا۔ اس کے علاوہ یحییٰ خاں کے زمانہ میں اس وقت کے سیکرٹری خزانہ ایم ایم احمد قادیانی نے ڈاکٹر عبدالسلام کو "پاکستان سائنس فاؤنڈیشن" کے نام پر ایک کروڑ روپے کی خطیر رقم فراہم کی' جس کے خرچ کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ خدشہ ہے یہ رقم بھی قادیانی جماعت کے فنڈ میں جمع کروا دی گئی تھی۔ پاکستان کے معروف مذہبی و سیاسی راہنما مولانا شاہ احمد نورانی کا بیان آن ریکارڈ ہے کہ:

> "...... مرزائیت' یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے اور پاکستان میں تل ابیب کا ایجنٹ ربوہ ہے' اس کی معرفت جو چاہتے ہیں' کرواتے ہیں..... مذہب کا تو ان لوگوں نے لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی خطرناک سیاسی تحریک ہے اور صیہونیت کی ایک ذیلی تنظیم ہے جو مسلمانوں کے اندر رہ کر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہے۔ حکومت تبلیغی مقاصد کے لیے جو بھی رقم خرچ کرتی رہی ہے' وہ اس سلسلے میں بڑی فراخ دلی سے مرزا ایم ایم احمد قادیانی کی معرفت تقسیم کرائی تھی۔ ہر مرزائی مبلغ براہ راست ایم ایم احمد کی اجازت سے اسٹیٹ بینک پہنچتا تھا اور بڑی آسانی سے غیر ملکی زرمبادلہ حاصل کر لیتا تھا اور اس

کے اعداد و شمار اسٹیٹ بینک سے حاصل کیے جاسکتے ہیں"۔

(ارشادات نورانی از ضیاء المصطفیٰ قصوری)

اسی طرح بھٹو دور کے وفاقی وزیر پیداوار' انڈسٹریز و ٹاؤن پلاننگ نے بھی اپنی وزارت کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام کی پرزور سفارش پر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کو 60 لاکھ روپے کی خطیر گرانٹ دی' جس کا حکومت کی طرف سے کبھی کوئی آڈٹ نہیں ہوا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے صاحبان اقتدار نے دانستہ طور پر ڈاکٹر عبدالسلام کی مندرجہ بالا غداریوں اور سازشوں سے مجرمانہ چشم پوشی کی اور ان "خدمات" کے عوض انہیں 1959ء میں ستارہ امتیاز اور تمغہ و ایوارڈ حسن کارکردگی اور 1979ء میں پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز نشان امتیاز دیا گیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور نے ڈاکٹر عبدالسلام کی موت پر "سلام میڈل" کا اجراء کیا جو فزکس اور ریاضی کے شعبہ میں اول آنے والے طالب علموں کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے کالج کے اولڈ ہال کا نام "سلام ہال" رکھا اور مزید یہ کہ گورنمنٹ کالج میں ان کے نام کی ایک "چیئر" قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا' جس کی منظوری بھی ہو چکی ہے۔

لہولہان تھا میں اور عدل کی میزان
جھکی تھی جانب قاتل کہ راج اس کا تھا

غدار پاکستان

دانشورانہ
خود مذمتی کے شہ پارے

ارشاد احمد عارف

نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کی رحلت سے بلاشبہ ان کے مداحوں کو صدمہ پہنچا۔ طبیعات کے شعبے میں ان کی خدمات کا ایک زمانہ اعتراف کرتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب پاکستان کے شہری تھے' اس لیے نوبل انعام ملنے پر اہل پاکستان بھی خوش ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے "ترقی پسندانہ" دور میں سائنسی امور کی مشاورت سے بطور احتجاج مستعفی ہونے والے ڈاکٹر عبدالسلام کو ضیاء الحق کے رجعت پسندانہ "اسلامی" دور حکومت میں ہلال امتیاز کا اعزاز عطا کیا گیا۔ کراچی اور اسلام آباد میں استقبالیے دیے گئے اور صدر پاکستان کے مہمان کے طور پر انہوں نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ جھنگ میں ان کے آبائی گھر کو قومی یادگار کے طور پر محفوظ کیا گیا اور ایک غریب قوم' اپنے سائنس دان کا جس حد تک اعزاز و اکرام کر سکتی تھی' کرتی رہی مگر ان کی وفات کے بعد ہمارے بعض کالم نگار دوستوں کو اچانک یاد آیا ہے کہ پاکستان اور یہاں کے بنیاد پرست مسلمان عوام نے دنیا کے مایہ ناز سائنس دان کی قدر نہیں کی اور محض مذہبی تعصب کی بناء پر ان سے بے رخی برتی۔

ہمارے ہاں اصحاب علم و دانش کا المیہ یہ ہے کہ وہ خود مذمتی اور رواداری میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔ وہ ہمیشہ اپنے عقیدے' قومی اقدار اور ملکی رسم و رواج کے بارے میں معذرت خواہی کا شکار رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کے مذہبی تعصب اور انتہا پسندانہ رویے کا دفاع کرتے ہوئے اپنے دینی معتقدات' قومی مفادات اور ملکی رسوم و رواج کو بھی فراموش کر جاتے ہیں' بلکہ ان کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی سائنسی اپروچ کا تو یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی تحقیق اور نوبل انعام ملنے کو مرزا غلام احمد قادیانی کا "معجزہ" قرار دیا اور انعام لینے کے لیے جو چوغہ اور پگ

پہن کر گئے‘ وہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے جانشینوں کا مخصوص لباس ہے۔ اس کا پنجاب کی روایتی ثقافت سے کوئی تعلق نہیں۔

ڈاکٹر صاحب اپنے عقیدے میں اس قدر پختہ تھے کہ جونہی پاکستان کی قومی اسمبلی نے کئی ماہ کے بحث مباحثے اور مرزا ناصر احمد کی طرف سے اس واضح اعلان کے بعد کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے قائل ہیں اور ختم نبوت کے اس تصور سے متفق نہیں‘ جو مسلمانان عالم کے عقیدے کا حصہ ہے‘ قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیا‘ انہوں نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور وزیراعظم کے اصرار کے باوجود سائنسی مشیر کے طور پر خدمات انجام دینے سے معذرت کر لی۔ وہ اپنے ملک میں سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبے کی تعمیر و ترقی کے لیے مشورے اس صورت میں دے سکتے تھے کہ اسلامیان برصغیر مرزا غلام احمد اور ان کے مقلدین کے عقائد کی روشنی میں اپنے آپ کو "غیر مسلم" تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔

۱۹۴۸ء میں جب قائداعظم کی نماز جنازہ پڑھنے کے بجائے اس وقت کے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان نے غیر مسلم سفیروں کی صف میں بیٹھنا پسند کیا تو استفسار کرنے والوں کو انہوں نے یہی جواب دیا تھا کہ "آپ مجھے کسی مسلم ریاست کا غیر مسلم وزیر یا غیر مسلم ریاست کا مسلمان وزیر خارجہ سمجھ لیں"۔

حد یہ ہے کہ سر ظفر اللہ خان ہوں یا ڈاکٹر عبدالسلام‘ وہ کبھی اس امر پر شرمندہ نہیں ہوئے کہ انہوں نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کر کے ایک مجہول شخص کی اطاعت قبول کی ہے اور امت مسلمہ سے خود ہی ترک تعلق کر لیا ہے مگر ہمارے دانشور‘ کالم نگار دوست اس امر پر شرمندہ ہیں کہ ہم نے ڈاکٹر عبدالسلام کی خواہش کے مطابق قومی اسمبلی کے متفقہ فیصلے کو واپس لے کر یہ اقرار کیوں نہیں کیا کہ آپ سچے‘ آپ کے مدعی نبوت سچے۔ ہم ہی وہ بدنصیب ہیں‘ جو اپنے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پر شرمندہ ہیں۔

مرزا طاہر احمد کی قیادت میں قادیانیوں نے برطانیہ میں جو "اسلام آباد" بسایا ہے‘ وہ پاکستان کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا مرکز ہے اور ان کا سیٹلائٹ چینل پاکستان کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے میں مصروف رہتا ہے مگر ان کے اس قابل فخر کارنامے پر بھی ہم اس احساس زیاں کا شکار رہتے ہیں کہ آخر ہم نے یہ غلطی کیوں کی‘ رواداری کا مظاہرہ کیوں نہ کیا‘ انہیں غیر مسلم قرار دینے کے بجائے خود ہی اقلیت

ہونے کا تمغہ اپنے سینے پر کیوں نہ سجا لیا۔ حالانکہ یہ محض سیاسی مسئلہ نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور ناموس کا معاملہ ہے۔ اسلام نے **لا اکراہ فی الدین** کا فلسفہ ضرور پیش کیا ہے لیکن وہ دوسروں سے بھی یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اس کے پیروکاروں کے عقیدے اور شعائر کا احترام کریں اور اسلام کے بنیادی اصولوں کی نفی کرنے اور ختم نبوت کا انکار کرنے والا کوئی فرد اپنے آپ کو مسلمان قرار دینے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

آخر کیا وجہ ہے کہ قادیانی اپنے آپ کو اقلیت سمجھنے کے لیے تیار نہیں؟ حضرت علامہ اقبال نے پنڈت جواہر لال نہرو کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "آپ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے کہ عقیدہ ختم نبوت کی کیا اہمیت ہے اور کسی مدعی نبوت یا اس کے پیروکاروں کو مسلمان تصور کرنے کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے؟" پنڈت جی تو اس خط کے جواب میں خاموش ہوگئے۔ لاجواب ہو کر یا مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے، لیکن ہمارے مسلمان دانشور ابھی تک بے سوچے سمجھے، قادیانیوں کے موقف کو سمجھے اور مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت سے آگہی حاصل کیے بغیر تواتر سے پاکستان اور اس میں بسنے والی مسلم اکثریت کے خلاف طعنہ زنی میں مصروف ہیں۔ متشدد، متعصب اور بنیاد پرست، خود مذمتی کا یہ رویہ ہر اس فرد اور گروہ کا شعار بنتا ہے، جسے ساری برائیاں اپنے بھائی بندوں اور تمام اچھائیاں غیروں میں نظر آتی ہوں۔ یہ فراخدلی اور رواداری نہیں بلکہ اپنے عقیدے، روایات، تمدن اور شعائر سے فرار کی راہ ہے۔ انسان دوستی کسی اور شے کا نام ہے۔

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدالسلام کون؟

محمد طاہر رزاق

روزنامہ نوائے وقت میں جناب جی ایم پراچہ صاحب کا مضمون بعنوان "ڈاکٹر عبدالسلام کی یاد میں" تین قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ جس میں مصنف نے معروف قادیانی لیڈر آنجہانی ڈاکٹر عبدالسلام کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ اس کی علمیت کے قصیدے پڑھے ہیں' پاکستان سے اس کی محبت کے گیت گائے ہیں۔ نوبل انعام کے حوالے سے اس کی خوب تشہیر کی ہے اور اسے دین و دنیا کے اعتبار سے ایک کامیاب انسان قرار دیا ہے۔

میں اسے جناب پراچہ صاحب کی کمال سادگی کہوں یا کمال ہوشیاری یا کمال بے خبری کہ موصوف کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام کا تعلق اس گروہ سے تھا' جس نے ہندوستان میں انگریز کی ایک خوفناک سازش کے تحت قصر ختم نبوت پر ڈاکہ زنی کی ناپاک جسارت کی اور ایک غدار ملت مرزا غلام احمد قادیانی سے دعویٰ نبوت کرایا۔ مرزا قادیانی نے خود کو اللہ کا نبی اور رسول کہا۔ انگریزی سلطنت کی بقا کے لیے جہاد کو حرام قرار دیا۔ انگریز کو اولی الامر بنایا' ظالم انگریزی گورنمنٹ کو رحمت کا سایہ کہا۔ ملکہ وکٹوریہ کو زمین کا نور کہا اور انگریزی سلطنت کے خلاف جہاد کرنے والوں کو خدا اور رسول کا باغی' حرامی اور بدکردار قرار دیا۔

کیا پراچہ صاحب کو معلوم نہیں کہ جس جماعت نے سامراجی ایجنٹ ہونے کے ناطے' یہود و نصاریٰ میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے مسمی عبدالسلام کو ڈاکٹر عبدالسلام بنایا اور پھر اسے نوبل انعام دلوایا اور پھر یہودی پریس کے ذریعے پوری دنیا میں اس کی خوب تشہیر کرائی۔

○ اس جماعت نے خلافت عثمانیہ کی تباہی پر قادیان میں چراغاں کیا تھا۔

○ شاتم رسول راجپال کو قتل کرنے والے عظیم عاشق رسول غازی علم الدین شہید پر تنقید کرتے ہوئے جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے کہا تھا کہ "وہ نبی بھی کیا نبی ہے' جس کی عزت کی حفاظت کے لیے خون میں ہاتھ رنگنے پڑیں"۔

○ جس نے حد بندی کمیشن کے سامنے مسلمانوں سے ہٹ کر قادیان حاصل کرنے کے لیے اپنا ایک میمورنڈم پیش کیا' جس کے نتیجے میں ضلع گورداسپور بھارت کے قبضہ میں چلا گیا اور بھارت کو کشمیر پر قبضہ کرنے کا واحد زمینی راستہ مل گیا۔

○ جس کے نمائندہ وزیر خارجہ سر ظفر اللہ نے بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ کی نماز جنازہ اس لیے نہ پڑھی کیونکہ قادیانیوں کے نزدیک قائداعظم کافر تھے' کیونکہ قائداعظم مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے تھے۔

○ جنہوں نے وزیراعظم لیاقت علی خان کو اس لیے قتل کرایا کہ لیاقت علی خان' قادیانی وزیر سر ظفر اللہ کو اس کی خرمستیوں کی وجہ سے کابینہ سے خارج کرنے کا اعلان کرنے والے تھے۔

○ جنہوں نے وطن عزیز میں ایک الگ ریاست "ربوہ" کے نام سے بسائی اور وہاں مسلمانوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا اور ربوہ کا قادیانی خلیفہ وہاں کا مطلق العنان حکمران ہوتا تھا' جس کے سامنے ملکی قانون کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

○ جنہوں نے اسرائیل میں اپنا مشن قائم کر رکھا ہے اور اسرائیل کی فوج میں چھ سو قادیانی بھرتی ہیں۔

○ جنہوں نے سقوط مشرقی پاکستان پر ربوہ کے بازاروں میں بھنگڑا ڈالا۔

○ جنہوں نے شاہ فیصل کی شہادت پر جشن منایا

○ جنہوں نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی موت پر خوشی مناتے ہوئے حلوے کی دیگیں تقسیم کیں اور بھٹو کو ایک غلیظ جانور سے تشبیہ دی۔

○ جنہوں نے ضیاء الحق کی شہادت پر ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرایا اور مبارک بادیں دیں۔

○ جنہوں نے کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا ماڈل امریکہ پہنچایا۔

○ اور جن کا مذہبی عقیدہ ہے کہ پاکستان ٹوٹ جائے گا اور اکھنڈ بھارت بنے گا۔ اسی لیے وہ اپنے مردے ربوہ میں امانتاً" دفن کرتے ہیں کہ جب اکھنڈ بھارت بن جائے گا تو ہم ان کی لاشیں اپنے مذہبی مرکز قادیان پہنچائیں گے۔ مرزا بشیرالدین کی قبر پر ایسی ہی تحریر رقم تھی' جواب کسی مصلحت کے تحت مٹادی گئی ہے۔

کیا جناب پراچہ صاحب نے مصور پاکستان' مفکر پاکستان حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے یہ الفاظ کبھی نہیں پڑھے کہ:

○ "قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں" اور

○ "قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے"۔

○ حضرت حکیم الامت نے ہی سب سے پہلے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا اور پاکستان کے خواب کی طرح حکیم الامت کا یہ خواب بھی ۱۹۷۴ء میں پورا ہو گیا جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو کافر قرار دیا۔

فرنگی سامراج کی خود کاشتہ قادیانی جماعت کا تذکرہ ہو جانے کے بعد میں ڈاکٹر عبدالسلام آنجہانی کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ڈاکٹر عبدالسلام پچھلے کئی برسوں سے کئی کربناک بیماریوں میں مبتلا تھا۔ فالج سے اس کا جسم بید لرزاں کی طرح کانپتا تھا' موت سے چھ ماہ قبل تک اس پر بے ہوشی کے دورے پڑتے اور اسے مصنوعی طریقے سے غذا پہنچائی جاتی۔ پھر دماغ پر ہونے والے شدید فالج کے حملہ نے اسے یادداشتوں اور ہوش و حواس سے بھی محروم کر دیا۔ قادیانی ڈاکٹروں کی ایک مخصوص ٹیم اس کے علاج کے لیے مستعد رہتی لیکن کوئی علاج بھی کارگر نہ ہوتا۔ قادیانی جماعت نے اس کی اس خطرناک بیماری کو عام قادیانیوں سے چھپائے رکھا کیونکہ قادیانی جماعت کے پیشوا مرزا قادیانی نے فالج سے ہونے والی موت کو بہت بری موت قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام آنجہانی کا شمار چوٹی کے قادیانی مبلغین میں ہوتا تھا۔ اس نے تعلیم اور سائنس کی آڑ میں سینکڑوں مسلمان نوجوانوں کو قادیانی بنایا۔ یہود و نصاریٰ نے اس کی سائنسی خدمات کو سراہتے ہوئے اسے ۱۹۷۹ء میں نوبل انعام سے نوازا اور پھر ایک مخصوص پروگرام کے تحت پوری دنیا میں اس کے نام کی تشہیر کی گئی۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے اس نوبل انعام کو اپنے "نبی" مرزا غلام احمد قادیانی کا معجزہ قرار دیا اور اس موقعہ پر اس نے

کہا:

"میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا غلام ہوں' پھر مسلمان ہوں'
اور پھر پاکستانی"

ڈاکٹر عبد السلام نے کون سی سائنسی خدمات سرانجام دیں؟ انسانیت کو اس سے کیا فائدہ پہنچایا؟ پاکستان کو ان سے کیا عزت ملی؟ تاریخ پوچھتی ہے----- زمانہ سوال کرتا ہے!!

اسلام دشمن نوبل انعام ہمیشہ اسلام دشمنوں کو ہی دیتے ہیں۔ کیونکہ نوبل انعام کا بانی' نوبل خود بھی یہودی تھا۔ کیا کبھی یہ انعام مسلمان مشاہیر کو ملا ہے؟ ادب کے شعبے میں حضرت علامہ اقبالؒ کے مقابلہ میں نوبل انعام ایک بنگالی ہندو ٹیگور کو دیا گیا۔ حالانکہ ٹیگور علامہ اقبال کی خاک راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ڈاکٹر عبد السلام کو نوبل انعام ملنے پر تبصرہ کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کے عظیم سائنس دان ڈاکٹر عبد القدیر فرماتے ہیں:

"وہ بھی نظریات کی بنیاد پر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبد السلام ۱۹۵۹ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے۔ آخر کار آئن سٹائن کی صد سالہ یوم وفات پر ان کو مطلوبہ انعام دے دیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے جو ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔ یہودی چاہتے تھے کہ آئن سٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا جائے۔ سو ڈاکٹر عبد السلام کو بھی انعام سے نوازا گیا"۔

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور' ۶ فروری ۱۹۸۶ء)

یہ تو تذکرہ ہے یہودیوں کی نوازش کا' اب جہاں تک ڈاکٹر عبد السلام کی اہلیت و قابلیت کا ذکر ہے' تو آنجہانی جس دور میں گورنمنٹ کالج میں لیکچرار تھے تو ان کے طلباء ان کے پڑھانے کے طریقہ سے مطمئن نہ تھے اور کالج کے پرنسپل نے ان کی پرسنل فائل میں لکھا تھا کہ وہ ایک نااہل استاد ہیں جو اپنے شاگردوں کو مطمئن کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ شخص جو اپنے کالج کے طلباء کو مطمئن نہ کر سکا لیکن وہ نوبل انعام کے لیے بین الاقوامی یہودی دماغوں کو مطمئن کر گیا' نوبل انعام کیا چیز ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو ڈاکٹر صاحب کے پرائمری فیل پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی کو "نبوت" عطا کر دی تھی۔

جب ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے مسلمانوں کے زبردست مطالبہ اور تحریک کے نتیجہ میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو کافر قرار دیا تو ڈاکٹر عبدالسلام اس فیصلے پر احتجاج کرتے ہوئے پاکستان چھوڑ کر انگلستان چلا گیا اور پھر پوری دنیا میں گھوم کر پاکستان کی قومی اسمبلی اور اس عظیم فیصلے کے خلاف خوب زہر اگلا۔ اس فیصلے کے کچھ مدت بعد پاکستان میں ایک بہت بڑی سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے ڈاکٹر عبدالسلام کو بھی کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا لیکن ڈاکٹر عبدالسلام نے انتہائی غصہ میں اس کا جواب بھیجا:

"میں اس لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا' جب تک آئین میں کی گئی ترمیم (قادیانی ترمیم) واپس نہ لی جائے"۔

یہ زہریلا جواب سن کر پوری پاکستانی قوم میں غم و غصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔

آنجہانی ڈاکٹر عبدالسلام کی بھارت کے سابقہ وزیراعظم راجیو گاندھی سے بڑی دوستی تھی۔ وہ کبھی پوشیدہ اور کبھی اعلانیہ بھارت کا دورہ کرتا۔ بھارت جب بھی کوئی نیا اسلحہ بناتا تو وہ ہمیشہ بھارت کو مبارک باد بھیجا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب قادیانیوں نے اپنا سالانہ عالمی جلسہ بھارت میں کرنے کا فیصلہ کیا تو بابری مسجد شہید کرنے والے اور ہزاروں کشمیریوں کا خون پینے والے بھارت نے انہیں بخوشی اجازت دے دی اور ان کے راستے میں اپنی پلکیں بچھا دیں۔ بھارتی ٹی وی اور بھارتی اخبارات نے قادیانیوں کے ارتدادی پروگرام کو خوب کوریج دی۔ پاکستان سے جانے والے ہزاروں قادیانیوں کی واہگہ بارڈر پر بڑی آؤ بھگت کی گئی اور انہیں باراتیوں کی طرح قادیان لے جایا گیا اور جلسہ ختم ہونے پر انہیں تحائف دے کر بڑی تکریم سے روانہ کیا گیا۔ سوال اٹھتا ہے کہ بھارتیوں اور قادیانیوں میں اتنی محبت کی کیا وجہ ہے؟ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے "اسلام اور پاکستان دشمنی"۔

اب ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو پاکستان کی سرزمین میں دفن کیا گیا ہے تو شہیدوں کی یہ سرزمین اپنے بیٹوں سے سوال کرتی ہے کہ مجھے "لعنتی" کہنے والا میرے پیٹ میں کیوں دفن کیا گیا ہے؟

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اے نوجوانانِ ملتِ اسلامیہ!

اے ختم نبوت کے شاہینو!

اے صدیق اکبرؓ کی تحفظ ختم نبوت کی فوج کے دلاور سپاہیو!

اے معاذؓ اور معوذؓ کے جذبوں کے امینو!

اے طارق و قاسم کی جراتوں کے وارثو!

ایک خطرناک سازش کے تحت اس غدار اسلام' غدار وطن اور غدار ملت اسلامیہ کو سائنسی ہیرو بنا کر نصابی کتب میں شامل کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ کالجوں کی لائبریریوں اور لیبارٹریوں کو اس کے نام سے منسوب کرنے کے لیے کچھ خفیہ چہرے سرگرم ہیں۔ نبوت محمدیؐ کے اس باغی کے مکان واقع جھنگ کو ایک قومی یادگار کے طور پر محفوظ کرنے کے پروگرام بن رہے ہیں۔

اسلام کے بیٹو! آؤ عہد کریں کہ ہم اس غدار کے نام کو اپنی نصابی کتب میں شامل نہیں ہونے دیں گے۔ ہم اپنے کالجوں اور سکولوں کے کسی بھی شعبہ کو یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ کے نام سے منسوب نہیں ہونے دیں گے۔ ہم اس کے منحوس اور ناپاک مکان یعنی "قادیان ہاؤس" کو قومی یادگار نہیں بلکہ "عبرت گاہ" بنا دیں گے۔ کیونکہ یہ ملک ہمارے آقا جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام پر بنا ہے۔ اس لیے اس ملک میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دشمن اور گستاخ کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

جن کو نہ ہو کچھ پاس پیغمبر کے ادب کا
چن چن کے میں اس قوم کو مٹی میں ملا دوں
اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت
میں اس کے لیے راہ میں آنکھوں کو بچھا دوں
(ظفر علی خان)

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدالسلام
کو
نوبل پرائز کیوں مِلا؟

محمد ازہر

گزشتہ ماہ معروف قادیانی اور نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کی موت کی خبر کو حسب مزاج و فطرت' عالمی ذرائع ابلاغ بی بی سی اور وائس آف امریکہ وغیرہ نے اسلام دشمنی سے بھرپور تبصروں کے ساتھ نشر کیا' مگر دکھ اس بات پر ہوا کہ بعض پاکستانی اخبارات میں بھی آنجہانی کے بارے میں ایسے مضامین شائع ہوئے' جن میں اسے نوبل انعام یافتہ ہونے کے حوالے سے نابغہ روزگار شخصیت اور محیرالعقول ہستی قرار دیتے ہوئے پاکستان سے اس کی محبت و وفا کے گن گائے گئے ہیں اور یہ تاثر دیا گیا کہ وہ خاک وطن سے پیار کرنے والی عظیم شخصیت تھی' مگر اسے اور اس کی قوم کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ملک سے باہر رہنے پر مجبور کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

روزنامہ "خبریں" میں جناب انور سدید اور محترمہ افضل توصیف کے مضامین بھی اعتدال سے معری تھے۔ اس لیے پراپیگنڈہ کے اس غبار میں چند حقائق از سر نو ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

نوبل انعام سویڈن کے سائنس دان "الفرڈ نوبیل" کی یاد میں اس شخص یا اشخاص کو دیا جاتا ہے' جو فزکس' فزیالوجی' کیمسٹری یا میڈیسن' ادب اور امن کے شعبوں میں کوئی نمایاں اور امتیازی کارنامہ انجام دیں۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو یہ انعام طبیعات کے شعبہ میں کام کرنے والے تین اشخاص کو مشترکہ طور پر دیا گیا' جن میں ایک ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی تھے۔ قادیانیوں نے اپنے مخصوص مفادات کے تحت پوری دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اس انعام کی غیر معمولی تشہیر کی اور اسے مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت و نبوت کا معجزہ قرار دیا۔ حالانکہ ایک صدی قبل شروع ہونے والا یہ انعام اس سے پہلے متعدد یہودیوں' عیسائیوں اور ہندوؤں کو مل چکا ہے۔

ہر سال ملنے والا یہ انعام ہندو سرسی' وی رمن' بنگالی ہندو ادیب رابندر ناتھ ٹیگور' امریکہ کے ہنری کسنجر' سابق اسرائیلی وزیراعظم مسٹر بیگن اور مشہور عیسائی راہبہ "ٹریسا" کو بھی مل چکا ہے' مگر کسی ہندو' یہودی اور عیسائی نے یہ احمقانہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے نوبل انعام ملنا ہندومت' یہودیت' یا عیسائیت کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اسے خرق عادت واقعہ کے طور پر پیش کرنا صرف قادیانیوں کی شعبدہ بازی ہے۔ البتہ نوبل انعام یافتگان میں ایک قدر مشترک ہے کہ وہ سب کے سب غیر مسلم ہیں اور منصفان سویڈن کی نظر میں اب تک کوئی مسلمان اس "شرف" کو حاصل نہیں کر سکا۔ جو لوگ رابندر ناتھ ٹیگور کو ادب کا نوبل پرائز دے سکتے ہیں اور علامہ اقبال مرحوم جیسے مفکر کو نظرانداز کر سکتے ہوں' ان کی بالغ النظری کی داد دینی چاہیے۔ علامہ مرحوم کا اس کے سوا کیا جرم ہے کہ وہ ایک سچے' کھرے مسلمان تھے' جبکہ رابندر ناتھ ٹیگور ہندو تھا۔

سائنس کے میدان کو لیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے نامور سائنس دان اور محب وطن سپوت ڈاکٹر عبدالقدیر خان تو نوبل انعام کے لیے نااہل قرار پائیں' جبکہ ڈاکٹر عبدالسلام اس کی ہر طرح سے لیاقت رکھتا ہو۔ اسلام دشمنوں کی نظر میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے مقابلہ میں ڈاکٹر عبدالسلام میں کوئی "خوبی" تھی تو وہ یہی تھی کہ وہ قادیانی تھا اور اسلام اور مسلمانوں کا یہودیوں سے بڑھ کر دشمن تھا۔ ممکن ہے' اس تجزیہ کو کوئی روشن خیال' تنگ نظری اور تعصب پر محمول کرے۔ ان کی خدمت میں پاکستان کے نامور اور باخبر صحافی' ادیب اور کالم نگار جناب زاہد ملک کی معروف تالیف "ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم" میں ڈاکٹر عبدالسلام کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اور ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں یہ بات کھلا راز ہے کہ وہ پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کے خلاف ہیں اور ملتان کانفرنس میں بھٹو سے اسی بات پر بگڑ گئے تھے۔ اسے جو "نوبل پرائز" ملا ہے' اس کی حقیقت اس امر سے آشکار ہو جاتی ہے کہ اسے سیاسی مقاصد کے لیے یہودیوں نے آئن شائن کی صد سالہ برسی پر اس کے لیے منتخب کیا تھا۔ پھر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں' نیلور پلانٹ کی ڈیزائننگ میں اہم کردار ادا کرنے والے زاہد سعید کو گوشہ گمنامی میں دھکیلنے میں سب سے اہم کردار ڈاکٹر عبدالسلام نے ادا کیا"۔

("ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم" ص ۱۲۴' طبع سوم' ۱۹۸۹ء)

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے اس انٹرویو کا ایک سوال و جواب پیش ہے:

س : ڈاکٹر عبدالسلام صاحب (قادیانی) کو جو نوبل انعام ملا ہے' اس کے بارے میں آپ کی رائے؟

ج : میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

"وہ بھی نظریات کی بنیاد پر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام ۱۹۵۷ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے۔ آخرکار آئن سٹائن (یہودی) کے صد سالہ یوم وفات پر ان کا مطلوبہ انعام دے دیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے' جو ایک عرصہ سے کام کر رہا ہے۔ یہودی چاہتے تھے کہ آئن سٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا جائے۔ سو ڈاکٹر عبدالسلام کو بھی انعام سے نوازا گیا"۔

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور ۶ر فروری ۱۹۷۶ء جلد ۲۷' شمارہ ۴)

اخباری مضامین میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"ڈاکٹر عبدالسلام نے اٹلی میں ایک سائنسی ادارہ قائم کیا ہوا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ نوجوان پاکستانی سائنس دان اس سے مستفید ہوں"۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام اول تا آخر قادیانی تھا۔ سائنسی ادارہ کے قیام اور اس کے مقاصد میں بھی اس نے قادیانیت کے فروغ کو شامل رکھا۔ قادیانی ماہنامہ "تحریک جدید" کا یہ اقتباس اصل صورتحال کی نقاب کشائی کرتا ہے:

"حضور (مرزا طاہر) نے فرمایا اٹلی میں پہلے بھی جماعت کے نمائندے بھجوا کر اٹلی کو جماعت سے متعارف کرانے کی کوشش کی گئی تھی اور اب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے ذریعے سے بھی اس تقریب کا بندوبست کیا گیا' جس میں توقع سے زیادہ معززین تشریف لائے جو کہ پہلے احمدیت سے متعارف نہ تھے۔ اس میں ٹیلی ویژن کے نمائندے بھی موجود تھے"۔

("تحریک جدید ربوہ" ص ۷' اکتوبر ۱۹۸۵ء)

جو لوگ ڈاکٹر عبدالسلام کو "محب وطن" قرار دیتے ہوئے' اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں' وہ یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام یہودی لابی کا مہرہ تھا اور قادیانی امت کا ایک ممتاز فرد۔ اس کی تمام تر وفاداریاں اپنے

ہم مذہب افراد سے تھیں۔ چنانچہ حب الوطنی کا یہ پردہ اس وقت چاک ہوگیا' جب ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تو ڈاکٹر عبدالسلام' صدر پاکستان کے سائنسی مشیر کے عہدے سے احتجاجاً مستعفی ہو کر لندن چلا گیا اور جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اس کو ایک سائنسی کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھجوائی تو اس نے پاکستان کے بارے میں نہایت گندے اور توہین آمیز ریمارکس لکھ کر دعوت نامہ واپس کر دیا۔ ہفت روزہ "چٹان" کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی۔ کانفرنس میں شرکت کے لیے ڈاکٹر عبدالسلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے' جب قومی اسمبلی نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا۔ یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر عبدالسلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیراعظم سیکرٹریٹ کو بھیج دیا: "میں اس لعنتی ملک میں قدم نہیں رکھنا چاہتا' جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے"۔

مسٹر بھٹو نے جب یہ ریمارکس پڑھے تو غصے سے ان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ انہوں نے اشتعال میں آکر اسی وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سیکرٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو فی الفور برطرف کر دیا جائے اور بلا تاخیر نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے۔ وقار احمد نے یہ دستاویز ریکارڈ میں فائل کرنے کے بجائے اپنی ذاتی تحویل میں لے لی' تاکہ اس کے آثار مٹ جائیں۔ وقار احمد بھی قادیانی تھے' یہ کس طرح ممکن تھا کہ اتنی اہم دستاویز فائلوں میں محفوظ رہتی"۔

(ہفت روزہ "چٹان" جون ۱۹۸۶ء' شمارہ ۲۲)

پاکستان کے خلاف ایسے توہین آمیز الفاظ بکنے والے کو "محب وطن" ہونے کا سرٹیفکیٹ دینا یقیناً بہت دل گردے کی بات ہے۔

بعض حضرات یہ منطق پیش کرتے ہیں کہ اسلام ہمیں رواداری اور کشادہ دلی کی تعلیم دیتا ہے۔ عیسائی و یہودی سائنس دانوں کا تذکرہ اگر ان کے مذہب کو زیر بحث لائے بغیر کیا جا سکتا ہے تو قادیانی کو ایک سائنس دان کی حیثیت سے خراج تحسین پیش کرنے میں کیا حرج ہے؟ ان حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ

قادیانیوں کو عیسائی اور یہودی سائنس دانوں کی فہرست میں شمار کرنا ان کی شر انگیزی' اسلام دشمنی اور ملت اسلامیہ کے خلاف گہری سازشوں سے بے خبری کی دلیل ہے۔ یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں' نیز وہ اپنا تعارف یہودی اور عیسائی ہی کی حیثیت سے کراتے ہیں' جبکہ قادیانی اپنے باطل مذہب کی اشاعت و ترویج کے لیے "اسلام" کا نام استعمال کرتے ہیں اور نوجوان مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

اگر آپ کی حکومت و سلطنت کا باغی' مجرم' لائق سزا اور ذاتی اوصاف کے باوجود گردن زدنی ہے' تو خدا اور رسولؐ کی سلطنت و نبوت کا باغی اور مجرم قابل مواخذہ کیوں نہیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کی حکم عدولی اور بغاوت تو جرم ہے مگر خدا احکم الحاکمین کی حکم عدولی اور بغاوت جرم نہیں۔ رواداری اور کشادہ دلی کا اوصاف کمال ہونا بے محل' لیکن خدا اور رسولؐ اور دین و ملت کے غداروں کے لیے رواداری کا وعظ بالکل بے محل ہے۔ جو لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کفر و ارتداد یعنی قادیانیت کا پرچار کرتے ہوں اور بے خبر مسلمانوں کی متاع ایمان پر مکر و خدع کے ساتھ ڈاکہ ڈالتے ہوں' ایسے مجرموں سے چشم پوشی کرنا اگر رواداری اور کشادہ دلی ہے تو بے غیرتی اور بے حسی کا معلوم نہیں کیا نام ہے؟

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدالسلام کے نظریات

سرفراز جبرئیلی

۱۷؍ دسمبر ۱۹۹۶ء کو روزنامہ "خبریں" لاہور' میں "ڈاکٹر عبدالسلام ایک موحد سائنس دان" کے عنوان سے مبشر مجید باجوہ کا ایک کالم شائع ہوا' جس کے ذریعے قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ صرف ڈاکٹر عبدالسلام کا Unification کا نظریہ ہی سائنس کے ذریعے وحدانیت کے ثبوت مہیا کرتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی شخص بھی ارتقاء کے اس مقام تک نہیں پہنچا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ڈارون تھیوری کے مطابق سب بندر اور لنگور ہی تھے۔ اس سے چند روز پہلے ۱۴؍ دسمبر ۱۹۹۶ء "ڈاکٹر عبدالسلام کون تھا؟" کے عنوان سے محمد ارشد مدنی کا ایک کالم بھی شائع ہوچکا ہے' جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا تھا اور قادیانیت کی تبلیغ بھی کرتا تھا۔

اگر وہ قادیانیت کے ذریعے وحدانیت کی تبلیغ کرنا چاہتا تھا تو یہ وحدانیت تو سکھوں میں بھی ہے' جو اس سے لاکھ درجے بہتر شکل میں ہے۔ کیونکہ بابا گورونانک نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ صوفی ازم کی حد تک ہی وحدانیت کا پیغام دیا۔ مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کے علاوہ قادیانیوں کے ہاں صوفی ازم سے اجتناب کی تلقین کی جاتی ہے۔ چنانچہ اب کس کی وحدانیت کو صحیح سمجھا جائے۔ یعنی سکھوں یا ڈاکٹر عبدالسلام کے ذریعے قادیانیوں کی۔ جہاں تک قادیانیوں کا تعلق ہے' یہ بات آہستہ آہستہ ثابت ہو رہی ہے کہ وہ اکثر دوسروں کی کم علمی کا فائدہ اٹھا کر انہیں قادیانی بناتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے اپنی ہر چیز انگریزی اور دوسری کتابوں سے مستعار لی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر ہولگر کرسٹن کی لکھی ہوئی ایک کتاب "جیسس لیوڈ ان انڈیا" جو حیدر علی مولجی طہ۔ ۱۰۶ عالمگیر روڈ شرف آباد کراچی کی دوبارہ اشاعت ہے' اس وقت بھی میرے پاس رکھی ہوئی ہے لیکن قادیانیوں نے اس کا تھوڑا تھوڑا ترجمہ مار کر "یسوع مسیح

ہندوستان میں" لکھ ڈالی اور اسے مرزا صاحب کا الہام قرار دیا۔ یعنی یہ بات مرزا صاحب کو الہامی طور پر معلوم ہوئی کہ یسوع مسیح کی قبر کشمیر میں ہے' یعنی یسوع مسیح کی روح مرزا صاحب کی شکل میں دوبارہ ظہور پذیر ہوئی۔ (نعوذ باللہ) مرزا صاحب کے اپنے اوپر کوئی وحی نہیں آئی اور انہوں نے قرآن مجید فرقان حمید کو ہی اپنے حق میں نیشنلائز کر لیا۔ گویا یہ کتاب ان پر نازل ہوئی تھی۔ (نعوذ باللہ)

یہ ان دنوں کی بات ہے' جب میں کراچی کی ایک کمپنی میں بطور سیلز انجینئر کام کرتا تھا۔ کاروبار کے سلسلے میں میرا رابطہ سیکورٹی پیپرز لمیٹڈ کے ایک قادیانی انجینئر سے بھی تھا' جو ڈرگ کالونی نمبر ۳ میں میرے قریب ہی رہتا تھا۔ اکثر چائے کے ایک ہوٹل پر ملاقات رہتی تھی۔ میں اسے کوئی نیا سسٹم چلانے کے لیے مناسب الیکٹریکل سرکٹ سمجھایا کرتا تھا' کبھی کبھی مذہب پر بھی بات ہو جاتی تھی۔ ایک دن میں نے اس سے کہا کہ میں نے ایک انگریز مصنف کی کتاب پڑھی ہے' جس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ اگرچہ نبوت کا دعویٰ نہیں کیا لیکن اس کے نظریات مرزا صاحب سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ پہلے تو وہ اس بات پر بہت خوش ہوا لیکن جب میں نے کہا کہ مذکورہ مصنف مرزا صاحب سے بہت پہلے ہوا ہے تو اس کا منہ لٹک گیا۔ یہ باتیں میں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مرزا غلام احمد سمیت قادیانیوں کی زیادہ تر باتیں انگریزوں اور دوسری یورپی قوموں سے مستعار لی ہوتی ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ قادیانی دوسروں کے لیے جو باتیں ناممکن گردانتے ہیں' ان کے اپنے رہنماؤں سے متعلق وہی ممکن بلکہ یقیناً بن جاتی ہیں اور ان کے مذہب کی تخلیق دوسروں کے مستعار لیے ہوئے نظریات کے ڈبے جوڑ کر ہی کی ہوتی ہے۔ ان کے پاس اپنا کوئی نیا پیغام نہیں ہوتا۔ ان سے تو بہاالله ہی بہتر تھا' جس کے پاس نئے پیغامات تھے' مثلاً اس نے سود کو جائز قرار دے دیا۔ قادیانی قرآن کو مانتے ہیں لیکن سودی کاروبار میں شاید یہودیوں سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ یہ ہے وحدانیت کا پیغام جو اب وہ ہمیں نئے طریقے سے یعنی ڈاکٹر عبدالسلام کی سائنس کے ذریعے دینا چاہتے ہیں۔

یہ لوگ دوسروں کو بندر اور لنگور سمجھتے ہیں یعنی بقول ڈارون وہ ابھی ارتقاء کے اس مقام پر نہیں پہنچے جہاں قادیانی پہنچے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی سوچ نازیوں کی بھی تھی لیکن بالاخر انہیں دوسری اقوام کے ہاتھوں شکست کھانا پڑی۔ تاج برطانیہ کے اوپر بیان کردہ اعزازات دیکھنے میں پرکشش نظر آتے ہیں' لیکن اب تک قارئین کو پتہ لگ چکا ہوگا یا لگ جائے گا کہ انہیں حاصل کرنے کے لیے تاج برطانیہ کے روبرو ناک سے لکیریں بھی نکالنی

پڑتی تھیں۔ اگر یہ لوگ ایک طرف ناک سے لکیریں نکال کر آئے ہوتے ہیں تو دوسری طرف لوگوں کی چھاتی پر بھی نہ چڑھیں۔ اوپر بیان کردہ حالات کے مدنظر ڈاکٹر عبدالسلام کو بھی ایک ڈپلومیٹک سطح کا مراعات یافتہ تھیوریٹیکل سائنس دان تو کہا جا سکتا ہے، لیکن وہ موجد کسی چیز کا بھی نہیں تھا۔ ہم نے آج تک کوئی ریل گاڑی، ہوائی جہاز، کار یا ٹیلی ویژن وغیرہ ڈاکٹر عبدالسلام کے بنائے ہوئے نہیں دیکھے؟ Unification یعنی میگنیٹک، الیکٹرو سٹیٹک، ثقل، نیوکلیئر یا دیگر فورسز آف نیچر کو ایک سپر اسٹرکچر میں فٹ کرنے کا نظریہ بھی آئن شائن کا ہے، ڈاکٹر عبدالسلام کا نہیں۔ (حوالہ کتاب "کائنات اور ڈاکٹر آئن شائن" مصنفہ لنکن بارنٹ، ترجمہ میجر آفتاب احمد، پبلشر شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، لاہور اصل انگریزی) موخر الذکر نے اسے بھی آئن شائن کے نظریئے سے مستعار لیا ہے جو کہ قادیانیوں کی پرانی عادات ہے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

انجینئری نہ آئے تو ایجاد کیا کریں
قائم عروج قوم کی بنیاد کیا کریں
خامے سے کام لیتے ہیں بیکار عقل ہے
یا ترجمہ ہے یا پھر کتابوں کی نقل ہے

ڈپلومیٹک بنیاد پر کسی شخص کو پروجیکٹ کرنے کی مثالیں اور بھی ہیں جیسا کہ ایک مفلوج شخص اسٹیفن ہاکنز کا دل خوش کرنے کے لیے اسے ایک اونچے درجے کا سائنس دان قرار دے دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے منسوب کائنات کے تمام نظریات پہلے سے موجود ہیں، اگر کوئی نئی بات ہے تو وہ دلائل پر کمزور ہے۔ ایک مفلوج ہیئت دان کیپلر پہلے بھی ہو گزرا ہے لیکن اس کا تحقیقی کام ازخود تھا اور حیرت انگیز تھا۔ اسٹیفن ہاکنز کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے منسوب کام اس کا اپنا ہے بھی یا نہیں۔ اگر ہے بھی، تب بھی یہ کوئی قابل تعریف کام نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اندھوں کے کسی اسکول میں سویٹر وغیرہ بازار سے خرید کر لٹکا دیئے جاتے ہیں اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ اندھوں نے بنائے ہیں۔ اگرچہ کچھ اندھے حیرت انگیز طور پر ایسے کام کر بھی لیتے ہیں لیکن جو کام دکھایا جاتا ہے وہ سب کا سب اندھوں کا کیا ہوا نہیں ہوتا۔

جہاں تک ڈاکٹر عبدالسلام کے نظریہ Unification کا تعلق ہے، تو عرض ہے کہ ایسے نظریے ان سے پہلے کے سائنس دانوں مثلاً نیوٹن اور آئن شائن کے

علاوہ قدیم مسلمان سائنس دانوں کے بھی ہیں۔ قادیانی' ڈاکٹر عبدالسلام کے علاوہ دوسروں کو ڈارون تھیوری کے بندر اور لنگور وغیرہ نہ سمجھیں۔ آئن شائن کا وحدانیت سے اپنا ایک نظریہ لارجر سٹور ہاؤس آف وزڈم تھا لیکن وہ اسلام کے وحدانیت کے تصور سے بہت مختلف تھا۔ تو جناب اگر وحدانیت بھی مختلف قسم کی ہوتی ہے' یعنی آئن شائن کی' سکھوں کی' قادیانیوں کی اور مسلمانوں کی تو پھر ان میں سے کس وحدانیت کو اختیار کیا جائے؟

۲۹ نومبر ۱۹۹۶ء کو "خبریں" کے ادارتی صفحہ پر ایک کالم پڑھا' جس پر افضل توصیف صاحبہ نے پہلی سطر میں سوال کیا تھا کہ "ڈاکٹر عبدالسلام کون ہے؟" میں اسی سوال کا جواب وضاحت کے ساتھ دینا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے ناسمجھ مسلمانوں اور رواداری کی رٹ لگانے والوں کی سمجھ میں آسکے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کون تھا؟

ڈاکٹر عبدالسلام' مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار تھے۔ ہر قادیانی کی طرح ڈاکٹر صاحب بھی مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ کا رسول اور پیغمبر تسلیم کرتے تھے اور ان کے تمام دعاوی پر ڈاکٹر صاحب کا ایمان تھا۔ جب کوئی شخص قادیانیت قبول کرتا ہے تو اس سے ایک فارم پر کروایا جاتا ہے' جس میں تحریر ہوتا ہے کہ میں حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعاوی پر ایمان لاتا ہوں۔ نوبل انعام ملنے پر ڈاکٹر عبدالسلام نے اسے مرزا غلام احمد قادیانی کا معجزہ قرار دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تمام تحریریں ڈاکٹر عبدالسلام اور مرزا طاہر احمد سمیت ہر قادیانی کے ایمان اور عقیدے کا حصہ ہیں۔ بالکل اسی طرح' جس طرح ہمارے پیغمبرؐ کے ارشادات و احادیث و اعمال تمام مسلمانوں کے ایمان و عقیدے کا حصہ ہیں۔

اس تمہید کے بعد میں' مرزا غلام احمد قادیانی کی چند تحریریں اور قادیانی مذہب کے متعلق کچھ باتیں عرض کروں گا۔ (نقل کفر' کفر نہ باشد)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۴۸-۵۴۷' مندرجہ "روحانی خزائن" ج۵' پر اپنے مخالفین کے متعلق لکھا ہے:

"میری ان کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے' مجھے قبول کرتا ہے اور میرے دعویٰ کی تصدیق کرتا

ہے مگر رنڈیوں (بدکار عورتوں) کی اولاد' جن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے' وہ مجھے نہیں مانتے"۔

ایک اور کتاب "نجم الہدیٰ" کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے:

"مرزا قادیانی کے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں"۔

روزنامہ "زمیندار" لاہور کے ۸ر فروری ۱۹۵۰ء کے شمارے میں لکھا تھا:

"بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی وفات کے بعد سر ظفراللہ خان قادیانی نے پاکستان کے وزیر خارجہ ہوتے ہوئے' بابائے قوم کی نماز جنازہ میں شامل ہونے اور انہیں آخری خراج عقیدت پیش کرنے سے' یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اسے غیر مسلم ریاست کا مسلمان وزیر خارجہ یا مسلم ریاست کا غیر مسلم وزیر خارجہ سمجھ لیا جائے"۔

قادیانی اخبار روزنامہ "بدر" قادیان کی اشاعت ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء میں مرزا قادیانی کے ایک مرید قاضی ظہور الدین اکمل کی ایک نظم شائع ہوئی تھی' جس کا ایک بند کچھ اس طرح ہے:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے بڑھ کر ہیں اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

یہ اشعار قاضی اکمل نے لکھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کو سنائے تو مرزا صاحب نے اس پر مسرت کا اظہار کیا۔ ملاحظہ ہو روزنامہ "الفضل" قادیان' ۲۲ر اگست ۱۹۴۴ء۔

مرزا قادیانی نے "تحفہ گولڑویہ" کے حاشیہ' صفحہ ۱۶۵ مندرجہ "روحانی خزائن" ج۱۷' ص ۲۶۳ میں لکھا ہے:

"پیغمبر اسلام اشاعت دین کو مکمل نہیں کر سکے' میں نے اس کی تکمیل کی ہے"۔ (استغفراللہ!)

حضرت امام حسینؓ کے متعلق اپنی کتاب "نزول المسیح" کے صفحہ ۹۹ پر تحریر کیا ہے:

"کربلائے است سیر ہر آنم
صد حسینؓ است در گریبانم"

"یعنی کربلا تو میری روز کی سیرگاہ ہے' حسینؓ جیسے سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں"۔ (نعوذ باللہ)

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب "ازالہ الاوھام" لاہوری طبع' صفحہ ۳۴۶' مندرجہ "روحانی خزائن"' ج۲۱' صفحہ ۲۷۴-۲۷۳ میں لکھا ہے کہ

"رسول اکرمؐ بعض نازل شدہ پیغامات کو سمجھ نہیں سکے اور ان سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں"۔ (العیاذ باللہ)

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب "تحفہ گولڑویہ" کے صفحہ ۱۲ پر اپنے گندے قلم کے ساتھ آنحضرتؐ کے روضہ مبارک مطہر کی گستاخی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

خدا تعالٰی نے آنحضرتؐ کو چھپانے کے لیے ایک ایسی ذلیل جگہ تجویز کی' جو نہایت متعفن اور تنگ و تاریک اور حشرات الارض کی نجاست کی جگہ تھی"۔ (نعوذ باللہ)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب "خطبہ الھامیہ" صفحہ ۱۷۱' مندرجہ "روحانی خزائن"' جلد۱۶' صفحہ ۹۵۲' میں لکھا ہے کہ:

جو میرے اور محمد رسولؐ اللہ کے مابین تفریق کرتا ہے اس نے نہ مجھے دیکھا ہے' نہ جانا ہے۔ میرا وجود محمد رسولؐ اللہ کا وجود ہوگیا"۔ (العیاذ باللہ)

ڈاکٹر عبدالسلام کی وکالت کرنے والے بے خبریا بے حس مسلمانو! یہ ہیں ڈاکٹر صاحب سمیت سب قادیانیوں کے عقائد۔ لیکن افسوس کہ ہمارے مسلمان پھر بھی ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام تو وہی ہے کہ ۱۹۷۴ء میں جب قادیانیوں کو غیر مسلم اور کافر قرار دیا گیا تو اس نے یہ کہہ کر خود ساختہ جلاوطنی اختیار کی کہ وہ اس لعنتی ملک میں نہیں رہ سکتا اور بھٹو دور میں سائنسی مشیر کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور بھٹو صاحب کے اصرار کے باوجود ملک سے باہر چلے گئے۔

غدارِ پاکستان

ڈاکٹر عبدُالسّلام
اسلام اور پاکستان
دشمن شخصیّت

محمد نوید شاہین

۱۹ر دسمبر ۱۹۷۹ء "گارجین" (برطانوی روزنامہ) لکھتا ہے: "اس سال کے وسط میں جب بین الاقوامی شہرت یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو سٹاک ہوم میں نوبل انعام کی ایک تہائی رقم سے نوازا گیا' تو عبدالسلام نے سویڈش اخبار نویس البرٹ لیلٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا "میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد (قادیانی) کا غلام ہوں' پھر مسلمان ہوں اور پھر پاکستانی"۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی سیاہ اچکن' سفید پگڑی اور پاؤں کے خم دار کڑھائی دار جوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میرا یہ لباس اولاً مرزا صاحب (غلام احمد قادیانی) کی مطابقت میں ہے' ثانیاً پاکستانی ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے"۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور' ۱۴ر جون ۱۹۹۰ء)

"نوبل انعام ---! تاریخی اور شرعی حیثیت"

اس عنوان سے مولانا محمد ارشاد قاسمی لکھتے ہیں:

"عرصہ سے اخبارات' رسائل اور ریڈیائی خبروں میں "نوبل انعام" کا ذکر آتا ہے۔ لوگ پڑھتے ہیں' سنتے ہیں' سرسری نظروں سے گزر جاتے ہیں' بس سمجھتے ہیں کہ کوئی بھاری بھرکم انعام ہے۔ اس مشغول و معروف دنیا میں کسے فرصت کہ اس کی تاریخ و حقیقت معلوم کرے کہ اس کی کیا حقیقت ہے' کہاں سے آتا ہے' کس کو ملتا ہے' کیا اغراض و مقاصد ہیں' اس کی شرعی و اسلامی حیثیت کیا ہے؟

جب سے یہ نوبل انعام ہند کے ناموروں کو ملا ہے' اس کا چرچا زیادہ ہوگیا ہے اور اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے' خاص کر کے ابھی کچھ عرصہ پہلے جب ایک سائنس دان ہونے کی حیثیت سے مسٹر عبدالسلام کو نوبل انعام ملا ہے' تب سے یہ بڑی اہمیت کا حامل ہوگیا ہے' اور اسے ایک اہم ترین معجزہ قرار دیا جانے لگا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ

نوبل انعام کے حقائق سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

نوبل انعام اور اس کی تاریخ

ملک سویڈن میں ایک بڑا ماہر سائنس دان پیدا ہوا' جس کا پورا نام الفرڈ این ہارڈ نوبیل تھا۔ سویڈن کے دارالحکومت سٹاک ہوم میں یہ ۲۱ر اکتوبر ۱۸۳۳ء کو پیدا ہوا اور ۶۳ سال کی عمر پا کر ۱۰ر دسمبر۱۸۹۶ء کو اٹلی میں وفات پا گیا۔

یہ ایک کیمیا دان اور انجینئر تھا' اسی نے ڈائنامیٹ ایجاد کیا۔ جنگی آلات تار پیڈ وغیرہ پر اس کی بڑی تحقیقات ہیں۔ اس شخص نے نہایت ہی خوفناک تباہ کن آلات تیار کیے' یہی اس کا فن تھا۔ اس نے دنیا کو مہلک ہتھیاروں کا سبق پڑھایا۔ اسی تحقیقات میں اس کے خاندان کے کئی افراد ہلاک ہوئے۔ ڈائنامیٹ کا تجربہ کرتے ہوئے اس کے بھائی سمیت تین افراد کی ہلاکت ہوگئی تھی۔ اس واقعہ نے اسے دل برداشتہ کر دیا' چنانچہ اس سے متاثر ہو کر اس نے اپنی جائیداد کا ایک بڑا حصہ انعام کے لیے وقف کر دیا۔ وقف کی رقم قریب ایک سو سال قبل' نراسی لاکھ گیارہ ہزار ڈالر تھی اور یہ وصیت کی کہ اصل رقم تو بینک میں محفوظ رہے اور اس کے سود سے انعام دیا جائے۔

نوبل انعام حقیقی سود ہے

الفرڈ' بانی نوبل نے اصل رقم تو بنک میں محفوظ رکھنے کی وصیت کی اور اس پر سالانہ سود جو بنک دے گا' اس سودی رقم کو انعام میں دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ چنانچہ یہی سودی رقم' انعام میں دی جاتی رہی ہے۔

جو کمیٹی اب یہ انعام دیتی ہے' اس کا نام نوبل فاؤنڈیشن رکھا گیا ہے۔ یہ کمیٹی ہر سال پانچ انعام تقسیم کرتی ہے۔

انعام کا ضابطہ

یہ نوبل انعام' فزکس' فزیالوجی' کیمسٹری یا میڈیسن' ادب اور ان لوگوں کو جو امن و مصالحت کے شعبوں میں نمایاں امتیازی کردار ادا کرنے والے ہوتے ہیں' ان کو دیا جاتا ہے۔

انعام کی تقسیم کا طریقہ

یہ انعام محض کمیٹی اپنے تجربات و صوابدید پر نہیں دے دیتی' بلکہ اس کی منظوری اور انتخاب مختلف علمی کمیٹیاں کرتی ہیں۔

نوبل انعام حاصل کرنے والے امیدواروں کے نام مختلف کمیٹیوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں' وہی اس کا حقدار منتخب کرتی ہے۔ چنانچہ اس کا انعام اس کمیٹی کے حوالہ ہوتا ہے' جس کے پانچ ممبر ہوتے ہیں اور اس کا انتخاب ناروجین کی پارلیمنٹ کرتی ہے۔

* ادب پر انعام فرانس اور اسپین کی ایک کمیٹی چنتی ہے۔
* کیمسٹری' فزکس پر انعام کا انتخاب سٹاک ہوم کی سائنس کمیٹی چنتی ہے۔
* فزیالوجی اور میڈیسن پر سٹاک ہوم کی ایک کمیٹی انعام متعین کرتی ہے۔

یہ انعام پانچ لوگوں کو برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔

نوبل انعام کی مقدار

یہ انعام تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے: (ا) سونے کا تمغہ ہوتا ہے' (۲) ۸۰ ہزار پونڈ کی نقد رقم ہوتی ہے' (۳) ایک عدد سرٹیفکیٹ۔

نوبل انعام کی ابتداء

اس نوبل انعام کی تقسیم کا آغاز اس کی پانچویں برسی کے موقع پر ۱۹۰۸ء میں کیا گیا تھا۔ اب تک یہ انعام سینکڑوں افراد کو مل چکا ہے۔ اس میں ہند کے بھی کچھ افراد ہیں۔

ہند میں انعام پانے والے

تاریخی اعتبار سے ہند کے لیے بھی یہ باعث فخر ہے کہ یہاں کے لوگوں نے بھی اس عظیم دنیا میں امتیازی مقام حاصل کر کے نوبل انعام حاصل کیا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں رونددرناتھ ٹیگور کو جو بنگال کا باشندہ تھا' ادب کے شعبہ میں نوبل انعام ملا۔ ۱۹۳۰ء میں سروے رمن کو فزکس میں نمایاں مقام حاصل کرنے کی وجہ سے نوبل انعام ملا۔ ۱۹۷۹ء میں ایک خاتون ثریا کو امن کا نوبل انعام ملا جو ایک عیسائی عورت تھی۔

نوبل انعام پانے والے مسلمان

۱۹۸۷ء میں مصر کے سابق صدر انور سادات کو بھی امن کا نوبل انعام ملا' جس کی

کہانی یہ ہے کہ ۱۹۷۸ء میں اسرائیل کے وزیراعظم مسٹر بیگن کو انعام ملا کہ اس نے اسرائیلی سلطنت عربوں کی زمین پر قائم کر دی۔ صدر انور سادات نے سیاسی مفاد کے پیش نظر' امریکہ کی خوشی کی خاطر' اسرائیل کو تسلیم کر لیا تھا۔ اسرائیلی حکومت کی تسلیم پر نوبل فاؤنڈیشن نے ان کو نوبل انعام دیا۔ ۱۹۵۷ء میں ایک آزاد مصری ادیب' نجیب محفوظ کو ایک ناول پر ادبی انعام ملا۔ اس ناول میں اسلام اور مذہبی پیشواؤں کا مذاق اڑایا گیا تھا' اس پر طنز و تعریض کی گئی تھی' اس ناول کو مصر کی آزاد حکومت نے بھی نظر استحسان سے نہ دیکھا اور اس پر پابندی لگاتے ہوئے ممنوع الاشاعۃ قرار دیا۔

پاکستانی عبدالسلام کو نوبل انعام

۱۹۷۹ء میں عبدالسلام قادیانی کو فزکس میں نوبل انعام ملا۔ اس کے ساتھ دو امریکن سائنس دان بھی شریک رہے' یہ ایک زمانے سے کوشش میں تھے۔۔۔۔ آئن سٹائن کی صد سالہ یوم وفات پر ان کو بھی انعام ملا۔ اس انعام پر قادیانیوں نے پوری دنیا میں دھوم مچا دی۔ قادیانی مذہب کے ایک فرد کا حیرت انگیز کارنامہ بتایا اور اسے ایک معجزہ قرار دیتے ہوئے قادیانیت کی حقانیت کو ثابت کرنا چاہا۔ ہند و پاک کے بے شمار پرچوں نے اس کے نوبل انعام پر خصوصی مضمون شائع کیے' بعض اداروں نے اس پر نمبر بھی نکالا اور اس کے سائنسی کارناموں کو سراہا۔

جہاں تک اس کی سائنسی خدمات اور مہارت و امتیازی کارناموں کی بات ہے' اس کے متعلق تو کوئی بات ہی نہیں مگر قادیانیوں کی یہ بے جا جسارت و حماقت کہ وہ اس انعام کو قادیانیت کی حقانیت کی دلیل بنا کر عوام میں گمراہی پھیلا رہے ہیں' جو کور عقلی کی بات ہے۔

اگر انعام مذہب کی حقانیت و صحت کی دلیل ہوتی' تو پھر دہریوں کا اور ہنود کا مسلک بھی حق ہونا چاہیے کہ اس نے بھی انعام پایا ہے' بلکہ اس کا زیادہ ہونا چاہیے کہ اس نے بلا شرکت غیرے یہ انعام حاصل کیا ہے اور اس قادیانی نے تو مشترک انعام ایک ثلث پایا ہے۔

نوبل انعام کے اغراض و مقاصد اور اس کی سیاسی حیثیت

اس انعام کی تقسیم و انتخاب میں الحادی' صیہونی سیاسی مصالح کارفرما ہیں' ان کے پوشیدہ مفاد و مقاصد وابستہ ہوتے ہیں۔ ذرا آپ انعام پانے والوں پر غائرانہ اور تفتیشانہ

نگاہ ڈالیں۔ ۱۹۰۱ء سے اب تک انعام کا سلسلہ شروع ہے۔ ہر سال پانچ کو دیئے جانے کا ضابطہ ہے اور دیا جاتا ہے۔ قریب ۹۰ سال کے عرصہ میں اس دنیا عظیم میں کوئی ایک بھی مسلمان اس لائق پیدا نہ ہوا' جو اس انعام کا حقدار ہوتا۔ کیا علم' ادب' تصنیف' تالیف' امن و شانتی کی لائن میں کوئی نام لیواء اسلام ایسا نہ ہوا۔ حیرت در حیرت ہے کہ تمام انعام پانے والے الحادی و صیہونی مزاج والے یا یہود و نصاریٰ ہی ہوئے۔

اہل تاریخ پر یہ بات مخفی نہیں کہ اس مدت میں کتنے ادیب' شاعر' صاحب فن مسلمان ہوئے۔ ان میں سے کسی پر بھی ان کی نگاہیں نہ اٹھ سکیں۔ کیا علامہ اقبالؒ کے ادبی شاعرانہ کاموں سے دنیا واقف نہیں۔ یورپ میں ان کی کتنی کتابوں کا ترجمہ شائع ہو کر مشہور ہوچکا ہے۔

محمد علی جوہر' اکبر' حسرت موہانی وغیرہ کی ادبی خدمات سے' رونددر ناتھ بنگالی کی بنگالی ادبی خدمات زائد ہیں؟ ہرگز نہیں--- کیا طب میں حکیم اجمل کے حیرت انگیز کارنامے دنیا کے سامنے نہیں ہیں۔ ہاں مگر یہ کہ یہ مسلمان تھے۔

رہی بات انور سادات کو نوبل انعام دینے کی۔ اسے تو ایک سیاسی مفاد سے وابستہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا کہ اس نے عربوں کی زمین پر اسرائیلی قبضہ کو تسلیم کیا۔

عبدالسلام قادیانی کے نوبل انعام کی وجہ بھی اسی طرح ہے۔ قادیانیوں کا اسرائیل میں ایک مشن ہے' جو عرصہ سے کام کرتا ہے اور اسلام کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کی پیہم کوشش کرتا ہے' مرزا قادیانی کی اشاعت کرتا ہے۔ یہودی چاہتے تھے کہ آئن شائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کیا جائے۔ سو ڈاکٹر عبدالسلام کو بھی انعام سے نوازا گیا۔

انعام کی شرعی حیثیت

یہ انعام خالص سود کی رقم ہے' جس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (مسلم شریف)

نوبل انعام کا لینا قرآن و حدیث کے خلاف ہے"۔

(ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی' جلد ۹' شمارہ ۴۴' اپریل ۱۹۹۴ء)

نوبل انعام کی مغربی سیاست

اس عنوان سے تنویر قیصر شاہد لکھتے ہیں:

"گیارہ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو ناروے کے ایک اخبار "آفٹن پوسٹن" نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ خبر شائع کی کہ رواں سال کے لیے امن کا نوبل انعام یاسر عرفات اور اسرائیلی وزیراعظم رابن کو دینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ یہ خبر بہت سے حلقوں کے لیے اس لیے بھی حیرت خیز تھی کہ ابھی نوبل انعام کمیٹی کی طرف سے انعام یافتگان کا باقاعدہ اور باضابطہ اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ نوبل انعام کمیٹی کو اپنی خفیہ میٹنگوں پر بڑا ناز رہا ہے مگر اس بار اندرونی اور بند کمروں میں کیے جانے والے فیصلے وقت سے پہلے عوام الناس تک پہنچ گئے۔ ستمبر ۱۹۹۳ء میں وہائٹ ہاؤس کے سبزہ زار میں امریکی صدر نے جب معاہدہ امن پر دستخط کرانے کے بعد، تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کے سربراہ یاسر عرفات اور اسرائیلی وزیراعظم رابن کا باہمی معانقہ اور مصافحہ کروایا تو اسی روز سے مغربی اور امریکی اخبارات کے تجزیہ نگاروں کا اندازہ تھا کہ اگلے سال امن کا نوبل انعام ان دونوں شخصیات کو دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ "آفٹن پوسٹن" کی مذکورہ بالا انکشاف انگیز خبر کی اشاعت سے دو روز قبل شائع ہونے والے امریکی ہفت روزہ جریدے "یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ" کے مدیر معاون مائیکل روبی نے اپنے یک صفحاتی آرٹیکل میں لکھا:

"قرائن بتاتے ہیں کہ چودہ اکتوبر بروز جمعہ کو اوسلو میں نوبل انعام کمیٹی جن ناموں کا اعلان کرنے والی ہے، ان میں یاسر عرفات، رابن، جمی کارٹر، نیلسن منڈیلا اور ڈی کلارک شامل ہوں گے۔ یہ بھی اندازہ ہے کہ یاسر عرفات اور رابن اور دوسری طرف منڈیلا اور ڈی کلارک کو برابر برابر انعامی رقم دی جائے گی جب کہ تیسرا حصہ جمی کارٹر، سابق صدر امریکہ کے حوالے کیا جائے گا۔ جمی کارٹر نے شمالی کوریا اور ہیٹی کے بحرانوں کو مقدور بھر حل کرنے میں امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر سے بڑھ کر کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ نقادوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ کارٹر کی یہ بھاگ دوڑ کلنٹن کی خارجہ پالیسی کو ہائی جیک کرنے کے مترادف ہے"۔

یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ (۱۰ تا ۱۷ اکتوبر اشاعت) کی یہ پیش گوئی نصف درست ثابت ہوئی۔ جمی کارٹر، نیلسن منڈیلا اور ڈی کلارک کے نام گول کر دیے گئے۔ مگر "آفٹن پوسٹن" کی خبر کا وہ حصہ قابل غور ہے جس میں کہا گیا تھا کہ گزشتہ دو ماہ سے نوبل انعام کی پانچ رکنی کمیٹی میں ایک رکن کی وجہ سے ہنگامے اور جنگ کی سی صورت جاری تھی اور کمیٹی یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آیا یاسر عرفات کو امن کا انعام دیا جائے یا

نہیں۔ وہ رکن جو عرفات سے ذاتی مخاصمت اور پرخاش کی وجہ سے بین الاقوامی اخلاقیات کی ہر حد عبور کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کا نام کیری کرسٹنسن ہے۔ وہ کمیٹی کے بقیہ ارکان کو مسلسل دھمکیاں دیتا رہا کہ اگر یاسر عرفات کو انعام دیا گیا تو وہ کمیٹی سے مستعفی ہو جائے گا۔ کیری کرسٹنسن کھلے عام یاسر عرفات کو دہشت گرد قرار دیتا ہے۔ واضح رہے کہ کیری کرسٹنسن ناروے بھر میں اسرائیل کا زبردست حمایتی خیال کیا جاتا ہے۔ وہ ناروے کا وزیر تیل و توانائی رہ چکا ہے۔ اس نے ایک انٹرویو میں کہا:

"مجھے اسرائیل اور دنیا بھر کے یہودیوں سے جنون کی حد تک محبت ہے۔ میرا باپ پادری تھا اور میں نے اوائل عمری میں یہودیوں کی عظمت کا اعتراف کر لیا تھا۔ میں جب پارلیمنٹ کا رکن بنا تو اول روز سے ہی پارلیمنٹ کے اندر یہودیوں کے لیے کام کرنا شروع کر دیا۔ میری محنتیں رنگ لائیں اور میں ۱۹۷۳ء میں پارلیمنٹ کے اندر ایک مستحکم اسرائیل نواز گروپ بنانے میں کامیاب ہوگیا"۔

وفاداری بشرط استواری کے اس پس منظر میں جب مسٹر کیری کرسٹنسن نے یاسر عرفات کے خلاف طومار باندھا تو کمیٹی کے بقیہ ارکان ان کی ذہنی پراگندگی سے آگاہ تھے' اس لیے کیری کا واویلا اور دھمکیاں ان کی قوت فیصلہ پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔

امریکہ اور مغربی ممالک میں آباد یہودیوں کے لیے بہرحال یہ خبر خوش کن نہیں تھی کہ یاسر عرفات کو امن کا نوبل انعام دیا جانے والا ہے۔

انہوں نے حسب دستور اخبارات و جرائد اور ٹیلی وژن میڈیا کو بروئے کار لا کر اپنی ناگواری' نفرت اور بے زاری کا اظہار کیا ہے اور ایک بار پھر گڑے مردے اکھاڑنے کے مصداق' یاسر عرفات کے پرانے "جرائم" کو ایک ایک کے گنوایا گیا ہے۔ وہ یہ بھول گئے کہ ۱۹۴۹ء میں جب فرانس' انگلستان اور امریکہ کی سازشوں سے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرتے ہوئے ارض فلسطین کے سینے میں اسرائیل کا خنجر پیوست کیا گیا تو ایک دہائی بعد مقامی مسلمان باشندوں پر یہودیوں کے مظالم کے ردعمل میں تنظیم آزادی فلسطین کا قیام عمل میں لایا گیا اور یاسر عرفات نے اپنی دھرتی کو پنجہ یہود سے آزاد کروانے کے لیے مسلح تحریک کا آغاز کر دیا۔ یاسر عرفات کو آج کے مقام تک پہنچنے کے لیے کئی تلخ اور جان لیوا مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ ان کی سرگرمیوں کے پیش نظر مشرق وسطیٰ کی کئی حکومتوں نے' جو امریکہ کے ایک اشارہ ابرو پر سرنگوں ہونا اعزاز خیال کرتے ہیں' ان کا اپنے ہاں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں جب اسرائیل نے

امریکہ کے تعاون سے بیک وقت مصر' اردن اور شام کو شکست دے کر گولان کی پہاڑیوں' سینائی' غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا تو پی ایل او کی مشکلات میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ بعد ازاں اپنے علاقوں کو اسرائیلی قبضہ سے نجات دلانے اور برباد شدہ معیشت کو امریکی سہارا دینے کے لیے مصر کے صدر انور سادات نے امریکہ آکر اسرائیلی وزیراعظم مناہم بیگن سے کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط کیے تو یاسر عرفات پر مصر کے دروازے بند کر دیے گئے۔ چنانچہ وہ پی ایل او کا ہیڈ کوارٹر اردن منتقل کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ابھی انہیں اردن آئے صرف اڑھائی سال کا عرصہ ہوا تھا کہ امریکہ سی آئی اے اور امریکی صدر کی سازشوں سے اردن کے فرماں روا شاہ حسین نے پی ایل او کا مرکزی دفتر بند کر دیا اور انہیں یاسر عرفات سمیت تین دن کے اندر اندر اردن سے بوریا بستر سمیٹ لینے کا شاہی حکم نامہ مل گیا۔ یاسر عرفات انتہائی کسمپرسی کے عالم میں اردن سے تیونس منتقل ہو گئے۔ ۱۹۹۱ء میں ان کی سیاسی اور معاشی مشکلات میں اس وقت مزید اضافہ ہوگیا جب عراق کویت تنازعہ (المعروف خلیج جنگ) میں انہوں نے امریکہ کی مخالفت کی۔ سعودی عرب سے ملنے والی امداد کا سلسلہ یک لخت منقطع ہونے سے مسائل اور گمبھیر ہوگئے۔ یاسر عرفات کی پریشانیاں اس وقت دو چند ہوگئیں جب خلیجی جنگ کے خاتمے کے بعد کویت نے ہزاروں فلسطینیوں کو نہ صرف روزگار سے محروم کر دیا بلکہ انہیں کویت سے بھی نکال دیا۔

اور ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو جب یاسر عرفات نے "وہائٹ ہاؤس" میں اسرائیلی وزیراعظم کے ساتھ مل کر معاہدے پر دستخط کیے تو اس کے پیچھے ایک طویل تگ و دو اور موجودہ زمانے میں اپنوں کی جفاکاری بھی اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ یہ معاہدہ اب تاریخ کے صفحات میں "واشنگٹن اکارڈ" کے نام سے محفوظ ہوچکا ہے۔ اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ناروے کے وزیر خارجہ جوہان جورگن ہولسٹ نے خاموش مگر انتہائی موثر' مرکزی اور حیرت انگیز کردار ادا کیا۔ (ان کا انتقال جنوری ۹۴ء میں ہوگیا) "واشنگٹن اکارڈ" کے تحت فلسطینیوں کو جیریکو اور مغربی کنارے کا حصہ' پہلے مرحلے میں' دیا گیا ہے اور یاسر عرفات اس ننھی سی ریاست کے سربراہ ہیں۔ ان کے نقاد ان پر سفاک انداز میں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یاسر عرفات کو حکومت کاری کے لیے جیریکو اور ویسٹ بینک تو مل گیا مگر انہیں وہاں اتنے بھی اختیار حاصل نہیں جتنے کسی دوسرے ملک میں میونسپل کمیٹی کے سربراہ کو حاصل ہوتے ہیں مگر یاسر عرفات کے پیروکار اور ان کی ہر قدم پر تحسین کرنے والے کہتے ہیں کہ اب ہم اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ فلسطینیوں کا بھی کوئی ملک ہے' ہم اس پر "اپنا" کہہ کر فخر تو

کر سکتے ہیں اور ابھی تو دوسرے کئی مراحل باقی ہیں۔

"واشنگٹن اکارڈ" کی بدولت اردن' مراکش اور تیونس ایسے ممالک اسرائیل سے پرانی عداوتوں کو فراموش کرتے ہوئے سفارتی تعلقات قائم کر چکے ہیں۔ مصر پہلے ہی اسرائیل کے ساتھ سفارتی اور تجارتی تعلقات استوار کر چکا ہے۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو "واشنگٹن اکارڈ" مشرق وسطیٰ میں امن کی راہ ہموار کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

اگرچہ "حماس" ایسی مسلح تنظیم اس کے مخالف ہے' مگر اس کے باوجود امن کا راستہ کشادہ سے کشادہ تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسی پس منظر میں یاسر عرفات اور رابن کو ۱۹۹۴ء کا نوبل انعام دیا گیا ہے۔ یہ انعام دوسرے اعزازات کے ساتھ ساڑھے نو لاکھ ڈالر کی خطیر رقم پر بھی مشتمل ہے' جسے دونوں افراد میں تقسیم کیا جائے گا۔ مگر زر پرست اور سازش اور سازش پسند یہودیوں کو یہ ناگوار گزر رہا ہے۔ اعلان کے دوسرے روز ہی' بارہ اکتوبر کو امریکہ کے بڑے شہروں سے شائع ہونے والے تمام اخبارات میں یاسر عرفات کے خلاف مضامین شائع کیے گئے۔

مثلاً "نیو یارک پوسٹ" نے نیو یارک میں آباد دولت مند یہودیوں کے تاثرات کو شائع کیا۔ بروکلین میں یہودیوں کے ممتاز ادارے "جیوز اسمبلی" کے رکن ڈوھلنڈ نے کہا:

"میں تو خبر سن کر ہی سناٹے میں آ گیا کہ عرفات کو نوبل انعام دیا گیا ہے۔ مجھے اس خبر نے چند لمحوں کے لیے پاگل بنا دیا"۔ اس نے مزید کہا کہ یاسر عرفات ہمیشہ دہشت گرد رہا ہے اور ہمیشہ دہشت گرد ہی رہے گا۔ اسے دی جانے والی نئی ذمہ داریاں اس کی جبلت تبدیل نہیں کر سکتیں۔ یاسر عرفات کو نوبل انعام سے نوازنا' دراصل دنیا میں دہشت گردی کو فروغ دینے کے مترادف ہے۔ یہ تو بڑی آسان بات ہوئی کہ ساری عمر تم لوگوں کا خون بہاتے رہو اور آخر میں امن کے انعام کا تمغہ سینے پر سجا لیا جائے"۔ نیو یارک میں کراؤن ہائٹس کا علاقہ ثروت مند' سماجی اور سیاسی اعتبار سے انتہائی طاقتور یہودیوں کے علاقے کی حیثیت میں شہرت رکھتا ہے۔ بارہ اکتوبر کو اسی علاقے میں ایک زبردست جلسہ منعقد ہوا' جس سے یہودیوں کے چیف ربی شموئل بیوٹ مین نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"ایک قاتل کو نوبل انعام دینا نوبل انعام کی توہین ہے۔ یہ انعام امن کے لیے مختص ہے نہ کہ غارت گری کے لیے"۔ اسی جلسے میں نیویارک کے سابق میئر مسٹر کاچ (جو خود بھی یہودی ہے) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یاسر عرفات کو نوبل انعام دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے' وہ سدھر جائے۔

"نیو یارک پوسٹ" کا اداریہ بعنوان "عرفات' میں آف پیں؟" سب سے زیادہ دل آزار تھا۔ اس طویل اداریے میں ایک پیراگراف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ایسا بھی نہیں ہے کہ نوبل انعام ہر مرتبہ غیر مستحق لوگوں کو ہی دیا جاتا ہے۔ مدر ٹریسا' لیچ ویلیسا' ایلی ولسمل اور آندرے سخاروف ایسے لوگ بجائے خود نوبل پرائز کے لیے فخر ہیں مگر اچانک اب یاسر عرفات کو نوبل انعام سے نواز دینے سے نوبل انعام کمیٹی کی اہلیت مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔ عرفات وہ شخص ہے جس کے دامن سے ابھی تک دہشت گردی کے زمانے کی خون آلود گرد صاف نہیں ہو سکی ہے۔ یاسر عرفات اس وقت دنیا کی سب سے چھوٹی مملکت کا سب سے بڑا پولیس مین ہے اور اس کی مملکت پولیس سٹیٹ کہلوائے جانے کی حقدار ہے۔ کیا یہ شرمناک امر نہیں ہے کہ اس نے امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر اور اسرائیلی وزیراعظم کی درخواستوں کے باوجود اپنے زیر انتظام متعدد دہشت گردی کی وارداتوں' جس میں یہودی قتل کر دیے گئے' میں ملوث افراد کی مذمت نہیں کی ہے؟ تیرہ ماہ قبل جب عرفات اور رابن نے وہائٹ ہاؤس میں امن کی دستاویزات پر دستخط ثبت کیے اور مصافحہ کیا' اس وقت سے لے کر اب تک عرفات کے زیر انتظام علاقے میں ۲۷ یہودی قتل کیے جا چکے ہیں۔ عرفات قتل و غارت گری کی ان بہیمانہ وارداتوں کا ذمہ دار "انتفادہ" اور "حماس" کو ٹھہراتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ ان دہشت پسند تنظیموں کو لگام نہیں ڈال سکتا تو جیریکو اور مغربی کنارے سے یہودیوں کو بے گھر کیوں کیا گیا؟ اب اسی یاسر عرفات کو نوبل انعام دیا جانا' دراصل الفریڈ نوبل کی روح کو بے حرمت کرنے کے مترادف ہے"۔

جو کسر رہ گئی تھی' وہ لندن سے شائع ہونے والے "فنانشل ٹائمز" نے یہ کہہ کر پوری کر دی کہ یاسر عرفات کو نوبل انعام دینا دوسرے "ہولو کاسٹ" (جنگ عظیم دوم میں ہٹلر کے حکم پر یہودیوں کا قتل عام" کے برابر ہے۔ "فنانشل ٹائمز" نے اپنے مذکورہ اداریے بعنوان "پرائز فائٹرز" کے آخر میں خجالت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سمجھ نہیں آتا' لوگ آخر نوبل انعام کو اتنی اہمیت دیتے ہی کیوں ہیں؟"

اسے مغربی میڈیا اور مغربی و امریکی سیاست دانوں کی خوش نصیبی کہئے (تاکہ وہ عالم اسلام اور یاسر عرفات کے خلاف مزید دریدہ دہنی کا مظاہرہ کر سکیں) یا عرفات کی بدقسمتی کہ جس روز انہیں نوبل انعام دینے کا اعلان کیا گیا' اسی روز "حماس" نے ایک انیس سالہ اسرائیلی سپاہی ناشون ویکس مین کو اغوا کر لیا اور وزیراعظم رابن سے مطالبہ کیا کہ

"حماس" کے دو سو افراد کو اسرائیلی جیلوں سے رہا کر دیا جائے ورنہ ناشون کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس خبر کو امریکی اخبارات اور ٹی وی کے تمام چینلوں نے نمایاں کر کے شائع اور نشر کی اور ساتھ ساتھ امریکی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے تمام ادارے یہ سوال کرنا نہ بھولے کہ کیا اس شخص کو نوبل انعام دیا جانا چاہیے' جس کی ناک کے عین نیچے "حماس" ایسی تنظیمیں پروان چڑھ رہی ہوں؟ بعد ازاں "حماس" نے جب ویڈیو فلم میں ناشون ویکس مین کا پیغام (جس میں کہا گیا تھا کہ مجھے یہ لوگ قتل کر دیں گے' اگر رابن نے ان کے آدمی رہا نہ کیے) ریکارڈ کر کے اسرائیل بھجوایا تو اسے بھی عرفات کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔ پندرہ اکتوبر کو جب اسرائیلی کمانڈوز نے "حماس" کے ایک خفیہ ٹھکانے پر جہاں ناشون کو رکھا گیا تھا' شبخون مار کر اپنے فوجی کو رہا کرانے کی کوشش کی تو "حماس" کے افراد نے ناشون کو قتل کر دیا۔ اگرچہ اس حملے میں اغواء کنندگان بھی مارے گئے مگر مغرب والوں نے مقتول ناشون کا ماتم کرتے ہوئے یاسر عرفات کو مطعون کرتے ہوئے کہا کہ ناشون کو زندہ سلامت رہا کرانے کی ذمہ داری عرفات کی تھی۔ یاسر عرفات بے چارے نے ناشون کو رہا کرانے کے لیے مغربی کنارے کے اپنے زیر انتظام علاقے سے دو سو کے قریب "حماس" کے افراد کو زیر حراست لے کر پرسش کر رہے تھے کہ یہ حادثہ ہوگیا۔

امریکہ میں یاسر عرفات کو نوبل انعام دیے جانے کی سب سے زیادہ مخالفت کانگرس مین انتھونی لیوائس نے کی ہے۔ موصوف نے اندھی مخالفت میں عرفات کے لیے جو الفاظ کہے' اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اخلاقی دیوالیہ ہوچکا ہے۔ انتھونی نے نیویارک کے یہودیوں کے علاقے کراؤن ہائٹس میں ناشون کے لیے ترتیب دیئے جانے والے ایک ماتمی جلوس میں یاسر عرفات کے لتے لینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو "نیو یارک ٹائمز" میں ایک طویل آرٹیکل لکھا جس میں کہا گیا تھا:

"اسرائیلی وزیراعظم رابن کو چاہیے کہ "حماس" کا قلع قمع کرنے کے لیے جیریکو اور مغربی پٹی پر پوری طاقت سے حملہ کرتا تاکہ ناشون کو نہ صرف رہا کرا لیا جاتا بلکہ آئندہ کے لیے بھی فلسطینی دہشت گردی کو سبق مل جاتا۔ رابن نے خاموشی اختیار کر کے ثابت کر دیا ہے کہ اس نے فلسطین پر عرفات کی اتھارٹی تسلیم کر لی ہے"۔ دوسرے معنوں میں کانگرس مین انتھونی لیوائس اسرائیل کو یہ شہ دے رہا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو وہی مناظر دکھائے جو چشم فلک نے صابرہ اور شتیلہ کے کیمپوں میں دیکھے۔

امریکہ میں آباد یہودیوں کی دوسری سب سے بڑی تنظیم "زیڈ او اے" (زاونسٹ

آرگنائزیشن آف امریکہ" کے صدر مارٹن کلین نے یاسر عرفات کے خلاف نوبل انعام کمیٹی کو ایک خط لکھا ہے۔ اس خط کو نیویارک کے ٹی وی چینل پر پڑھ کر سنایا گیا۔ مارٹن نے لکھا:

"نوبل انعام کمیٹی کی طرف سے یاسر عرفات کو امن کا انعام دینے پر میں اپنی یہودی کیمونٹی کی نمائندگی کرتے ہوئے احتجاج کرتا ہوں۔ آپ نے عرفات کو نوبل انعام دے کر دراصل ماضی کے ان غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک افراد کی توہین کی ہے' جنہوں نے نوبل انعام حاصل کیا"۔ اس کے بالمقابل نیویارک' نیو جرسی اور کنٹکی میں آباد عرب مسلمانوں کے صدر محمد غازی خنکان سے راقم الحروف نے فون پر یاسر عرفات اور رابن کو نوبل انعام دیئے جانے کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کہا:

"یاسر عرفات اس انعام کے واقعی مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنے وطن کو پنجہ یہود سے آزاد کرانے کے لیے انتھک محنت اور تگ و دو کی ہے۔ ان کے مقابلے میں اسرائیلی وزیراعظم رابن کو نوبل انعام نہیں ملنا چاہیے تھا کیونکہ انہوں نے تو فلسطین کو مسلمانوں سے ہتھیایا تھا اور اب بھی صرف جیریکو اور غزہ کی مختصر سی پٹی واپس کی ہے"۔ خنکان نے پھر کہا:

"اگر کوئی ڈاکو آپ کے گھر پر قبضہ کرے اور آپ کی ہر چیز چھین لے اور پھر مدت دراز کے بعد آپ کو گھر کے گیراج میں رہنے کی اجازت دے دے تو کیا آپ دونوں امن پسند ہوں گے؟"

دس دسمبر ۱۹۹۴ء کو اوسلو میں یاسر عرفات اور رابن امن کا نوبل انعام وصول کریں گے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' یکم نومبر ۱۹۹۴ء)

نوبل پرائز کتنا نوبل ہے؟ اس عنوان سے جناب ڈاکٹر انوار الحق لکھتے ہیں۔

"اخباری اطلاعات کے مطابق اس مرتبہ کا نوبل امن ایوارڈ تین شخصیات کو دیا گیا ہے۔ ان تینوں کا تعلق مشرق وسطی سے ہے۔ یہ شخصیات یاسر عرفات صدر تنظیم آزادی فلسطین' اسحاق رابن اور شمعون پیریز ہیں۔ ان آخری دو میں اول الذکر' نام نہاد اسرائیل کے وزیراعظم اور موخر الذکر وزیر خارجہ ہیں۔

اس مرتبہ کے نوبل امن ایوارڈ نے ماضی کے نوبل پرائز کی یاد تازہ کر

دی۔ جب مصری صدر انوارالسادات اور نام نہاد اسرائیلی وزیراعظم مناہم بیگن کو مشترکہ نوبل پرائز برائے امن دیا گیا تھا۔ اس مرتبہ کے نوبل پرائز برائے امن پر احتجاج کرتے ہوئے نوبل پرائز کی کمیٹی کے ایک اہم رکن جناب کوسٹیاسن نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ چونکہ یاسر عرفات صاحب دہشت گرد رہے ہیں' لہٰذا وہ اس نوبل ایوارڈ کے مستحق نہیں ہوسکتے۔

آیئے اس موقع پر جائزہ لیں کہ ان پانچوں نوبل پرائز یافتہ افراد کے وہ کون سے کارہائے نمایاں رہے ہیں جنہوں نے انہیں نوبل پرائز کا مستحق بنا دیا۔ یاد رہے کہ 21 اکتوبر 1833ء کو اسٹاک ہوم میں پیدا ہونے والے نوبل الفرڈ برن ہارڈ نے نوبل پرائز کی بنیاد رکھی تھی۔ نوبل پرائز برائے امن کا فیصلہ ایک کمیٹی کرتی ہے جس کو ناروے کی پارلیمنٹ نامزد کرتی ہے۔

نام نہاد اسرائیلی ریاست کے تین اہم عہدیدار زمانہ حال میں نوبل پرائز برائے امن حاصل کرچکے ہیں۔ اس سے اگر کوئی یہ توقع رکھے کہ نام نہاد اسرائیل نے قیام امن اور انسانیت کے لئے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام نہ دیئے ہوں گے تو آپ ایسے شخص کو مطعون نہیں کرسکتے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ نام نہاد اسرائیل پچھلے 47 سالوں سے فلسطینیوں' لبنانیوں' شامیوں اور دیگر اقوام کے ساتھ کیا سلوک روا رکھے ہوئے ہیں۔ نام نہاد اسرائیلی ریاست کے قیام سے بھی قبل دہشت گردی' بین الاقوامی صیہونی تحریک کا بنیادی جز رہی ہے۔ اس دہشت گردی کا نشانہ بننے والے خاص طور پر مقامی فلسطینی مسلمان تھے۔ بسا اوقات اس زمانے کے برطانوی باشندے بھی اس تحریک کے ہاتھوں روندے گئے۔

نوبل پرائز برائے امن حاصل کرنے والے مناہم بیگن ایک صیہونی تھے جو پولینڈ کی آرمی میں ملازم تھے۔ یہ پولش' آرمی آفیسر1943ء میں روس سے ہوتے ہوئے فلسطین پہنچا۔ اس غیر ملکی آرمی آفیسر نے ایک دہشت گرد تنظیم "ارگن" کی قیادت کی۔ اس تنظیم میں دو ہزار دہشت گرد شامل تھے۔ اس تنظیم نے دو مزید صیہونی دہشت گرد تنظیموں "ہگنا" اور "اسٹرن گینگ" کے ساتھ مل کر ارض فلسطین میں فلسطینیوں کا رہنا اور جینا دوبھر کر دیا۔ آئے روز فلسطینی مسلمانوں کو قتل' ان کی املاک کو آگ لگا دینا اور دیگر بے شمار بہیمانہ وارداتیں کرنا ان کا وطیرہ تھا۔ مناہم

بگن کی تنظیم نے 1946ء میں بیت المقدس میں شاہ داؤد نامی ہوٹل میں بم کا دھماکہ کر کے 91 انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مرنے والوں میں کئی برطانوی سپاہی بھی شامل تھے۔ بگن کی تنظیم نے ایک مسلمان گاؤں کے بچوں اور عورتوں کو اس وقت ہلاک کر دیا جب سب مرد کام پر گئے ہوئے تھے۔

اپنی ان دہشت گرد حرکات کی وجہ سے بگن' برطانوی پولیس کو زندہ یا مردہ مطلوب تھا۔ اس کی گرفتاری کے لئے بھاری انعامات رکھے گئے تھے لیکن دہشت گردوں کا یہ سردار آگے جا کر ناجائز اسرائیلی ریاست کا وزیراعظم منتخب ہوا اور اب حکومتی وسائل اور فوج کی تمام تر مشینری کے ساتھ دہشت گردی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے اور اس کی سفاکانہ سرگرمیوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔

جس طرح بگن کا دامن انسانی خون کے چھینٹوں سے بھرا ہوا تھا' کم و بیش یہی حال دیگر دو اسرائیلی نوبل پرائز یافتہ "امن کے علمبرداروں" کا بھی ہے۔ کون ہے جو شتیلہ اور صابرہ کیمپ میں فلسطینی عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کا قتل عام بھلا سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ تمام قتل عام امل ملیشیاء کے ہاتھوں کروایا گیا لیکن اس قتل عام میں براہ راست معاونت اسرائیل نے کی۔ اسرائیل نے قاتلوں کے لئے مخصوص روشنی کے گولے پھینکے تاکہ سفاک قاتل رات کی تاریکی میں اپنا کام جاری رکھیں۔ قاتلوں کو اشیائے خورد و نوش فراہم کیں۔ مسجد ابراہیمی واقع الخلیل میں قتل عام تو کل کی بات ہے لیکن ان تمام واقعات کے باوجود اور اس حقیقت کے باوجود کہ اسرائیلی قاتلوں کو کبھی کوئی سزا نہ ملی' اسرائیلی عہدیداروں کو نوبل پرائز برائے امن دیا گیا ہے اور اس کھلم کھلا منافقت پر کسی بھی نام نہاد تہذیب یافتہ مغربی ملک نے ذرہ برابر احتجاج نہیں کیا۔

جہاں تک انوار السادات اور یاسر عرفات کے نوبل پرائز برائے امن میں حصہ دار بننے کا تعلق ہے تو یہ محض اسرائیلی لیڈروں کے گھناؤنے ماضی اور حال پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے پھر انوارالسادات اور یاسر عرفات صاحبان نے اسرائیلی منصوبوں پر دستخط کر کے اور سر تسلیم خم کر کے یہ انعام حاصل کیا ہے۔

نوبل پرائز برائے امن کی طرح دیگر نوبل پرائز میں بھی خوب ڈنڈی ماری جاتی ہے۔ آج سے کچھ سال قبل ایک ایسے یہودی مصنف کو نوبل پرائز برائے

امن دیا گیا تھا جس نے سویڈن میں ایک یہودی قبیلے کے ساتھ ماضی میں ہونے والی زیادتیوں کا احوال لکھا تھا۔ اس کتاب میں کتنا سچ تھا اور کتنا جھوٹ' اللہ بہتر جانتا ہے لیکن موصوف کی یہ واحد قابل ذکر تصنیف تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ شخص انعام لے جائے گا۔ اس سال ایک خاتون ادیب کا نام تجویز کیا جارہا تھا۔ نوبل پرائز برائے ادب کمیٹی سے جب اس دھاندلی کے بارے میں پوچھا گیا تو اس کا جواب تھا کہ ترکی کے ادیب کو ساری دنیا جانتی ہے لیکن اس یہودی ادیب سے کوئی واقف نہیں' لہٰذا اس کے "کارنامے" کو اجاگر کرنے کے لئے اسے انعام دیا گیا ہے..... کیا خوب منطق ہے۔

نوبل پرائز کی طرح انگریزوں کا خطاب "سر" بھی ہے۔ نوبل پرائز کی طرح سر کا خطاب بھی بعض واقعی مستحق لوگوں کو دیا جاتا ہے جس سے اس خطاب کی ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔ اس کی آڑ میں برطانوی حکومت اپنے زر خرید ایجنٹوں کو "سر" کے خطاب سے نوازتی رہی ہے۔ بہت سے بے ضمیر اور لالچی افراد ان خطابات کے لالچ میں اور ان کے ساتھ ملنے والی رقومات کے عوض اپنی قوم کے خلاف غداری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ برصغیر میں بعض بڑے بڑے جاگیردار اسی غداری کے عوض وجود میں آئے ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف ان منافقوں کی سازشوں نے جہاں ایک طرف انگریز حکومت کو پنجے گاڑنے میں مدد دی' وہاں دوسری طرف آج تک پاکستانی معاشرے کو بے شمار مسائل اور دکھ دیئے۔ "سر" شاہنواز بھٹو کو سر کا خطاب ان کی ان "گرانقدر" خدمات کے عوض دیا گیا جو انہوں نے انگریز سرکار کو اس کے خلاف نبرد آزما حر مجاہدین کی فہرستیں فراہم کر کے دیں۔ سرسید کو "سر" کا خطاب اس لئے ملا کہ انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں بقول شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی' انگریزی زبان اور معاشرت کی تعلیم تو ضرور دی لیکن اسلامی روح کی نشوونما کے لئے کوئی خاطر خواہ کام نہ کیا۔ اس عمل کے بھیانک نتائج پاکستان کی بیوروکریسی میں دیکھے گئے اور دیکھے جارہے ہیں۔ علامہ اقبال نے "سر" کا خطاب واپس کر دیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کو کئی مرتبہ سر کا خطاب دینے کی پیش کش کی گئی لیکن قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس ضمن میں

قائداعظمؒ کی اہلیہ کا بیان بھی قابل ذکر ہے جب انہوں نے کہا تھا کہ "اگر قائداعظمؒ نے یہ خطاب قبول کیا تو میں طلاق لے لوں گی۔" اہل ایمان تو ان مغربی خطابات اور انعامات کو پر کاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے۔

دوسری طرف اسلامی دنیا کے سب سے زیادہ قابل اعتبار ایوارڈ "کنگ فیصل ایوارڈ" کو مغربی پریس اور بدقسمتی سے خود بعض مسلم ممالک کے پریس وہ اہمیت نہیں دیتے جو دینی چاہیے تھی۔ یہ ذہنی غلامی' احساس کمتری اور مسلم ممالک کے اخبارات و جرائد میں اسلام سے بے بہرہ افراد کی وجہ سے ہے۔ ہمیں اپنی اس کمزوری کا تدارک کرنا چاہیے۔ نوبل پرائز کتنا نوبل ہے' اس کا اندازہ آپ نے لگا لیا ہوگا۔ "سر" اور "آسکر" ایوارڈز کی طرح یہ بھی صیہونی پروپیگنڈے کا جزو ہے۔ پروپیگنڈے اور باتوں کے ان گورکھ دھندوں کی ایک اور مثال اقوام متحدہ ہے۔ مسلم امہ کو ان سب کی حقیقت سے واقفیت ضروری ہے۔"

(پندرہ روزہ بیت المقدس' اسلام آباد' شمارہ (20'21) 15 ستمبر 1994ء)

روسی ایوارڈ

"اخباری اطلاعات کے مطابق معروف قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو گولڈ الومزوف ایوارڈ برائے ۱۹۸۳ء دیا گیا۔ یہ ایوارڈ روس کی سائنس اکیڈمی کی طرف سے ان کے کارہائے نمایاں کے طور پر دیا گیا۔ یاد رہے کہ روس ایک ملحد ملک ہے' جس کی اساس لامذہبیت پر ہے۔ ان کے ہاں دین و مذہب کا ہلکا سا تصور بھی مفقود ہے۔ روس نے کبھی کسی دین سے وابستہ یا مذہبی جماعت سے منسلک شخصیت کو کبھی بھی اپنے کسی ایوارڈ یا انعام سے نہیں نوازا۔ ویسے بھی یہ ایوارڈ اپنے مخصوص مفادات کو پیش نظر رکھ کر دیئے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز دینے کا بھی ایک پس منظر ہے۔ مایہ ناز پاکستانی سائنس ڈاکٹر عبدالقدیر نے ان کے حاصل کردہ نوبل انعام کی ساری قلعی کھول دی ہے کہ جناب عبدالسلام ۱۹۵۷ء سے اس کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔ بالاخر وہ یہودیوں کی نظر انتخاب میں آ گئے۔ نوبل پرائز کے بارے میں جناب فیض احمد فیض کا انکشاف قابل توجہ ہے۔

"نوبل پرائز ایک بہت بڑا ریکٹ ہے۔ یہ صرف کارکردگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ

سیاسی مصلحتوں یا سفارشوں اور رشوتوں کی بنیاد پر دیا جاتا ہے اور اس میں یہودی لابی کا بھی بہت دخل ہے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۶ مارچ ۱۹۸۴ء)

لیکن ڈاکٹر عبدالسلام کے لیے روسی ایوارڈ کی سرفرازی باعث حیرت ہے کیونکہ ڈاکٹر موصوف جماعت احمدیہ سے جذباتی حد تک ذہنی و قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ جو صرف مذہبی جماعت ہونے کی دعویدار ہے' مرزائی جرائد انہیں مرزائی امت کا عظیم فرد قرار دیتے ہیں اور بقول شخصے ڈاکٹر مذکور اپنے آپ کو پہلے مرزائی اور پھر پاکستانی کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایک دینی جماعت سے علی الاعلان تعلق رکھنے والا شخص روسی ایوارڈ کا مستحق کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہاں یہ امر بھی باعث حیرت ہے کہ ایک شخص بیک وقت روسی و یہودی ایوارڈ حاصل کر رہا ہے۔ دراصل یہ روسی ایوارڈ روسی ذرہ نوازی' خیرسگالی' تجدید عہد اور جماعت کی نئی حکمت عملی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ان واقعات اور حقائق کی روشنی میں اب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ قادیانیوں کی روس کے ساتھ بڑھتی ہوئی دلچسپی اور سرگرمیوں کا ایک پس منظر ہے۔ اس پس منظر کی کئی سیاسی وجوہات ہیں' جن سے پردہ اٹھانا ہم اپنا قومی و ملی فریضہ سمجھتے ہیں۔

(اداریہ ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد)

گزشتہ دنوں رسوائے زمانہ قادیانی صنعت کار نصیر اے شیخ نے لاہور میں اپنی رہائش گاہ پر پاکستان میں تعینات روسی سفیر کے اعزاز میں ایک پر تکلف عشائیہ دیا' جس میں ملک کی اہم شخصیات کو مدعو کیا گیا۔ دعوت کے بعد نصیر اے شیخ اور روسی سفیر کی ایک اہم اور خفیہ میٹنگ ہوئی۔ علاوہ ازیں اسلام آباد میں ایک قادیانی پروفیسر جمیل جو حکیم نور الدین کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہے' اسلام آباد یونیورسٹی (جو آج کل قادیانیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے) میں روسی لٹریچر تقسیم کرتا ہوا پکڑا گیا"۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے لیے سر کا خطاب

"ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو "ملکہ برطانیہ" کی طرف سے سر کا خطاب دیا گیا۔ موجودہ ملکہ برطانیہ کی دادی ملکہ وکٹوریہ نے ڈاکٹر عبدالسلام کے پیر و مرشد کو "نبی" کے لفظ سے سرفراز فرمایا تھا تو اب پوتی نے مرزا قادیانی کے پیروکار کو "سر" کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ اب خبر ملاحظہ فرمائیے:

"نوبل انعام یافتہ ممتاز پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو جو امپیریل کالج لندن تھیوریٹیکل فزکس کے پروفیسر بھی ہیں' ان کی اسی سائنس و ماحولیاتی خدمات پر "سر" کا خطاب دیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام اٹلی کے مقام ٹرسٹ میں قائم انٹرنیشنل سینٹر برائے تھیوریٹیکل فزکس کے سربراہ ہیں۔ انہیں یہ اعزاز نائٹ ہیڈ برطانوی وزارت ماحولیات کی سفارش پر دیا گیا ہے"۔

صیہونیت و عیسائیت کو ایسے مہروں کی ہر زمانے میں ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں رہ کر اور مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر عبداللہ ابن ابی' عبداللہ ابن سبا کا کردار ادا کرتے رہیں اور میر جعفر اور میر صادق کی طرح جاگیریں' حکومتیں اور خطابات سے نوازے جاتے رہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام کا کردار پاکستان اور ملت اسلامیہ سے متعلق کوئی مخفی نہیں اور نہ ہی یہ خطاب کسی قابلیت اور محنت کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ بلکہ برطانیہ نے ہر اس شخص کو "سر" کا خطاب دیا' جس نے اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے قربانیاں دیں----- عالم اسلام کو ان خطابات سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے"۔

(اداریہ ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی)

"اسرائیل کی تعمیر میں قادیانیوں کا حصہ"

اس عنوان سے محترم شاہد تسنیم ایم۔ اے لکھتے ہیں:

"برطانوی سامراج کے خودکاشتہ پودے "قادیانیت" نے اسرائیل کی تعمیر و تشکیل میں جو حصہ لیا' یہ تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ قادیانی تحریک "عین" اس زمانہ میں شروع ہوئی' جبکہ صیہونی تحریک کا آغاز ہوا۔ صیہونی تحریک انیسویں صدی کے اوائل میں جاری تھی۔ ۱۸۷۰ء میں اس نے برگ و بار پیدا کیے اور ۱۸۹۵ء میں ایک یہودی صحافی تھیوڈر ہرازل نے علیحدہ یہودی سٹیٹ کا خاکہ پیش کیا۔ (The Idea of jewisnstste by benhalpem) ہرازل نے بیسل (سوئٹزر لینڈ) میں یہودیوں کی ایک عالمی کانفرنس بلائی اور یہودی سٹیٹ کے لیے باقاعدہ پروگرام مرتب کیا۔

یہودیوں نے سامراجی طاقتوں سے گٹھ جوڑ کر کے دنیا کے ان تمام ممالک میں صیہونی تحریک کی داغ بیل ڈالی' جو برطانوی نوآبادیات تھیں۔ ہندوستان میں اس تحریک نے قادیانیت کے روپ میں جلوہ نمائی کی۔ مصر کے مشہور علمائے کرام عباس محمود القاد' الشیخ محمد

ابوزہرہ' الشیخ محب الدین **الخطیب** اور الشیخ محمد المدنی نے قادیانیت کے اسلام دشمن بین الاقوامی کردار پر طویل تحقیق کے بعد پردہ اٹھایا ہے۔ قادیانیوں کی سامراج نوازی' جاسوسی اور استعمار پسندی کے سیاہ کارناموں نے اس تحریک کے حقیقی خدوخال کی وضاحت کر دی ہے۔ قادیانیت کے دو بڑے بڑے رخ ہیں۔ ایک سیاسی اور دوسرا دینی۔ سیاسی سطح پر قادیانیت استعمار کی ایک ذیلی تنظیم ہے اور دینی طور پر یہ جدید یہودیت ہے۔ مراکش کے مشہور ریسرچ سکالر ڈاکٹر عبدالکریم غلاب نے یہودی سازشوں پر تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قادیانیوں کے عقائد اٹھارہویں صدی کے ان یہودی مستشرقین کی پیداوار ہیں' جنہوں نے جہاد کو حرام قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا"۔

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور' ۹ فروری ۱۹۷۰ء)

علامہ اقبالؒ نے بھی قادیانیت کے بارے میں لکھا تھا:

"میرے نزدیک بہائیت' قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے۔ کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے جبکہ موخر الذکر اسلام کی چند اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے مہلک ہے۔ اس کا حاسد خدا کا تصور کہ جس کے پاس دشمنوں کے لیے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں۔ اس کا نبی کے متعلق نجومی کا تخیل اور روح مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے"۔

("حرف اقبال" از لطیف احمد شیرانی' ص۱۱۵)

مرزا غلام احمد قادیانی نے ہندوستان میں برطانوی صیہونیت پسندوں کی تحریک اینگلو اسرائیلزم کو کامیاب بنانے میں مدد دی۔ اس نے عیسیٰؑ ابن مریم کی آمد ثانی کے اسلامی نظریے کی جگہ **مثیل** مسیح اور ایک ایسے موعود مسیح کا تصور پیش کیا' جو یہودیت کا خاصہ رہا ہے۔ تاریخ میں ہمیں ایسے بہت سے یہودی کاہن ملتے ہیں جنہوں نے مسیح کا روپ دھار کر اسلام کے خلاف تحریکیں چلائیں اور مسلمانوں کی سلطنتوں کو پارہ پارہ کرنے میں حصہ لیا۔ اینگلو اسرائیلزم صیہونیوں کی ایک ایسی ہی عالمی تحریک تھی۔

(برٹش انسائیکلوپیڈیا زیر لفظ برٹش اسرائیلزم)

اینگلو اسرائیلیوں نے یہودی قوم پرستی کی تحریک کو مسیح موعود کا روپ دھار کر

آگے بڑھایا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اسرائیل کے دس قبائل ۷۲۱ ق م میں اور دیگر قبائل ۵۸۶ ق م میں جلا وطن ہوئے اور دنیا کی بیشتر اقوام ان کی نسل سے ہیں۔

(انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس زیر لفظ اینگلو اسرائیلزم)

یہودی مصنفوں نے بنی اسرائیلی نظریے کی بڑھ چڑھ کر تشہیر کی اور یہود کی جلاوطنی اور مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر اسرائیل کے قیام کے پروگرام کو تقویت پہنچائی۔

ہندوستان میں اس سیاسی پروپیگنڈے کو مرزا غلام احمد قادیانی نے ہوا دی۔ اس نے بڑی فنکاری سے قبر مسیح کا مفروضہ گھڑا۔ اس سے اس نے دوہرا کام لیا۔ ایک تو اسے اپنے دعویٰ مسیحیت موعودہ کے لیے خام مواد کے طور پر استعمال کیا۔ دوسرے صیہونی پروپیگنڈے کو ہوا دی۔ قادیانیوں نے قبر مسیح کے ثبوت کے لیے اس پہلو کو خوب اجاگر کیا۔ اس پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئیں اور عالمی سطح پر اس کی تشہیر کرائی گئی۔ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" نے اس سلسلے میں خوب کام کیا۔

اسرائیل کے قیام میں قادیانیت نے دوسری خدمت یہ انجام دی کہ امریکہ کے صیہونیت نواز مدعی الیاس ثانی کے امریکہ کے علاقہ مشی گن میں یہودی شہر صیہون کے منصوبے کے خلاف پروپیگنڈا کر کے امریکہ میں صیہونی شہر کی جگہ فلسطین میں اس کے قیام میں مدد دی۔ (مرزا قادیانی کی کتاب "حقیقتہ الوحی" ملاحظہ ہو)

مرزا قادیانی نے اپنے تمام عرصہ ماموریت میں کبھی بھی یہودیت کے خلاف اس طرح محاذ قائم نہیں کیا' جس طرح بزعم خود' کسر صلیب کرتے رہے۔ ان کی پالیسی کا اصل رخ یہ تھا کہ اسلام کی حقیقی مخالف قوت عیسائیت کو قرار دیا جائے اور مسلمان اپنی تمام تر توجہ اسی طرف مبذول رکھیں اور یہودیت اور اسلام دشمن تحریک صیہونیت کی طرف توجہ مبذول نہ کریں۔ دوسری بات یہ تھی کہ مرزا قادیانی نے عیسائیت کو خوب جھاڑا لیکن انگریز کے خلاف ایک لفظ تک نہ کہا۔ ایک گھٹیا درجہ کے انگریز کی مرزا صاحب کی نظر میں بڑی عزت تھی لیکن حضرت عیسیٰؑ کے لیے اس نے جو زبان اختیار کی ہے' وہ سب پر عیاں ہے۔

(دیکھئے "انجام آتھم" (ضمیمہ) از مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد حکیم نور الدین نے مرزا صاحب کی پالیسی کو آگے بڑھایا اور برطانوی سامراج کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ ان کے بعد قادیانی خلافت کی باگ ڈور مرزا بشیر الدین محمود نے سنبھال لی۔ اس کے آمرانہ دور میں اسرائیل کے قیام میں بڑی خدمت انجام دی گئی۔ اس نے بین الاقوامی سطح پر سامراج کی بے پناہ اعانت کی۔ تحت

خلافت سنبھالنے کے بعد اس نے اسلامی ممالک کے لیے ایک عربی ٹریکٹ تصنیف کیا' (''تحریک احمدیت'' جلد پنجم' از دوست محمد شاہد) جس میں مرزا قادیانی کے الہام ''رومی سلطنت بیرونی دشمنوں سے مغلوب ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھر غلبہ پائے گی'' کی تشریح میں ترکی سلطنت کی تباہی اور برطانوی سامراج کی کامیابی کا وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یہودیوں نے سامراجی طاقتوں سے مکمل گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ سامراج' نہر سویز پر اس کی اقتصادی اہمیت کے پیش نظر قبضہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ دوسرے تیل کی بہتات والے علاقوں پر قبضہ سے سامراج کو معاشی فائدے حاصل ہوتے تھے۔ سامراج کا مقصد اسرائیل کو ایک فوجی اڈے کے طور پر استعمال کرنا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ ترکی سلطنت کا شیراہ بکھیرا جائے۔ (Israel by D. R. Eleston) اس سامراجی منصوبے کی تکمیل میں قادیانیوں نے صیہونی یہود کا بھرپور ساتھ دیا۔

بالفور ڈیکلریشن کے بعد قادیانیوں نے صیہونیوں کی زبردست مدد کی۔ انگلستان میں قادیانی مبلغ لکھتا ہے:

''بیت المقدس کے داخلہ پر اس ملک (انگلستان) میں بڑی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ میں نے یہاں کے اخبار میں اس پر ایک آرٹیکل دیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وعدہ کی زمین ہے جو یہود کو عطا کی گئی تھی مگر نبیوں کے انکار اور بالآخر مسیح کی عداوت نے ہمیشہ کے واسطے وہاں کی حکومت سے محروم کر دیا..... بیت المقدس کے متعلق جو میرا مضمون یہاں کے اخبار میں شائع ہوا ہے' اس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ اس کے متعلق وزیراعظم برطانیہ کی طرف سے ان کے سیکرٹری نے شکریہ کا خط لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ مسٹر لائیڈ جارج اس مضمون کی بہت قدر کرتے ہیں''۔ (روزنامہ ''الفضل'' قادیان' ۱۹ مارچ ۱۹۱۸ء)

۱۹۲۴ء میں لندن میں ایک مذہبی کانفرنس ویمبلے کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مرزا محمود نے شمولیت کے لیے تیاری شروع کی۔ اصل مقصد یہ تھا کہ عرب ممالک میں قادیانیت کے مستقبل کے کردار کا جائزہ لیا جائے۔ دمشق میں قیام کے دوران اس سے سوال کیا گیا:

س: الخلافۃ الاسلام کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: میں کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتا۔ وہ خلیفہ اسلامی جس کی اتباع تمام ترکی اور مغربی دنیا پر فرض ہے' وہ میں ہوں۔ (''فضل عمر کے زریں کارنامے'' از ظفر اسلام

قادیانی' ص ۱۴۳' فیض اللہ پریس قادیان)

قادیانیوں نے عرب ممالک خصوصاً ترکی کے خلاف سیاسی پروپیگنڈا کے علاوہ فوجی طالع آزماؤں کی بھی پشت پناہی کی۔ اس لیے کہ سلطان ترکی کسی قیمت پر یہود کو فلسطین میں زمین دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ مرزا محمود نے اپنے ایک خطبہ میں تسلیم کیا کہ کرد لیڈر سعد پاشا' جس نے مصطفیٰ کمال کے زمانہ میں بغاوت کی' قادیانی تھا اور اس کا کورٹ مارشل ہوا اور اس کا بیان ترکی اخبارات میں شائع ہوا اور وہاں سے مصری اخبارات نے نقل کیا۔ (روزنامہ "الفضل" ربوہ' ۱۸ فروری ۱۹۵۸ء)

دورۂ انگلستان کے دوران دمشق کے علاوہ فلسطین میں مرزا محمود نے خاص طور پر قیام کیا اور وہاں کے قائم مقام ہائی کمشنر سر گلبرٹ کلیٹن سے ملاقات کی۔ ("تاریخ احمدیت" از دوست محمد شاہد) یہود اور عرب تعلقات پر گفتگو ہوئی جو بڑی مفید رہی۔

اس سفر کے بعد قادیانیوں نے مصر میں اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کر دیا۔ شام میں جلال الدین شمس قادیانی پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ فلسطین میں پناہ گزیں ہوا۔ (تاریخ احمدیت از دوست محمد شاہد) یہی وہ علاقہ تھا' جہاں بیٹھ کر عرب ممالک کی سالمیت کے خلاف سازشیں کی جا سکتی تھیں۔

فلسطین میں عربوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے۔ یہودیوں نے ان کو گھروں سے نکالا اور ان کا قتل عام کیا۔ (Israel and the Palestine Arabs by Don peretz) اس عرصے میں قادیانی پوری طرح سے یہودیوں کے ساتھ تھے۔ ان کے مبلغ مسلمانوں کے خلاف انتشار اور افتراق پھیلانے میں سرگرم رہتے۔ سامراجی طاقتوں کے لیے جاسوسی کرتے اور ان کی وفادار جماعت کے طور پر کام کرتے۔ انہوں نے کبھی بھی عرب مظلوموں کی حمایت نہ کی اور نہ ہی ان سے اظہار ہمدردی کیا۔ غیر منقسم ہند میں عرب مہاجرین کے حق میں بہت تحریکیں چلائی گئیں۔ قادیانیوں نے ان میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ الٹا ان تحریکوں کے مجوزوں کو مطعون کیا۔

قادیانیوں نے بڑی فنکاری سے یہود کی حمایت کی اور ان کے فلسطین پر قبضہ کے جواز پیش کیے۔ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" لکھتا ہے:

> "اس پر (یہود کی بربادی) صرف اتنا زیادہ کرنا چاہتے ہیں کہ جب یہ فلسطین کے متعلق وعدۂ خداوندی اس ایک شرط سے مشروط تھا جب تک خدا کے فرمانبردار رہیں گے' یہ زمین اسمعیلیوں کی وراثت میں رہے گی تو محرومی کی

اصل وجہ پر نظر کر کے اس کا تدارک کرنا چاہیے جو نتیجہ پہلے مسیح سے انکار کا تھا' وہی نتیجہ مسیح کی آمد ثانی پر اس کے انکار سے ہونا لازمی ہے۔ نیز سورۂ بنی اسرائیل کی آیت قرآنی **و قلنا من بعدہ** بنی اسرائیل میں جو پیش گوئی ہے' اس کو بھی پورا ہونا تو لازمی امر ہے اور اس کے لیے جدوجہد بھی ضروری ہے مگر محض برطانیہ پر الزام لگانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ امرازل سے مقرر ہے۔ یہود یروشلم کے علاقہ میں قریب زمانہ قیامت جمع کر دیے جائیں گے"۔

("ریویو آف ریلیجنز" جلد۵' شمارہ ۱۲' سال ۱۹۳۶ء ص۳۵)

صیہونی یہودیوں کے ساتھ قادیانیوں کے انہیں تعلقات کی بناء پر جن کے استوار کرنے کے لیے وقتاً" فوقتاً" کوششیں کی جاتی رہیں' ان کو اسرائیل میں پھلنے پھولنے کے مواقع مہیا کیے گئے ہیں۔ اسرائیل میں قادیانیوں کی مسجد' پریس' تعلیمی ادارے ہیں اور ایک رسالہ "البشریٰ" نکالا جاتا ہے۔ اسرائیل کا قادیانی مشن صیہونی تخریب کاروں سے تربیت حاصل کر کے عرب ممالک کی سالمیت کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ یہ وہی مشن ہے جس کا بیڑا مرزا قادیانی نے اٹھایا تھا۔ انہوں نے کھل کر عرب ممالک کے خلاف سازشوں کے جال پھیلائے۔ اب وہی مقاصد درپردہ حاصل کیے جا رہے ہیں۔ یہودیوں کے مستقبل کے عزائم اور قادیانی سازشوں پر نظرڈالی جائے تو ایک افسوس ناک تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔

پاکستان کی سالمیت پر ضرب کاری لگانے کے لیے یہودیوں نے عالمی سطح پر جو پروپیگنڈہ کیا اور تخریب پسند عناصر کی عملاً مدد کی' قادیانی اس سازش میں پوری طرح ملوث تھے۔ مولوی فرید احمد نے اپنی کتاب "سورج بادلوں کی اوٹ میں" میں بار بار قادیانی صیہونی گٹھ جوڑ کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایم ایم احمد صیہونیوں کے اشارے پر گول میز کانفرنس کے دوران سیاسی مداخلت کرتا رہا۔ مشرقی حصے کی علیحدگی کے بعد قادیانی بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ بچے کھچے پاکستان میں مرزائیل قائم کریں"۔

(ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور' دسمبر ۱۹۷۲ء)

پانچ سو قادیانی اس وقت اسرائیل کے مختلف فوجی اداروں میں کام کر رہے ہیں

"قادیانی فرقے کے عجیب و غریب مذہبی دیومالا اور الجھے ہوئے معتقدات پر حال ہی میں حکومت پاکستان نے جو نئی پابندیاں لگائی ہیں' اس پر پورے عالم اسلام میں اطمینان کا

سانس لیا گیا۔ مختلف مسلمان ملکوں میں پاکستان کے عوام اور حکومت کے ان نئے اقدامات پر بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا اور اسے پورے عالم اسلام میں سراہا جا رہا ہے۔ پہلا فوری ردعمل یہاں مقبوضہ فلسطین میں ہوا' جہاں سے مسلمانوں نے حکومت پاکستان کے نام تار کے ذریعے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس کا مطالبہ کیا ہے کہ اسرائیل میں قادیانی مشن کی پراسرار سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے۔ افریقی ممالک میں اسلام کے نام پر ارتداد پھیلانے کا جو کام یہ فرقہ کر رہا ہے' اس کا ازالہ کیا جائے اور حکومت پاکستان اپنے سرکاری اداروں اور سفارت خانوں سے اس فرقے کے لوگوں کو پاک کرے۔

کیونکہ اس طرح پاکستان کا نام داغدار ہو رہا ہے اور یہ لوگ پاکستان کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ مزید برآں مقبوضہ فلسطین میں الخلیل کے شہر کے بعض سربرآوردہ مسلمانوں نے اس کا انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل کے فوجی اداروں میں ۵۰۰ قادیانی کام کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں کچھ قادیانی زائر' کوسٹاریکا اور اٹلی کے پاسپورٹ پر اسرائیل پہنچے ہیں۔ یاد رہے کہ لندن' روم' نیویارک' لکسمبوگ' کوپن ہیگن میں اسرائیلی سفارت خانوں اور قادیانی مراکز کے درمیان باقاعدہ رابطہ موجود ہے۔ یہاں الخلیل شہر کے بعض سربرآوردہ حضرات نے اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ اب قادیانی انتقامی کارروائی کے لیے زیر زمین مدد یہودیوں سے لیں گے جبکہ ان کی زیر زمین کارروائیاں کچھ عرصہ سے بہت تیز ہوگئی ہیں۔ پاکستان کے لیے آئندہ دس بارہ ماہ سخت آزمائش کے ہوں گے۔ جس میں یہ فرقہ ہر اس تخریبی عمل کے ساتھ متحرک تعاون کرے گا' جو پاکستان میں بدامنی' افراتفری اور انتشار کو فروغ دے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ میں اسرائیلی دوستوں کی تمام تصاویر لگی ہیں' جن میں قادیانی فرقے اور بہائی فرقے کے سربراہوں کی تصاویر بھی ہیں۔ اسرائیل میں قادیانی مشن اور قادیان (ہندوستان) کے درمیان براہ راست رابطہ موجود ہے اور وفود آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ مقبوضہ فلسطین کے مسلمانوں نے پاکستان کے مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ پورے ہوش کے ساتھ آپس میں یگانگت و اتحاد قائم کریں اور تفرقہ' انتشار اور افراتفری سے اجتناب کریں۔ پاکستان اور اسلام کے دشمنوں کا مقابلہ قومی وحدت اور مکمل اتحاد ہی سے کیا جا سکتا ہے"۔

(روزنامہ "مشرق" کوئٹہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۶ء)

پروفیسر ساجد میر کا مطالبہ

"جمعیت اہل حدیث پاکستان کے سیکرٹری جنرل پروفیسر ساجد میر نے کہا ہے کہ

قادیانیوں کی سرگرمیوں کا پوری سختی سے نوٹس لیا جائے۔ یہ ملک و ملت کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہیں۔ انہوں نے کہا اسرائیل کی مسلسل پاکستان کو دھمکیاں اور سعودی حکومت کی اہم تنصیبات تباہ کرنے کی اسرائیلی دھمکیاں' اسرائیل فوج میں چھ سو پاکستانی مرزائیوں کا بھرتی ہونا' یہ قادیانی اسرائیل گٹھ جوڑ' عالم اسلام کی دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پروفیسر ساجد میر نے کہا یہ بات ساری قوم کو معلوم ہے کہ ایک قادیانی افسر نے ایٹمی راز چوری کر کے اسرائیل کو فراہم کیے ہیں۔ مزید بر آں ایک قادیانی لیڈر کا بار بار یہ بیان دہرانا کہ عنقریب پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پاکستان میں افغانستان جیسے حالات پیدا ہو جائیں گے' ہماری قومی غیرت کے لیے زبردست چیلنج ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک بھارتی اخبار میں یہ خبر چھپ چکی ہے کہ سفارت خانوں کو حادثے کی فون پر پہلے اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ ایمونیشن ڈپو سے اعلیٰ افسروں کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے نکال لیا گیا۔ پروفیسر ساجد میر نے کہا حکومت کو چاہیے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی سے لے کر تمام محکموں اور اعلیٰ عہدوں سے مرزائی افسروں کو فوری طور پر برطرف کرے"۔

(روزنامہ "مشرق" کوئٹہ' ۱۴ جنوری ۱۹۸۶ء)

پاکستان کے راز اسرائیل کیسے پہنچے اور اصل مجرم کون؟

"واشنگٹن پوسٹ کی ایک اشاعت میں انکشاف کیا گیا ہے کہ امریکی بحریہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز جوناتھن جے پولارڈ کو ۸۵ء میں اسرائیل کے لیے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ واشنگٹن پوسٹ نے پولارڈ کے مقدمے سے اچھی طرح واقف ایک ذریعے کے حوالے سے بتایا ہے کہ پولارڈ نے اسرائیل کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی تمام تفصیلات سے آگاہ کیا ہے اور اسلام آباد کے قریب واقع ایٹمی تنصیبات کی مصنوعی سیاروں کے ذریعے لی گئی تصاویر بھی فراہم کی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق پولارڈ نے اسرائیل کو جو معلومات فراہم کی ہیں' ان میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور پاکستان کو ملنے والی امریکی امداد کی تفصیلات کے علاوہ تیونس میں پی ایل او کے صدر دفتر میں موجود تمام انتظامات شامل ہیں اور ان ہی معلومات کی بنیاد پر اسرائیل نے یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء میں تیونس میں پی ایل او کے صدر دفتر کو باآسانی نشانہ بنایا تھا"۔

(بحوالہ "آغاز" کراچی' ۲۶ فروری ۱۹۸۷ء)

یہودیوں کے عالم اسلام خصوصاً پاکستان کے متعلق جو عزائم ہیں' وہ کسی سے ڈھکے

چھپے نہیں ہیں۔ جب اسرائیل نے عراق کی ایٹمی تنصیبات پر اچانک حملہ کر کے اسے تباہ کیا تو اس وقت کے اخبارات میں اسرائیل کی یہ دھمکی شائع ہوئی تھی کہ وہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات بھی تباہ کر دے گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے عوام ہر آڑے وقت میں عربوں کے ساتھ رہے ہیں۔ انہوں نے جس قسم کی بھی امداد طلب کی' پاکستان نے کوئی پس و پیش نہیں کیا۔ اس لیے پاکستان' یہود مردود کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا رہتا ہے۔

یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی یا حکمرانوں کی بے بسی ہے کہ جب کوئی ملک دھمکیاں دیتا ہے یا ہمارے وطن عزیز کے بارے میں غلط خیالات کا اظہار کرتا ہے تو واویلا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو جی فلاں یہ کہہ رہا ہے لیکن ہماری آستینوں میں جو زہریلے سانپ چھپے ہوئے ہیں' ان سے ہم قطعی طور پر غافل ہیں۔ اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ایٹمی پروگرام سے متعلق اہم راز دشمن کے پاس پہنچ چکے ہیں۔

قادیانی جماعت کے آنجہانی پیشوا مرزا ناصر نے کہا تھا کہ میرے اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے کئی شاگرد کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ میں کام کر رہے ہیں۔ وزارت دفاع اور فوج میں بھی اہم پوسٹوں پر بہت سے قادیانی براجمان ہیں۔ بحریہ کے سربراہ (افتخار احمد سروہی) کے متعلق بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ قادیانی ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پاکستان کا کوئی راز' راز رہ ہی نہیں سکتا۔ ادھر کوئی منصوبہ بنا' ادھر اسرائیل پہنچ گیا۔ کیونکہ ربوہ اور تل ابیب میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ وہاں کے ہزاروں قادیانی اسرائیل میں نہ صرف موجود ہیں' بلکہ فوج میں بھرتی ہو کر یہودیوں کا حق نمک ادا کر رہے ہیں۔ اس تعلق کے علاوہ قادیانیوں کے پیشوا مرزا قادیانی کے مطابق اسرائیلی اور مرزائیوں میں خونی رشتہ قائم ہے۔ وہ مغل برلاس تھا لیکن اس نے یہودیوں سے محبت و مودت کا رشتہ استوار کرنے کے لیے کہا کہ وہ نصف فاطمی اور نصف اسرائیلی ہے۔ (یعنی آدھا مسلمان اور آدھا یہودی حالانکہ وہ پورا یہودی تھا اس لیے کہ ان کا آلہ کار تھا) اسی خونی رشتہ کی وجہ سے قادیانی یہودیوں کی ملازمت اور ان کی خدمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے بڑی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ پاکستان کے راز اسرائیل کے پاس پہنچا دیے گئے ہیں۔

کوئی جاسوس خواہ کتنا ہی بڑا تعلیم یافتہ اور اپنے فن میں ماہر کیوں نہ ہو' وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا' جب تک کہ اسے ایسے افراد میسر نہ آ جائیں' جو اس ملک کے مخالف اور دشمن ہوں۔ مذکورہ بالا اسرائیلی جاسوس' جس نے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات

سے متعلق تمام معلومات اسرائیل کو فراہم کی ہیں' انہیں فراہم کرنے میں ان قادیانی ملازمین کا ہاتھ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو بقول آنجہانی مرزا ناصر کے کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ اور دوسرے حساس ترین عہدوں پر فائز ہیں اور حکمران ان کو برطرف کرنے کے بجائے پال رہے ہیں۔ وہ ہمارا کھاتے ہیں اور ہمارے ہی ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ نے مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کی حقیقت کو صرف ایک جملہ میں بیان کر دیا کہ "قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے" اسی لیے ڈاکٹر صاحب نے فتنہ قادیانیت کی حقیقت پا لینے کے بعد یہ مطالبہ کیا تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس مطالبہ کی بنیاد پر امت مسلمہ نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا جو ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کے ذریعے پورا ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعے انہیں اسلامی اصطلاحات اور شعائر اسلامی کے استعمال سے روک دیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ کافر قرار پا جانے کے بعد بھی ہمارے کچھ مسلمان افسروں کی بے غیرتی یا بے حسی کی وجہ سے وہ اب بھی اپنے آپ کو اصلی مسلمان اور باقی مسلمانوں کو سرکاری مسلمان کہہ رہے ہیں اور اسلامی اصطلاحات و اسلامی شعائر کا استعمال کر رہے ہیں۔ بہرحال ڈاکٹر علامہ اقبال نے قادیانی کے متعلق جو کچھ کہا تھا' وہ بالکل صحیح تھا کہ قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے"۔

(اداریہ ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی)

پاکستانی پاسپورٹ پر اسرائیل کا سفر ممکن نہیں' پاکستانی سیاح کیسے پہنچ گئے؟

"پاکستانی سیاحوں کے ایک گروپ کے اچانک اسرائیل پہنچ جانے اور وہاں یروشلم کے مہنگے ترین ہوٹل "ہلٹن" میں قیام کی خبر پر دارالحکومت کے سیاسی اور بعض سفارتی حلقوں میں خاصی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ بعض اسلامی ممالک کے سفارت کاروں نے اس خبر پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ پاکستان کی وزارت خارجہ نے اس سلسلے میں کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا ہے۔ تاہم پاکستان کے بعض سیاسی حلقے اس بات پر حیرت کا اظہار کر رہے ہیں کہ یہ پاکستانی کس طرح یروشلم پہنچ گئے۔ کیونکہ حکومت پاکستان کی طرف سے جاری کیے گئے سرکاری پاسپورٹ میں اسرائیل وہ واحد ملک ہے' جس کا اندراج نہیں ہوتا اور اس پاسپورٹ پر اسرائیل تک سفر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ان حلقوں کا خیال ہے کہ یہ پاکستانی کسی دوسرے ملک کے شہری ہو سکتے ہیں اور ان کے پاس کسی یورپی ملک کے پاسپورٹ

ہوں گے۔ جن کی بنیاد پر وہ یروشلم پہنچے ہیں۔ بعض باخبر حلقوں کا خیال ہے کہ یروشلم جانے والے یہ پاکستانی احمدی بھی ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ احمدیوں کی بڑی تعداد پہلے بھی اسرائیل میں موجود ہے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" ملتان' ۲۰ ستمبر ۱۹۹۲ء)

یاسر عرفات نے بتایا کہ پاکستان کے ایٹمی پلانٹ میں ملک کے اندر سے تخریب کاری ہوگی

"سابق وزیراعظم اور حزب اختلاف کی لیڈر بے نظیر بھٹو نے آج یہاں قومی اسمبلی میں بجٹ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ سرحدوں کی صورت حال اور پاکستان کی سلامتی کو درپیش خطرات کے پیش نظر حکومت کو دفاع کے لیے ایک سو ارب روپیہ مختص کرنا چاہیے تھا۔ جبکہ حکومت نے صرف ۷۱ ارب روپے دفاع کے لیے مخصوص کیے ہیں۔ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ نئی دہلی میں راجیو گاندھی کی آخری رسومات کے موقع پر انہیں پی ایل او کے چیئرمین یاسر عرفات نے بتایا تھا کہ پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کو زبردست خطرہ ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ ایٹمی پلانٹ پر بھارت یا اسرائیل حملہ نہیں کرے گا' ملک کے اندر سے تخریب کاری ہوگی۔ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ نوشہرہ کے اسلحہ ڈپو میں ہونے والے دھماکے میں تخریب کاری کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۳ جون ۱۹۹۱ء)

مقبوضہ کشمیر میں اسرائیل سے کمانڈوز کی آمد---- وہ یہودی ہیں یا قادیانی؟

"مقبوضہ کشمیر میں حزب المجاہدین کے کمانڈر انچیف سید صلاح الدین نے کہا ہے کہ بھارتی حکومت ایک مدت سے اسرائیلی کمانڈوز کو مجاہدین کے خلاف استعمال کر رہی ہے اور ۶ لاکھ بھارتی فوج کے ہمراہ اسرائیل کی خفیہ ایجنسی "موساد" کے کمانڈوز بھی سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں کشمیر میں جہاد کی تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیے اسرائیل سے ۳۰۰ کمانڈوز منگوائے گئے ہیں جو سرینگر میں گورنر ہاؤس میں مقیم ہیں۔ مجاہدین کے ہاتھوں ۶ اسرائیلیوں کے اغواء کے بعد ان کی حفاظت کے انتظامات سخت کر دیئے گئے ہیں۔ اس دوران ایجنسی افغان پریس کی گزشتہ برس کی یہ خبر صحیح ثابت ہوئی ہے کہ قابض بھارتی حکام نے کشمیری حریت پسندوں کو کچلنے کے لیے اسرائیلی مشیروں اور

کمانڈوز کی خدمات حاصل کر لی ہیں اور انہیں سری نگر کے نواح میں "ٹورسٹ ہٹس" میں ٹھہرایا ہوا ہے۔ بدھ کی رات جھیل ڈل میں کشمیری مجاہدین اور اسرائیلی کمانڈوز میں تصادم سے ایجنسی افغان پریس کی خبر کی تصدیق ہوگئی۔ یہ اسرائیلی اور مشیر اور کمانڈوز گزشتہ برس جون میں سابق گورنر جگ موہن کے آخری دنوں میں سرینگر پہنچے تھے۔ اسرائیلی مشیروں کی تعداد ۳۶ ہے اور ان کا بھارت کے "بلیک کیٹ" کمانڈوز سے گہرا رابطہ ہے۔ اسرائیلی مشیروں کے قابض بھارتی انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں اور گورنر سے مشاورتی اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ انہیں فلسطین کے تجربے کے حوالے سے مسلم حریت پسندوں کو ختم کرنے والے ماہرین کے طور پر بلایا گیا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی' ۲۹ جون ۱۹۹۱ء)

اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے وزارت خارجہ حکومت پاکستان کے ترجمان نے کہا کہ

"مقبوضہ کشمیر کی موجودہ صورت حال میں وہاں اتنی بڑی تعداد میں اسرائیلی سیاحوں کی مبینہ موجودگی کوئی گٹھ جوڑ ہی معلوم ہوتی ہے۔ وادی میں اسرائیلی کمانڈوز کی مبینہ موجودگی کے بارے میں یہاں رسمی بریفنگ کے دوران ایک سوال پر ترجمان نے کہا ہے کہ میں اس معاملہ سے متعلق میڈیا رپورٹوں پر کوئی تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تاہم کوئی بھی شخص مشکل ہی سے اس پر یقین کرے گا کہ اتنی بڑی تعداد میں اسرائیلی سیاح محض وہاں کشمیر کے حسین مناظر کی سیر و تفریح کے لیے گئے تھے۔ ہم ان رپورٹوں پر تجزیہ کر رہے ہیں اور اخباری رپورٹوں کے بارے میں حقائق جمع کر رہے ہیں۔ اس کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہی کوئی رسمی ردعمل سامنے آئے گا۔ واضح رہے کہ پریس رپورٹوں کے مطابق ان اسرائیلی کمانڈوز کے مقبوضہ کشمیر جانے کا مقصد بھارتی حکومت کی اعانت اور تعاون سے کہوٹہ میں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو حملہ کا نشانہ بنانا تھا"۔

(روزنامہ "جسارت" کراچی' ۲۹ جون ۱۹۹۱ء)

اسرائیلی کمانڈوز کی مقبوضہ کشمیر میں آمد پر جمعیتہ علماء پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"بھارت پاکستان کے ایٹمی کہوٹہ کی تباہی کے لیے یہودیوں سے گٹھ جوڑ کر چکا ہے' جس کا واضح ثبوت سرینگر میں کشمیری حریت پسندوں کے ہاتھوں یرغمالی

بنائے جانے والے تین سو اسرائیلی کمانڈوز ہیں' جنہوں نے کہوٹہ پلانٹ کو تباہ کرنے کے لیے آلات نصب کر دیے تھے۔ آج شام کراچی پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسرائیلی کمانڈوز کو بروقت کشمیری حریت پسندوں نے یرغمالی بنا کر یہودیوں اور ہندوؤں کی اس سازش کو ناکام بنا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیری حریت پسندوں کے اس اقدام نے نہ صرف کہوٹہ پلانٹ کو تباہی سے بچا لیا' بلکہ پاکستان کو بھی تحفظ فراہم کیا ہے۔ علامہ نورانی نے کہا کہ ان حالات میں جب کہ کشمیر میں اپریل ۹۰ء سے غیر ملکی باشندوں کے جانے پر پابندی عائد ہو' اتنی بڑی تعداد میں سیاح کس طرح جاسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ دراصل سیاح نہیں بلکہ اسرائیلی کمانڈوز تھے' جن کی خدمات امریکہ نے بھارت کے تعاون سے حاصل کیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو امریکی امداد کی بیماری لاحق ہے۔ امریکہ کہتا ہے کہ امداد لے لو' کہوٹہ پلانٹ اور فوجی قوت کم کر دو۔ ساتھ ہی وہ یہ دھمکیاں دے رہا ہے کہ اگر پاکستان نے اس کی شرائط پوری نہ کیں تو وہ طاقت استعمال کرے گا۔ موجودہ حالات میں پاکستان کو امریکی امداد سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایڈ نہیں بلکہ ایڈز ہے۔ امریکہ خلیج کی جنگ کے بعد عالمی غنڈہ گرد بن کر ابھرا ہے۔ وہ عراق کے بعد اب پاکستان سے نمٹے گا۔ مولانا نورانی نے امریکہ سے سوال کیا کہ وہ جنوبی افریقہ اور اسرائیل سے ان کے ایٹمی پروگراموں کے بارے میں کیوں دریافت نہیں کرتا۔ اسے صرف پاکستان کے جوہری پروگرام کی کیوں فکر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل ۱۹۸۶ء سے کہوٹہ پلانٹ کو تباہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ سرینگر سے قبل سری لنکا میں بھی یہودیوں کی دہشت گرد تنظیم نے کہوٹہ تباہ کرنے کے لیے اڈہ قائم کیا تھا۔ تاہم یہ کوشش بھی ناکام ہوئی"۔

(روزنامہ "امن" کراچی ۳ جون ۱۹۹۱ء)

مقبوضہ کشمیر میں اسرائیلی کمانڈوز کی آمد کے بارے میں آپ نے خبر پڑھی اور ساتھ ہی وزارت خارجہ کے ترجمان اور علامہ شاہ احمد نورانی کا بیان بھی ملاحظہ فرما لیا۔ تبصروں میں اصل حقائق کو پیش نہیں کیا۔ اصلی حقیقت یہ ہے کہ جو پی ایل او کے سربراہ نے مس بے نظیر بھٹو کو کہا تھا کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو اصل خطرہ اپنوں سے ہے'

گویا اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ اپنے کون ہیں۔ لیکن ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب بھی واشگاف الفاظ میں کہنا چاہتے ہیں کہ وہ قادیانی ہیں' جن کا امریکہ سرپرست ہے اور جو اسرائیلی فوج میں کثیر تعداد میں موجود ہیں جب کہ ان کا مشن بھی وہاں موجود ہے۔ حالانکہ کسی اور تنظیم حتیٰ کہ عیسائیوں کو بھی وہاں مشن کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ قادیانیوں کے یہودیوں سے گہرے مراسم ہیں یا صاف اور واضح لفظوں میں قادیانی یہودیوں کے جاسوس اور ایجنٹ ہیں۔ دوسری طرف بھارت میں قادیانیوں کا مرکز ہے' اس لحاظ سے ان کے ہندوؤں سے گہرے مراسم ہیں۔

بھارت پاکستان پر دو بڑے حملے کر چکا ہے۔ ۱۷ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان پر بھارت نے حملہ کیا' جس کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوگیا۔ سرحدوں پر بھارت پاکستان کو نقصان پہنچانے میں مصروف تھا جب کہ اندرونی طور پر قادیانی خصوصاً مسٹر ایم ایم احمد بھارت کی وکالت کر رہا تھا۔ پاکستان کو دولخت کرنے میں جس طرح بھارت کا ہاتھ ہے' اسی طرح قادیانیوں کا بھی ہے۔ اب باقی ماندہ پاکستان کے بارے میں بھی ان کے عزائم خطرناک نظر آتے ہیں اور وہ اپنے سرپرست امریکہ کے اشارے پر ملک کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔

(اداریہ ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی)

کہوٹہ پر حملے کے لیے قادیانی' بھارت' اسرائیل مشترکہ منصوبہ

"اسرائیلی فضائیہ کے طیارے بھارتی تعاون سے کہوٹہ کی ایٹمی تنصیبات پر حملے کے لیے پاکستانی سرحدوں کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن پرواز شروع کرنے کے بعد اس انکشاف کے بعد کہ آئی ایس آئی کو اسرائیل اور بھارت کے اس مشترکہ ناپاک مشن کا پتہ چل چکا ہے اور ان حملہ آوروں کو فضا میں ہی تباہ کرنے کے لیے تیار ہے' ان طیاروں کو واپس بلا لیا گیا۔ یہ دعویٰ ہفت روزہ "تکبیر" میں شائع شدہ ایک رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد نے جنوبی بھارت میں ایک ڈمی کہوٹہ بنوایا۔ جس پر حملے کی تربیت بھارتی اور اسرائیلی ایک ساتھ حاصل کرتے رہے۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف سرگرمیوں کے ضمن میں موساد کے اعلیٰ عہدیدار بغیر کسی اعلان کے بھارت آتے اور بھارتی خفیہ حکام کے ساتھ بریفنگ کے بعد واپس چلے جاتے ہیں۔

رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ کہوٹہ پر فضائی حملے کے لیے موساد نے ہوابازوں اور

سرغرساں ماہرین کا جو گروپ تیار کیا' اس کی قیادت ایک پاکستانی کے ہاتھ میں تھی۔ موساد نے اس پاکستانی کو جس کے پاکستان میں پتے کے بارے میں حکام خاموش ہیں۔ یورپ کے ایک ملک میں ایک لڑکی کے ساتھ پکڑا اور اسے بلیک میل کر کے اس مشن کے لیے تیار کیا۔ اس سے پہلے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر حملے کی قیادت کے لیے بھی "موساد" نے ایک عراقی ہواباز کو استعمال کیا تھا۔ ایسے معرکوں کے لیے حکمت عملی یہ اپنائی گئی ہے کہ حملہ آور ہوائی جہازوں کا ایک ہواباز اپنے ٹارگٹ کی زبان اور لہجے میں بات کرتا ہے۔ اس طرح ٹارگٹ' ملک کی فضائیہ اور زمینی عملے کو یہ شبہ نہیں ہوتا کہ کوئی اجنبی اس کی حدود میں گھس آیا ہے یا گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس طرح مکمل طور پر حیران کر دینے کا عنصر موجود رہتا ہے۔ عراق پر اسرائیلی فضائی حملے کی تفصیلات' پاکستان کے سراغرساں اداروں کے پاس موجود ہے۔ اسرائیلیوں نے اس آپریشن کو آپریشن بیبلون (Babylon) کا نام دیا تھا۔ اس حملے میں حملہ آور طیاروں کی ترتیب یہ تھی کہ ایف ۱۵ اور ایف ۱۶ طیارے اکٹھے کیے گئے تھے اور یہ حملہ غروب آفتاب کے وقت کیا گیا تھا۔ جنگی ماہرین کی زبان میں ٹائپ آف اٹیک یہ تھا کہ طیارے بہت نیچی پرواز کرتے ہوئے اپنے ہدف تک پہنچیں گے۔

رپورٹ کے مطابق موساد نے کہوٹہ پر فضائی حملے کا جو منصوبہ بنایا تھا' اس میں بھی حملے کا وقت غروب آفتاب رکھا اور طیاروں کی ترتیب بھی عراقی ایٹمی ری ایکٹر پر حملے جیسی تھی۔ ایف ۱۵ اور ایف ۱۶ طیاروں کے ذریعے عراق کے ایٹمی مرکز اور کہوٹہ پر حملے کے اسرائیلی منصوبے میں فرق یہ تھا کہ کہوٹہ کے لیے انہوں نے ایک پاکستانی کو قابو کیا اور تل ابیب میں اس کی تربیت کی۔ اسے آزمانے کی غرض سے پہلے ایک عرب ملک میں ایک مشن پر روانہ کیا۔ جسے اس نے پورا کر دیا۔ اس کے بعد وہ کم از کم ۲ مرتبہ اپنے پاکستانی پاسپورٹ پر پاکستان آیا اور آنے کے بعد اس نے اپنے ذرائع سے پاکستانی سرحد عبور کی اور فیروز پور سے "را" نے اسے طیارے کے ذریعے بھارت میں اس مقام پر پہنچایا' جہاں امریکی پاسپورٹ پر سفر کرنے والے "موساد" کے ایک اعلیٰ افسر نے اس کی بریفنگ کی۔ تاہم جس وقت وہ ان سرگرمیوں میں مصروف تھا' پاکستانی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کو پورے اسرائیلی منصوبے کا علم ہو چکا تھا۔ اسے بغیر کسی مزاحمت کے اپنے مشن پر آگے بڑھنے دیا گیا۔ ۱۹۸۷ء میں جب اسرائیلی طیاروں نے اس پاکستانی پائلٹ کی قیادت میں بھارت کے ایک ہوائی اڈے سے پرواز کی تو پاکستانی فضائیہ اور دوسرے ادارے اس حملے کو ناکام بنانے کے لیے تیار تھے۔ اسرائیلیوں پر یہ انکشاف پرواز شروع کرنے کے بعد ہوا اور انہوں نے

پاکستانی سرحدوں کے قریب پہنچ کر اپنا رخ بدل لیا۔ اس طرح "موساد" بڑی عرق ریزی اور محنت سے تیار کردہ منصوبے کے باوجود آئی ایس آئی کے سامنے ہار گئی۔

"ہفت روزہ" کی رپورٹ کے مطابق "موساد" کی کشمیر میں سرگرمیاں تیز تر ہوگئی ہیں اور کشمیر موساد کی خصوصی ایجنسی کا مرکز بن چکا ہے۔ کہوٹہ کی تباہی موساد کی ترجیح نمبر دو تھی۔ "موساد" کا اصل مقصد بھارتی حکام کو ان طریقوں سے آگاہ کرنا تھا' جن کو بروئے کار لا کر مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کو اس طرح دبایا جا سکتا تھا۔ جس طرح اسرائیلیوں نے مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں فلسطینی عوامی تحریک "انتفاضہ" کو ختم کر دیا تھا۔ پاکستان میں ایجنٹوں کا حصول اسرائیل کے لیے مشکل نہیں۔ پاکستانی قادیانیوں کا ایک مرکز حیفہ میں موجود ہے اور یہودیوں اور قادیانیوں کے مقاصد مشترکہ ہیں۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں اسلحہ اور بعض آلات کی سمگلنگ میں بعض سابق فوجی افسر بھی شامل ہیں۔ جن کا تعلق قادیانی گروپ سے ہے۔ موساد سے متعلق علم ہوا ہے کہ یہ تنظیم ایران میں انقلاب سے قبل شاہ ایران کی خفیہ پولیس کو تربیت دیتی تھی۔ کہوٹہ کے سلسلے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ کہوٹہ کی اطلاع عام ہونے سے بھی پہلے "موساد" کہوٹہ کی تلاش میں ہے اور جس اسرائیلی ایجنٹ نے پاکستانی حکام کو خاص قاتل کیمیائی مادوں کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ وہ بھی کہوٹہ مشن پر ہی تھا۔ یاد رہے پاکستانی حکام نے جاسوسی کے کم از کم تین کیس ایسے پکڑے جن میں اقوام متحدہ کے عہدیدار ملوث تھے اور مذکورہ بالا ایجنٹ بھی انہی اسرائیلی ایجنٹوں میں سے ایک تھا"۔

(روزنامہ "پاکستان" لاہور ۱۰ ستمبر ۱۹۹۱ء)

"پاکستان کے جوہری پروگرام کے خلاف ہندو و یہود کی سازش"

اس عنوان سے معروف صحافی ارشاد احمد حقانی لکھتے ہیں:

"ایک ممتاز عصری جریدے نے اپنے جنوبی ایشیا کے نمائندے جناب رافت یحییٰ کے حوالے سے اس سازش پر سے تفصیل کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے' جو پاکستان کے کہوٹہ پلانٹ کو تباہ کرنے کے لیے پاکستان کے دو دشمنوں بھارت اور اسرائیل نے مل کر تیار کی تھی اور جس کے مطابق گزشتہ جولائی میں اس پر عمل ہونا تھا لیکن کشمیری حریت پسندوں

کے ہاتھوں مقبوضہ کشمیر میں بعض اسرائیلی کمانڈوز کی گرفتاری کی وجہ سے اس سازش پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ اسرائیلی کمانڈوز کی گرفتاری کے بعد جو معلومات ملی ہیں' ان کے مطابق ان کمانڈوز کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ کہوٹہ کے آس پاس پاکستان کے فوجی طیاروں کی نقل و حرکت کا مکمل سراغ لگائیں اور ایسے انتہائی پیچیدہ آلات کہوٹہ کے قریب ترین علاقے میں چوری چھپے نصب کر دیں' جو پاکستان کے راڈار اور مواصلات کے نظام کو ناکارہ بنا دیں۔

منصوبے کا اگلا مرحلہ یہ تھا کہ ساٹھ سے زیادہ کمانڈوز کو ہیلی کاپٹروں کے ذریعے پاکستان کے جوہری منصوبے کے قریب ترین مقام پر اتار دیا جائے گا۔ ان کے ذمے حسب ذیل کام ہوں گے۔

۱۔ کہوٹہ کے سیکورٹی گارڈز کا خاتمہ کر کے ان سے نجات حاصل کی جائے۔
۲۔ علاقے میں فضائی تحفظ کے نظام کو مفلوج کر دیا جائے۔
۳۔ ری ایکٹر کے قریب انتہائی طاقت ور بم اور دھماکہ خیز مواد نصب کر دیے جائیں۔

مصری جریدے کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۱ء میں جب اسرائیل' عراقی ری ایکٹر کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تو بھارت اور اس کے درمیان' پاکستان کی جوہری استعداد کی تباہی کی کوششوں میں قریبی ارتباط پیدا ہوگیا۔ بھارت اپنے طور پر کہوٹہ کو (خاکم بدہن) تباہ کرنے کی کوشش اسرائیل کے تعاون سے کرنا چاہتا تھا' کیونکہ متعدد وجوہات کی بناء پر ان دونوں میں سے کوئی ایک مجوزہ منصوبے پر عمل کرنے کی استعداد نہ رکھتا تھا۔ اسرائیل کہوٹہ سے اس قدر دور تھا کہ ہندوستان کی سہولتوں سے فائدہ اٹھائے بغیر اس کے لیے موثر کارروائی کرنا ممکن نہ تھا۔ خود ہندوستان اول تو کماحقہ وہ فنی اور ٹیکنیکی مہارت نہ رکھتا تھا جو پیش نظر مقصد کے لیے درکار تھی اور ثانیاً وہ پاکستان کی جوابی کارروائی سے بھی خوف زدہ تھا۔ اس لیے پاکستان کے ان دونوں دشمنوں نے طویل صلح مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ مل کر مشترکہ طور پر کوئی کارروائی کی جائے۔ ہندوستان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر اسرائیل کے اشتراک سے کوئی اقدام کیا جائے گا تو اس پر کہوٹہ کی تباہی کا الزام قطعیت سے عائد کرنا آسان نہیں رہے گا۔ ہندوستان کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر تنہا وہ پاکستان کی جوہری تنصیبات کو نقصان پہنچانے کا ذمہ دار گردانا گیا تو عالم عرب اور عالم اسلام میں اس کا انتہائی شدید ردعمل ہوگا اور اس کے لیے مسلمان دنیا سے خوشگوار روابط برقرار رکھنا ممکن

نہیں رہے گا۔

جریدے کے نمائندے نے اسرائیلی خفیہ ایجنسی "موساد" کے ایک کارندے اور ایجنٹ کی ایک کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے' جس میں وہ صاف کہتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کے جوہری ری ایکٹر کی مجوزہ تباہی کے پورے منصوبے کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور ۱۹۸۴ء میں بعض ہندوستانی جوہری سائنس دانوں کو اسرائیل مدعو کیا گیا تھا تاکہ کہوٹہ پر حملے کی پوری منصوبہ بندی کی جا سکے۔ "موساد" کے ایجنٹ آسٹرو وسکی نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ اسرائیلی ماہرین نے ہندوستانی کمانڈوز کو کہوٹہ کے پلانٹ پر حملے کے لیے مکمل تربیت بھی دی تھی۔ جریدے کے نمائندے رافت یحیٰی نے ایک اور کتاب کے حوالے سے یہ انکشاف کیا ہے کہ امریکی یہودی جوناتھن پولارڈ نے جسے ۱۹۸۵ء میں اسرائیل کے لیے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا' پاکستان کے جوہری پروگرام کے بارے میں امریکی خفیہ معلومات اسرائیل کی خفیہ ایجنسی "موساد" کو فراہم کی تھی اور انہی کی بنیاد پر اسرائیل نے کہوٹہ پر امکانی حملے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ جریدے کا کہنا ہے کہ جس طرح اسرائیلی وزیراعظم بیگن نے مسلمان جوہری سائنس دانوں کے قتل کے ایک منصوبے کی ذاتی طور پر نگرانی کی تھی اور اس منصوبے کے ایک حصے کے طور پر مصری جوہری سائنس دان ڈاکٹر المشاد کو پیرس میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح وزیراعظم شمیر بھی مسلمان جوہری سائنس دانوں کو ختم کرنے کے ایک منصوبے کی نگرانی کر رہے ہیں اور اس میں پاکستان کے ممتاز جوہری سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے قتل کا پروگرام بھی شامل ہے۔ اخباری نمائندے کا کہنا ہے کہ پاکستان کے جوہری استعداد کو نقصان پہنچنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان دنیا کے پاس جو بچی کھچی جوہری استعداد ہے' وہ بھی ختم ہو جائے گی اور ایک طرف اسرائیل اور دوسری طرف بھارت جوہری طاقتوں کے طور پر ابھریں گے۔ اس طرح پاکستان ایک سیاسی قوت کے طور پر منظر سے ہٹ جائے گا اور یہی اس وقت انتہا پسند ہندو عناصر کا اصل ہدف ہے۔

مصری جریدے کی یہ رپورٹ کسی انکشاف کی حیثیت نہیں رکھتی لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے جوہری پروگرام کے خلاف ہندو و یہود کی سازش ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جو آہستہ آہستہ ساری دنیا کے علم میں آتی جا رہی ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ حکومت پاکستان اور اس کے متعلقہ ادارے بھی پوری صورتحال سے بخوبی آگاہ ہوں گے اور نہ صرف انہیں ان خطرات کا بھرپور احساس ہوگا جو دشمنوں کی سازشیں ہمارے

لیے پیدا کر رہی ہیں اور مزید پیدا کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں بلکہ وہ ان کا توڑ کرنے کے لیے تمام امکانی تدابیر اختیار کر چکے ہوں گے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۴ر ستمبر ۱۹۹۱ء)

"کہوٹہ پر حملہ کی خبریں"

اس عنوان سے نیر زیدی نمائندہ خصوصی "روزنامہ جنگ" مقیم واشنگٹن لکھتے ہیں:

"میں ستمبر ۱۹۸۴ء میں جب اسلام آباد گیا تو بھارتی حملے کی افواہ گرم تھی۔ افواہ کیا تھی بلکہ یقین تھا کہ بھارت کہوٹہ پر حملہ کر سکتا ہے۔ میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے ملنے گیا' وہ تھکے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ میں نے پوچھا کہ قبلہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ رات بھر یہ ہوتا ہے کہ سرحد پار جب بھارتی طیارے اڑتے ہیں اور ہمارے رڈار پر ان کی علامت ملتی ہے تو ہم سب الرٹ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد سو نہیں سکتے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۳ر جنوری ۱۹۹۲ء)

کہوٹہ میں تباہی پھیلانے کی کوشش ناکام

"ایک حساس صوبائی ایجنسی کی رپورٹ پر کہوٹہ کے حساس علاقے کے قریب واقع ایک دکان سے بھاری مقدار میں خطرناک دھماکہ خیز مواد برآمد کر لیا گیا۔ اس طرح تباہی پھیلانے کی سازش ناکام بنا دی گئی۔ صوبائی ایجنسی نے اسسٹنٹ کمشنر کہوٹہ کو اطلاع دی کہ کہوٹہ کے علاقہ پنجاڑ میں کریانہ کی ایک دکان میں بھاری مقدار میں دھماکہ خیز مواد اور بارود موجود ہے۔ اس اطلاع پر کہوٹہ پولیس کے ہمراہ چھاپہ مارا گیا اور عبدالغفور کی دکان سے ۲۵ کلوگرام بارود' ۲ ایکسپ اوسوباکس' ۱۵ میٹر سیفٹی فیوز اور دو درجن ڈیٹونیٹر برآمد کر لیے گئے۔ دکان کا مالک عبدالغفور فرار ہوگیا جبکہ اس کے بیٹے زیلفور احمد کو گرفتار کر لیا گیا۔ دونوں کے خلاف مقدرمہ درج کر لیا گیا۔ کہوٹہ سے حساس علاقہ میں خطرناک بارود اور دھماکہ خیز مواد کی اتنی بڑی مقدار میں برآمدگی کے بعد خفیہ ایجنسیوں اور پولیس حکام نے یہ تحقیقات شروع کر دی ہے کہ اس دکان میں دھماکہ خیز مواد ذخیرہ کرنے کا مقصد کیا تھا اور یہ دھماکہ خیز مواد کہاں سے لایا گیا اور کیا اس دھندے میں کوئی دہشت گرد یا تخریب کار تو

ملوث نہیں، ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر پولیس نے تفتیش شروع کر دی ہے"۔
(روزنامہ "جنگ" لاہور، ۷ر فروری ۱۹۹۲ء)

کہوٹہ پر مسافر طیارے کی پرواز

"یہ خبر انتہائی تشویش ناک ہے کہ لاہور سے جدہ جانے والے پی آئی اے کا ایک جمبوجیٹ طیارہ، جس میں تین سو مسافر سوار تھے، اپنے مقررہ راستے سے ہٹ کر کہوٹہ کی طرف چلا گیا۔ کنٹرول کی طرف سے پائلٹ کو وارننگ بھی دی گئی کہ وہ اپنا راستہ تبدیل کرے لیکن ہوا باز مصر رہا کہ وہ درست راستے پر ہے۔ جب کامرہ سے دو ایف سولہ طیارے مشکوک صورتحال کی وجہ سے کہوٹہ پر پہنچے تو انہوں نے مذکورہ جمبوجیٹ طیارے کو اڑا دینے کی وارننگ دی جس کے بعد مذکورہ طیارہ وہاں کی فضائی حدود سے نکل گیا۔ بعض اطلاعات کے مطابق یہ تعین کیا جا رہا ہے کہ کیا پائلٹ نے شراب پی رکھی تھی یا وہ کسی دشمن کے اشارے پر آزمائش کرنا چاہتا تھا کہ کہوٹہ کا سیکورٹی نظام بروقت چوکس اور ہوشیار ہے اور اس پرواز کا مقصد حساس تنصیبات کی تصاویر اتارنا بھی ہو سکتا ہے؟ یہ سارے امکانات قومی سلامتی اور پاکستان کی نہایت حساس ایٹمی تنصیبات کے تحفظ اور دشمن طاقتوں کی سازشوں کے حوالے سے بے حد اہم اور فوری تحقیقات کا تقاضا کرتے ہیں۔ کہوٹہ کی فضا میں ایک طیارے کا اس طرح پہنچ جانا بھی حفاظتی اقدامات میں بعض خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے"۔

(اداریہ روزنامہ "جنگ" لاہور، ۳۰ر ستمبر ۱۹۹۲ء)

کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کے قریب اسرائیلی جاسوسہ گرفتار

"حساس اداروں نے پاکستان کے حساس ترین ایٹمی علاقے کہوٹہ کے قریبی مضافات میں غیر معمولی کارروائی کرتے ہوئے درمیانی عمر کی ایک اسرائیلی جاسوسہ کو گرفتار کرنے کے بعد آئی ایس آئی اور آئی بی حکام کے حوالہ کر دیا ہے اور ذمہ دار ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق یہ کارروائی تقریباً آٹھ دن پہلے اتوار کے روز اس وقت کی گئی جب مذکورہ اسرائیلی جاسوسہ کو مشکوک حالت میں کہوٹہ ایٹمی پراجیکٹ کے قریب گاؤں میں پھرتے ہوئے دیکھا گیا جس کے فوراً بعد حساس اداروں نے کارروائی کرتے ہوئے اس اسرائیلی جاسوسہ کو گرفتار کر لیا اور ذمہ دار ذرائع نے مزید بتایا کہ یہ اسرائیلی جاسوسہ بظاہر سنسکرت

بولتی ہے تاہم وہ اردو سمیت اکثر زبانیں جانتی ہے اور اسے کافی عرصہ سے کہوٹہ کے گردو نواح میں دیکھا جا رہا تھا۔ اسرائیلی جاسوسہ کے بارے میں مزید بتایا گیا ہے کہ ان نواحی علاقوں کی دیہاتی عورتوں جیسا لباس پہنتی تھی اور مضافاتی علاقوں کے لوگوں کے مطابق وہ کئی دفعہ یہاں دیکھی جا چکی ہے۔ ان ذمہ دار ذرائع کے مطابق یہ واقعہ پیش آنے کے فوراً بعد کہوٹہ کے اردگرد تمام علاقوں میں انتہائی زبردست حفاظتی انتظامات کیے گئے جبکہ حفاظتی نکتہ نگاہ سے بھاری تعداد میں پاک فوج کے کمانڈوز تعینات کر دیے گئے۔ ان ذرائع نے مزید بتایا کہ اس واقعہ کے بعد اردگرد کے علاقوں میں موجود حساس اداروں کو ریڈ الرٹ کر دیا گیا ہے۔ شام کے وقت اندھیرا پھیلنے کے فوراً بعد کہوٹہ ایٹمی پلانٹ اور اردگرد کے علاقوں میں بجلی کا بلیک آوٹ کر دیا جاتا ہے۔ ان ذمہ دار ذرائع نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ منصوبہ کے مطابق اسرائیلی جاسوسہ نے اردگرد کہوٹہ کی مکمل رپورٹ تیار کرنے کے بعد اسے بھارت اور اسرائیل کے حساس اداروں کے حوالہ کرنا تھا' جس کے بعد کہوٹہ کے قریب کشمیر سے ملنے والی پہاڑیوں کے درمیان بھارت اور اسرائیل نے مشترکہ کمانڈوز ایکشن کرتے ہوئے ان علاقوں میں پیراٹروپرز گرانے تھے جس کے بعد کہوٹہ کو تباہ کرنے کی مکروہ سازش کی جاتی۔ ان ذرائع کے مطابق اگر یہ منصوبہ ناکام ہو جاتا تو دوسرے منصوبے کے تحت بھارتی اور اسرائیلی جنگی جہازوں نے پیراشوٹ بم گرا کر کہوٹہ ایٹمی پراجیکٹ کو نقصان پہنچانا تھا۔ تاہم اس اسرائیلی جاسوسہ کی گرفتاری سے یہ منصوبہ ناکام بنا دیا گیا۔ ان ذمہ دار ذرائع نے مزید بتایا کہ اسرائیلی جاسوسہ اس وقت حساس اداروں کی تفتیشی سیلوں میں ہے' جہاں اس سے مزید پوچھ گچھ کی جا رہی ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۴ر اکتوبر ۱۹۹۲ء)

پاکستان میں شمسی توانائی کے منصوبے ناکام بنانے کی سازش کا انکشاف

"حد درجہ ذمہ دار ذرائع نے پاکستان میں شمسی توانائی کے منصوبے کو ناکام بنانے کی ایک سازش کا انکشاف کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس سازش میں کئی ملکی اور غیر ملکی عناصر شامل ہیں معلوم ہوا ہے کہ حکومت پاکستان سارے معاملات کا جائزہ لے رہی ہے اور عنقریب ہی سنسنی خیز انکشافات کی توقع ہے۔ ذرائع کے مطابق اس سازش میں مرکزی کردار ایک ہندو اور ایک قادیانی خاتون سائنس دان نے ادا کیا ہے۔ پاکستان کے خلاف اس عالمی سازش کا ابتدائی انکشاف اسلام آباد میں پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے سائنس دانوں

کے ایک اجتماع میں اس وقت ہوا جب ایک وزیر مملکت کی موجودگی میں پاکستان کے ایک ممتاز سائنس دان نے اس سکینڈل کا ایک واضح اشارہ دیا۔ اسلام آباد میں وزیر مملکت سردار آصف احمد علی کی صدارت میں پاکستان نیوکلیئر سوسائٹی کا اجلاس جاری تھا کہ ممتاز سائنس دان ڈاکٹر عتیق مفتی اپنی نشست پر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا کہ ۸۴ کروڑ ڈالر کی اس سازش پر بھی غور کیا جائے جو سی آئی اے کے ایک لیٹر پر ایکفیک کمپنی کو توانائی کے شعبہ میں ایک ٹھیکہ دینے سے شروع ہوئی اور یہ سازش بھی ایک ہندو نے ترتیب دی تھی۔ وفاقی وزارت سائنس و ٹیکنالوجی کے سب سے زیادہ سینئر سائنس دان ڈاکٹر عتیق مفتی کے اس سوال پر اجلاس میں سناٹا چھا گیا۔ تاہم کسی نے ان کے اس سوال کا جواب نہیں دیا' بعد ازاں نمائندہ جنگ نے اس اہم سائنس دان سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے کہا کہ بہتر ہے کہ اس معاملے پر میری زبان نہ کھلوایئے۔ میں نے ایک لفظ بھی آپ کو بتایا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے' مجھے منظر سے ہٹانے کے لیے مجھ پر پہلے ہی دو حملے کیے جا چکے ہیں۔ مجھے ابھی خاموش رہنے دیجئے' ان الفاظ کے ساتھ سابق ڈائریکٹر جنرل نیشنل انسٹیٹیوٹ آف سلیکون ٹیکنالوجی اور موجودہ ممبر پاکستان سائنس فاؤنڈیشن ڈاکٹر عتیق مفتی کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے اور وہ اچانک کانفرنس ہال سے غائب ہوگئے۔ عالمی شہرت یافتہ سائنس دان اور حکومت پاکستان کے گریڈ ۲۱ کے یہ افسر پاکستان کے ساتھ ہونے والی اس واردات کی مزید تفصیلات بتانے سے انکاری ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں بہت جلد صدر مملکت غلام اسحاق خان کو ایک تفصیلی خط میں توانائی کے شعبہ میں پاکستان کے خلاف ہونے والی اس سازش سے پردہ اٹھاؤں گا۔ اس اہم قومی معاملے پر جنگ کی آزادانہ تحقیق کے نتیجے میں سنسنی خیز انکشافات ہوئے ہیں' حد درجہ ذمہ دار ذرائع نے بتایا ہے کہ نیشنل انسٹیٹیوٹ آف سلیکون ٹیکنالوجی (این آئی ایس ٹی) کے ذریعہ پاکستان میں سولرسیلوں اور فوٹوولٹک سیلوں میں تجارتی پیمانے پر تیاری کو روکنے کی جس سازش کا ڈراپ سین اب سامنے آیا ہے' اس کا آغاز ایک عشرہ پہلے ایک عالمی اجارہ دار ملک کی طرف سے کیا گیا تھا اب ان عالمی اجارہ داروں کے مقاصد پورے ہوگئے ہیں۔ اب این آئی ایس ٹی کی تمام مشینیں اور سائنسی آلات تقریباً بے کار ہوگئے ہیں' اور پاکستان' شمسی توانائی کی ٹیکنالوجی سے محروم ہوگیا ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ ۱۹۹۳ء میں اقوام متحدہ کے فنڈز کے ذریعہ سلیکون ٹیکنالوجی کے لیے تعمیر ہونے والی ایک عظیم الشان بلڈنگ

کا افتتاح اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کرنا تھا مگر مبینہ طور پر وزارت سائنس کے اعلیٰ افسروں نے ڈیڑھ کروڑ روپے خورد برد کر لیے اور اس متعلقہ سائنس دان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ نامکمل بلڈنگ کو مکمل قرار دینے کا سرٹیفکیٹ جاری کریں۔ سائنس دان کے انکار پر اسے مختلف نوعیت کی انتظامی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ تاہم پاکستانی سائنس دانوں نے سلیکون ٹیکنالوجی سے متعلق اقوام متحدہ کے مالی تعاون سے کام جاری رکھا اور سولر سیل بنانے کے پیچیدہ طریقہ کار کو دس سے بارہ گنا آسان بناتے ہوئے' پاکستان میں عالمی منڈی کے مقابلے میں ۳۰ فیصدی کم اخراجات سے سولر سیل بنا کر دکھا دیے۔ یہ سائنس دان نیشنل انسٹیٹیوٹ آف سلیکون ٹیکنالوجی قائم کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی امداد سے پہلے اپنے گھروں سے میز کرسیاں اٹھا لائے اور مانگ تانگ کر لیبارٹری قائم کی مگر پاکستانی سائنس دانوں کی ان کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے سابق صدر ضیاء الحق کے دور کے آخری دنوں سے ملک کے اندر اور باہر سازشوں پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا جو اب بھی جاری ہے امریکہ میں مقیم ایک خاتون ڈاکٹر لبنیٰ اعجاز نے اعلیٰ ترین پاکستانی حکام کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ اس خاتون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق قادیانی فرقہ سے ہے۔ امریکہ میں ورجینا پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ کی سربراہ اس خاتون نے پاکستانی حکام کے سامنے ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا ارادہ ظاہر کیا اور بتایا کہ وہ پاکستان میں سلیکون ٹیکنالوجی کے فروغ کے لیے کروڑوں ڈالر کی سرمایہ کاری لائے گی۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ ڈاکٹر لبنیٰ اعجاز کو پاکستان میں پہلی مرتبہ نتھیا گلی میں ہونے والی ایک پاکستان سائنس کانفرنس میں ممتاز سائنس دان پروفیسر عبدالسلام اور ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین منیر احمد نے پاکستانی سائنس دانوں سے متعارف کرایا تھا۔

ڈاکٹر لبنیٰ اعجاز نے پاکستان آتے ہی سیاست دانوں اور اعلیٰ افسروں میں اپنے منصوبے کا جال پھیلا دیا۔ یہ خاتون سلیکون ٹیکنالوجی کے ممتاز ماہر ڈاکٹر عتیق مفتی کے گھر بھی گئیں اور ان کی اہلیہ کو ایک لاکھ روپے ماہانہ کے عوض اپنے ادارے کے بورڈ آف گورنرز میں خدمات سرانجام دینے کی پیشکش کی۔ ذرائع نے بتایا کہ ڈاکٹر لبنیٰ اعجاز اپنے ساتھ دو امریکی ماہرین کو بھی پاکستان لے آئی' یہ خاتون حکومت پاکستان کے ساتھ ۶۷ کروڑ روپے کے ایک ایسے منصوبے کو حتمی شکل دینے لگی ہے جس پر عملدرآمد کے بعد حکومت

پاکستان سلیکون ٹیکنالوجی یا دیگر متعلقہ شعبہ میں' پاکستان میں ڈاکٹر لبنیٰ اعجاز کے گروپ کے علاوہ کسی دوسرے کو کام نہیں کرنے دے گی۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ اس خاتون کے ایماء پر پاکستان میں بینکرز کنسوریشم قائم کر دیا گیا۔ اس خاتون نے حکومت پاکستان کو یقین دہانی بھی کرائی کہ وہ پاکستان میں تجارتی پیمانے پر سولر سیل بنائے گی اور سرکاری سطح پر سولر سیل کی تیاری کا کام ختم کر دیا جائے گا۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ پاکستان کے تین اہم سائنس دانوں نے اس خاتون کے منصوبے کی مخالفت کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ اس طرح پاکستان میں مقامی سطح پر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کا عمل رک جائے گا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ جب اس خاتون نے پاکستان میں سائنس و ٹیکنالوجی کے فروغ کا سرکاری عمل رکوا دیا تو امریکہ میں اس خاتون کو ایک فراڈ کے کیس میں گرفتار کر لیا گیا۔ تاہم اس وقت تک پاکستان کے سرکاری اداروں میں اس سلسلے میں سائنسی تحقیق کا عمل رک کر رہ گیا تھا۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ مقامی سطح پر سولر سیلوں کی تیاری کے منصوبے کو سبوتاژ کرنے کے سلسلے میں ایک اہم کارروائی سابق وزیراعظم کے دور میں بھی ہوئی جبکہ کمار نامی ایک ہندو' ایک عرب شہزادے کا منیجر بن کر پاکستان آیا اور اس نے اعلیٰ ترین پاکستانی حکام کو سولر سیل کے سلسلے میں یہ تجویز پیش کی کہ وہ ۳۰۰ میگا واٹ کے سولر سیل درآمد کر کے پاکستان لائے گا۔ اس مقصد کے لیے ایٹاک نامی ایک کمپنی کو متعارف کرایا گیا اور اس کمپنی نے بہت سے پاکستانی افسروں کے بیرون ملک دورے کرائے اور سولر سیل درآمد کرنے کے لیے لیٹر آف انٹینٹ کے حصول کے لیے راہ ہموار کر لی' یہ فرم پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے ایک سابق ملازم کو بھی بطور معاون اپنے ساتھ پاکستان لائی تھی۔ کمپنی نے حکومت پاکستان کے ساتھ کاغذوں پر یہ معاملہ کیا کہ چھ سال کے لیے ۸۴۰ ملین ڈالر کا قرضہ اس کمپنی کو عالمی ذرائع سے دلایا جائے گا۔ اس کمپنی نے پاکستان میں سولر سیل بنانے کی ایک فیکٹری قائم کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ اس پیشکش کے بعد مقامی سطح پر سولر سیل بنانے کے لیے کوشش کرنے والے پاکستانی سائنس دانوں کے ساتھ زیادتیاں شروع ہوگئیں۔ نیشنل انسٹیٹیوٹ آف سلیکون ٹیکنالوجی کے اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر عتیق مفتی کو کھلے الفاظ میں کہا گیا کہ اگر آپ نے سولر سیل بنانے کی کوشش کی تو ہم آپ کو دنیا کے لیے عبرتناک مثال بنا دیں گے۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ کمار نامی ہندو سعودی شہزادے کے منیجر کے طور پر حکومت پاکستان کے افسروں کو سولر سیل

کی فیکٹری کے قیام کا جھانسہ دیتے رہے اور بعد ازاں جب اس کمپنی کو ۱۰ میگا واٹ کے سولر سیل بنانے کے فیزبلٹی رپورٹ پیش کرنے کو کہا تو وہ کمپنی انکار کر کے واپس چلی گئی۔ ذرائع نے بتایا کہ عالمی اجارہ دار ایک ہندو کے ذریعہ پاکستان میں سولر سیل کے منصوبوں کو سبوتاژ کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنا کام سرانجام دے کر چلے گئے۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ پاکستان میں سلیکون ٹیکنالوجی کے ماہر ڈاکٹر عتیق مفتی ان دنوں اسلام آباد کی پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے ایک گوشے میں بیٹھے ہیں۔ سائنس دانوں کی برادری میں انہیں شہید سائنس دان قرار دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو درجنوں عالمی فورموں میں شرکت کے دعوت نامے ملتے ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں عالمی کانفرنسوں میں شرکت سے روکنے کی تدابیر کی جاتی ہیں۔ پاکستان میں شمسی توانائی کے منصوبوں کو سبوتاژ کرنے کے سلسلے میں ہونے والی عالمی سازشوں سے متعلق مزید سنسنی خیز انکشافات کی توقع ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۸ ستمبر ۱۹۹۲ء)

پاکستان کے اہم راز اور اقلیتی گروہ

"ایک اطلاع میں باخبر ذرائع کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ تھرپارکر کے سرحدی علاقوں میں مقیم ایک اقلیتی فرقہ (قادیانی) کے دو گروہ پاک بھارت سرحدوں کے ساتھ پاکستان کی فوجی نقل و حمل اور دیگر امور سے متعلق اہم رازوں کی رپورٹ روزانہ بھارت بھیج رہے ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق ان اقلیتی گروہوں میں شامل پڑھے لکھے بھارتی ایجنٹوں کی ایک خفیہ میٹنگ "چھور" میں ہوئی تھی' جس میں لائحہ عمل طے کیا گیا تھا۔ یہ عناصر سندھ کے محب وطن عوام میں پاکستان اور مسلح افواج کے خلاف نفرت پھیلانے اور مذہب سے دور کرنے کی غرض سے شر انگیز لٹریچر پمفلٹوں اور کتابچوں کی صورت میں تقسیم کر رہے ہیں۔ سندھ میں "را" اور "موساد" کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں سے متعلق تواتر سے سامنے آنے والی اطلاعات کے پیش نظر' یہ اطلاع چنداں تعجب خیز نہیں ہے۔ سندھ میں پاکستان دشمن قوتوں کے بارے میں ماضی میں جو انکشافات ہو چکے ہیں' ان کی روشنی میں اس اقلیتی فرقہ کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کرنا مشکل نہیں ہے۔ اطلاع میں اس امر کی نشاندہی بھی ہو چکی ہے کہ چھور اور نواح کے سرحدی علاقے ان کی سرگرمیوں کا مرکز ہیں۔ جس کے بعد اس بارے میں ابہام نہیں رہ جاتا۔ یہ فرض سرحدوں

کی حفاظت پر مامور اداروں، پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا ہے کہ وہ ان کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لیے موثر تدابیر اختیار کریں اور ان لوگوں کو عوام کے سامنے بے نقاب کیا جائے تاکہ آئندہ عوامی سطح پر ان کا احتساب اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی صورت پیدا ہو سکے۔ یہ بات اگر درست ہے کہ ان سرحدوں سے اہم ملکی اور فوجی راز بہ آسانی بھارت منتقل ہو رہے ہیں تو یہ صورتحال متعلقہ اداروں کے لیے لمحہ فکریہ ہونی چاہیے۔ بہرحال ان اداروں کا فرض ہے کہ اس بارے میں عوام کو حقائق سے آگاہ کریں اور ایسے ٹھوس اقدامات کیے جائیں کہ ملک دشمن عناصر کا مکمل طور پر قلع قمع کیا جا سکے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ۵ر جنوری ۱۹۹۴ء)

قادیانی جاسوسوں کی گرفتاری

روزنامہ "خبریں" لاہور مورخہ ۵ر جولائی ۱۹۹۵ء کی خبر کے مطابق خفیہ ایجنسی نے کمپیوٹر کے ادارے کے مالک اور اس کے ملازمین کو پاکستان کے اہم راز یہود و ہنود کو پہنچانے کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ ادارے کا مالک آسٹریلوی نژاد ہے اور یہ سب لوگ قادیانی ہیں۔ پوری خبر اس طرح ہے:

"اسلام آباد (نیوز ڈیسک) ایف آئی اے نے مبینہ طور پر پاکستان کے ایٹمی اور دیگر خفیہ راز بھارت اور اسرائیل کو پہنچانے والے کمپیوٹر ایکسپرٹ ڈاکٹر مبشر احمد کو گرفتار کر کے اس کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے، جبکہ ایف آئی آر سربمہر کر دی گئی ہے۔ فرنٹیئر پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق اسلام آباد کے بلیو ایریا میں میڈیالنک کے نام سے واقع ایک کمپیوٹر فرم کا مالک ڈاکٹر مبشر احمد، جسے آسٹریلیا کی شہرت حاصل ہے، کو اپنے بھتیجے قاسم محمود کے ساتھ ایئرپورٹ جاتے ہوئے پچھلے مہینے کی ۱۱ر تاریخ کو ایف آئی اے نے گرفتار کیا تھا۔ ڈاکٹر مبشر قادیانی ہے اور اس کے دوستوں نے بتایا کہ اسے گرفتاری سے دس روز قبل ہی خفیہ والوں نے غائب کر دیا تھا جبکہ اس کے تین قادیانی ملازموں کو بھی تین ماہ قبل گرفتار کیا گیا تھا۔ اخبار نے یہ بھی لکھا ہے کہ میڈیالنک کے توسط سے ڈاکٹر مبشر ملک کے حساس اداروں اور ایٹمی انرجی پلانٹ میں کمپیوٹرز کی تنصیب اور دیگر امور کی آڑ میں خفیہ طور پر معلومات حاصل کر کے دشمن

ممالک کو فراہم کرتا تھا' جس کے انکشاف پر اسے فوری طور پر گرفتار کر لیا گیا۔ اس سلسلے میں اس کی آسٹریلوی شہرت رکھنے والی بیوی ساندرا احمد بھی اس کی خاطر خواہ مدد و معاونت کرتی تھی اور یہ سب رابطے وہ اپنی میوزک اکیڈمی کی آڑ میں کرتی تھی۔ ڈاکٹر مبشر کے دوستوں نے بتایا کہ خفیہ ایجنسی کی تحویل میں ڈاکٹر کو دل کا دورہ پڑا تو وہ اسے ایک فرضی نام سے ہسپتال لے آئے' جس پر اس کے گھر والوں کو اس کی ہسپتال میں علاج کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے کوہسار تھانے میں ڈاکٹر کی گمشدگی کی اطلاع کر رکھی تھی۔ اس کی بیوی نے جب آسٹریلوی سفارت خانے سے رابطہ کیا تو انہوں نے بھی مقدمے کے فیصلے تک پیش رفت کا اظہار نہیں کیا جبکہ دوسری طرف معلوم ہوا ہے کہ اس کی بیوی کو اڈیالہ جیل میں جوڈیشل ریمانڈ پر قید ڈاکٹر سے ملنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے"۔

قادیانی گروہ اول روز سے اسلام اور مسلمان کے دشمن کافروں کی وفاداری کا نہ صرف علی الاعلان اعتراف کرتا ہے بلکہ اس کو باعث افتخار سمجھتا رہا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزی حکومت سے غیر مشروط وفاداری کے اعلان کے ساتھ اپنے خاندان کی ان خدمات کا برملا اعتراف کیا ہے' جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانان برصغیر کے خلاف انگریزوں کی مدد کے لیے انجام دیں۔ ان خدمات میں پچاس گھوڑے مع مسلح سواروں کے ساتھ پیش کرنے کے ساتھ مسلمانوں کی مخبری کی خدمات بھی شامل تھیں۔ گویا مسلمان دشمنی کے ساتھ جاسوسی کا عمل قادیانی گروہ کے خمیر میں شامل چلا آ رہا ہے۔ غالباً اسی بناء پر شاعر مشرق علامہ اقبال نے لکھا تھا کہ "قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں"۔ قیام پاکستان کے بعد سر ظفراللہ قادیانی کو بعض حکومتی مجبوریوں کے سبب وزیر خارجہ مقرر کرنا پڑا تو اس نے بیرون ملک پاکستانی سفارت خانوں کو قادیانیت کی اشاعت کے مراکز بنانے کی پوری کوشش کی اور اندرون ملک' وزارت خارجہ کے محکموں میں قادیانیوں کی بھرمار کر دی۔

اسرائیل' مغربی سامراج کی زیر نگرانی عالم اسلام کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی غیر یہودی تنظیم کو وہاں اپنا مرکز قائم کرنے اور مشنری کام کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک تاریخی اور واقعاتی حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے وقت بھی اسرائیل میں قادیانی مشن باقاعدہ مصروف عمل تھا بلکہ اسرائیلی حکومت کی اسے پوری مدد حاصل تھی اور

بعد میں اس مشن کے روابط' ربوہ اور قادیان دونوں قادیانی مراکز سے کوئی راز کی بات نہیں رہی۔ حال ہی میں قومی ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں سعودی گزٹ مورخہ یکم اپریل ۱۹۹۴ء کے حوالے سے یہ خبر دی گئی ہے "۱۹۸۶ء میں اسرائیل کے وزیراعظم چین ہیروز نے قادیانی مشن کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک ملین (دس لاکھ) امریکی ڈالر کی رقم دی تھی"۔

روس کے اشتراک و تعاون اور انگریزوں کی مدد سے لندن سے سیٹلائٹ اور دنیا بھر میں ڈش انٹینا کے ذریعہ قادیانیت کی تشہیر کے لیے "احمدیہ مسلم ٹیلیویژن" کے نام سے نشریاتی ادارہ قائم کیا گیا ہے' جو مختلف زبانوں میں قادیانیت کی تبلیغ کرتا ہے اور اس میں مرزا طاہر قادیانی کے خطبے اور بیانات بھی نشر کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں قادیانیوں کو سرکاری سرپرستی میں ملک کے گوشے گوشے میں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ قومی ڈائجسٹ کی رپورٹ کے مطابق سری نگر سے مدراس اور بمبئی سے کلکتہ تک کوئی قابل ذکر شہر ایسا نہ ہوگا' جس میں قادیانیوں کے سینٹر قائم نہ کیے گئے ہوں اور یہ سینٹر خصوصیت سے ان ہی علاقوں میں قائم ہوئے ہیں' جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہوتی ہے۔ ۱۹۸۸ء میں قادیانیوں کے صد سالہ جشن کے موقعہ پر مشرقی پنجاب میں شورش اور بدامنی کا طوفان برپا تھا اور علاقہ میں غیر ملکیوں کا داخلہ ممنوع تھا لیکن دنیا بھر کے قادیانیوں کو حکومت نے خصوصی اجازت دے دی تھی۔

ان اشارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہود و ہنود کے ساتھ قادیانیوں کی کیسی رشتہ داری ہے اور دنیا کی یہ دونوں قومیں نسلی افتخار کی دعویدار ہیں۔ پھر یہود کے ہاتھ میں اس وقت دنیا کی سیاسی باگ ڈور بھی ہے اور مشرق و مغرب کی کوئی حکومت ان کے اشاروں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ اس پس منظر میں یہود و ہنود کی بین الاقوامی سطح پر قادیانی گروہ پر نوازشات کی بارش ہر ذی فہم کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ قادیانی گروہ ان اقوام عالم کا آلہ کار ہے اور ان اقوام کے اثر سے نکلنے کے لیے مسلمان جو اقدام اور راستہ اختیار کرنے کی سوچتے ہیں' اس کی مخبری اور جاسوسی کر کے مسلمانوں کو ناکام بنا دینے کی پالیسی قادیانیوں کا بنیادی مقصد ہے۔

حکومت پاکستان کے کلیدی محکموں پر قادیانیوں کا تسلط کھلی بات ہے۔ ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے اس جانب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں کہ جو گروہ اسلام اور مسلمانوں کا کھلا دشمن ہے' ہندو اور یہودیوں کو اس گروہ کی وفاداری پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ پاکستان

اور اس کے حکمرانوں کا وفادار کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کھلی حقیقت سے عملی انکار کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ کوئی قومی راز پوشیدہ نہ رہ پائے اور اسلام آباد میں موجودہ گرفتاریوں کا واقعہ تو غالباً کسی بے احتیاطی کا شاخسانہ ہے ورنہ قادیانی گروہ تو بڑے منظم انداز میں اس راہ پر گامزن ہے۔ اے کاش کہ ہمارے حکمران ہوش کے ناخن لیں اور رقص و سرود کی محفلوں سے باہر نکلیں' اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں' قوم کی صحیح منزل کی جانب رہنمائی کریں' ورنہ جن لوگوں نے مغلیہ اقتدار کی بساط لپیٹنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا' موجودہ دور کی بساط اقتدار کو تو پھونک سے اڑا سکتے ہیں۔ مسلمان اپنے اصحاب اقتدار سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستان کے تمام کلیدی سرکاری مناصب سے قادیانیوں کو علیحدہ کیا جائے اور ڈاکٹر مبشر کے ساتھ مرزا طاہر اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو پاکستان واپس لا کر جاسوسی کے اس معاملہ میں شامل تفتیش کیا جائے اور مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے"۔

(اداریہ ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی' جلد ۱۴' شمارہ ۶' ۷' ۷ تا ۲۰ جولائی ۱۹۹۵ء)

کھوٹہ پلانٹ سے ایٹمی راز چوری کرنے کی اسرائیلی سازش

"کھوٹہ پلانٹ سے ایٹمی راز چوری کرنے کی سازش اس وقت ناکام بنا دی گئی جب اسرائیل کی انٹیلی جنس "موساد" کے لیے کام کرنے والی ایک مبینہ جاسوسہ نے اپنے شوہر کے ذریعے پاکستان اٹامک انرجی کے کمپیوٹروں کے جدید نظام کی تنصیب کرتے وقت فلاپی پر اہم معلومات منتقل کر دیں۔ باخبر ذرائع کے مطابق انٹر سروسز انٹیلی جنس نے ایٹمی راز چوری کرنے کے اس منصوبے کو ناکام بنا کر ایک کمپیوٹر انجینئر گرفتار کر لیا۔ جبکہ اس کے ساتھ اس سازش میں شامل مزید تین افراد گرفتار کیے گئے۔ مذکورہ کمپیوٹر انجینئر ایک "غیر مسلم قادیانی" ڈاکٹر بتایا گیا ہے۔ جبکہ اس کی بیوی کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اس کے غیر ملکی افراد سے روابط تھے۔ آئی ایس آئی نے تحقیقات کے بعد عدالتی کارروائی کے لیے کیس ایف آئی اے کے سپیشل تحقیقاتی یونٹ کے حوالے کر دیا ہے جس نے پنڈی میں سپیشل جج سے ملزموں کا ریمانڈ حاصل کر لیا ہے۔ اس ضمن میں اہم انکشافات متوقع ہیں۔ ذرائع کے مطابق اسرائیل کی طرف سے پاکستان کے ایٹمی راز چوری کرنے کی یہ پہلی کوشش نہ تھی۔ اس سے قبل بھی کھوٹہ پلانٹ میں کام کرنے والے بعض سائنس دانوں کو بلیک میل کر کے اہم راز چوری کرنے کی کوشش کی گئی۔ ذرائع کے مطابق ایک شخص کراچی کے ایٹمی پاور پلانٹ اور کھوٹہ سے انتہائی اہم معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ سازش اس وقت ناکام ہو گئی جب اس کی ایک عزیزہ کو اس راز کا علم ہو گیا اور وہ ذہنی دباؤ کے باعث

بیمار ہوگئی۔ ماہر نفسیات نے حساس اداروں کو آگاہ کیا کہ اس خاتون کے پاس کوئی بہت بڑا راز ہے۔ اس طرح اس خاتون نے ایٹمی راز چوری کرنے کی سازش کے بارے میں حساس اداروں کو آگاہ کیا"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۱۰ر اگست ۱۹۹۵ء)

ڈاکٹر عبدالسلام اور اسلامی سائنس فاؤنڈیشن

"گلف ٹائم کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ وہ اسلامی ملکوں میں سائنس کے فروغ کے لیے فاؤنڈیشن قائم کریں گے تاکہ اسلامی ممالک کے باصلاحیت سائنس دان اپنے علم میں اضافہ کر سکیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ اسلامی ملکوں میں سائنسی علوم کے فروغ کے لیے ٹھوس اقدامات نہیں کیے گئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ٹریسی اٹلی میں نظریاتی طبیعات کا بین الاقوامی مرکز قائم کیا ہے' جس کے وہ ڈائریکٹر ہیں۔ اس مرکز سے ایک ہزار سائنس دان طبیعات کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام کے مرکز کو بین الاقوامی ایٹمی اداروں اور یونیسکو کا بھی تعاون حاصل ہے۔ ڈاکٹر سلام نے بتایا کہ فاؤنڈیشن غیر سیاسی ادارہ ہوگا اور اسے مسلم ممالک کے سائنس دان چلائیں گے۔ اس کے علاوہ اسے اسلامی کانفرنس کی تنظیم سے منسلک کر دیا جائے گا۔ تاہم ڈاکٹر سلام نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ مجوزہ فاؤنڈیشن کے لیے انہوں نے ایک ارب ڈالر کی تجویز رکھی تھی' لیکن کانفرنس نے اس کے لیے ۶۰ کروڑ ڈالر کی منظوری دی۔

قابل افسوس بات یہ کہ اسلامی طبیعاتی فاؤنڈیشن کے نام سے قائم کردہ اس ادارے کو اسلامی کانفرنس جس کے سیکرٹری جنرل پاکستان کے مشہور بیورو کریٹ جناب شریف الدین پیرزادہ تھے' اس منصوبے کی توثیق کر دی' جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ابتدائی طور پر ساٹھ کروڑ ڈالر بھی مہیا کر دیے گئے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر عبدالسلام نے مطالبہ کیا کہ اسلامی کانفرنس اسے کم از کم ایک ارب ڈالر اور مہیا کرے۔

اسلامی کانفرنس نے انہیں یہ عہدہ دے کر سنگین غلطی کی ہے۔ اس لیے کہ ان کا تعلق قادیانی گروہ سے ہے' جو پوری امت کے نزدیک کافر مرتد ہے۔ کانفرنس کی ہی ایک ذیلی تنظیم "اسلامی فقہ اکیڈمی" جس میں ۳۷ ممالک کے علماء شامل ہیں' فتویٰ دیا ہے کہ قادیانیوں کے دونوں گروپ کافر و مرتد ہیں۔ اب ہمیں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے باوجود ابھی تک ان کو کیوں بدستور اس عہدہ پر رکھا گیا ہے۔ کیا اسلامی کانفرنس کی تنظیم میں کسی کافر د مرتد کو بھی عہدہ دیا جا سکتا ہے؟ نہ معلوم کن کے مشورے سے ان کو یہ

عہدہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ مسلم ملکوں میں اس سے بہت اچھے چوٹی کے سائنس دان موجود ہیں۔

ایک اخباری اطلاع کے مطابق اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل جناب شریف الدین پیرزادہ نے مسلمانوں کے دوسرے مذاہب اختیار کرنے کی روش کو روکنے کے لیے ایک مربوط منظم لائحہ عمل اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ اس معاملہ کو انہوں نے قابل تشویش مسئلہ قرار دیا ہے جو نہ صرف افریقہ بلکہ ایشیا کے بھی چند علاقوں میں عیسائی مشنریوں کی مربوط کوششوں سے کھڑا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان مشنریوں نے بالخصوص مسلمانوں کے غریب طبقے کو ہدف بنا رکھا ہے۔

عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں بنگلہ دیش اور بھارت اور خصوصاً انڈونیشیا میں خطرناک حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔ علماء کرام اور دینی تنظیمیں اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے ملکوں میں جہاں تک ممکن ہے' عیسائیت کا مقابلہ کر رہی ہیں لیکن اس پر تشویش کا اظہار کافی نہیں۔ دنیا کے تمام ملکوں کو چاہیے کہ وہ نہ صرف عیسائیت کے مقابلے کے لیے بلکہ ہر باطل کے تعاقب خصوصاً قادیانیت' یہودیت' بہائیت' پرویزیت جو دراصل عیسائیوں کی ہی پیداوار ہے---- کمربستہ ہو جائیں اور ہمارے نزدیک تو اسلامی کانفرنس کی تنظیم ہی اس کام کو بہتر اور احسن طریقے پر انجام دے سکتی ہے۔

جناب شرف الدین پیرزادہ کی تشویش اپنی جگہ بجا لیکن قادیانیت کے مبلغ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو اس قدر آگے بڑھانے اور مسلمانوں اور عالم اسلام میں مقبول کرانے میں ہمارے ہی چند ناسمجھ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا ہاتھ ہے جو ایک طرف تو اسلام کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف ایک مرتد سائنس دان کی پذیرائی کر کے اور اس کی شان میں قصیدہ خوانی کر کے اسے یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اندر گھس کر ہماری امداد کے بل بوتے پر قادیانیت کو سچا مذہب قرار دینے کا کام سرانجام دے۔

ہم ان لوگوں سے جو ہم پر "سائنس دشمنی" کا الزام لگاتے ہیں' سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے قادیانی لٹریچر میں یہ نہیں پڑھا؟ جس میں یہ لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام کا ملنا قادیانی مذہب کے سچے ہونے کی دلیل ہے اور یہ کہ "اسلام کو غالب" کرنے یعنی قادیانیت کو غالب کرنے کے لیے ڈاکٹر عبدالسلام جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔

دنیائے اسلام میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی سے بہت زیادہ ذہین ترین اور مایہ ناز سائنس دان موجود ہیں۔ اسلامی ممالک کو چاہئے کہ ان کی خدمات حاصل کرے اور ڈاکٹر

عبدالسلام جیسے لوگوں کا محتاج نہ بنے۔ اسلامی تنظیم کی کانفرنس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کے قادیانی ہونے کے بارے میں پوری دنیا پر واضح کر کے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو "مسلمان" کہنے پر سندھ ہائی کورٹ میں رٹ

"۲۴ دسمبر ۱۹۷۹ء کو کراچی کے معروف ایڈووکیٹ جناب ایم ایم کے اے زئی نے سندھ ہائیکورٹ میں ڈاکٹر عبدالسلام' کراچی ٹیلی ویژن' ریڈیو پاکستان' ایڈیٹر ہفت روزہ لاہور' ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ' ایڈیٹر ماہنامہ انصار اللہ ربوہ' کے خلاف آئینی درخواست نمبر 2165/79 دائر کی۔ سندھ ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے اس درخواست کی سماعت کی۔ بنچ چیف جسٹس آغا علی حیدر اور جناب جسٹس اے وی اخوند پر مشتمل تھا۔ درخواست گزار جناب زئی ایڈووکیٹ نے عدالت کو بتایا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام ملا ہے اور مذکورہ ادارے اور افراد ڈاکٹر عبدالسلام کو ایک مسلمان کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ جبکہ یہ آئین پاکستان کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں مسلمان کہنا آئین کی خلاف ورزی ہے۔ انہوں نے عدالت سے استدعا کی ہے کہ مذکورہ افراد اور اداروں کو آئین کی اس خلاف ورزی سے روکا جائے۔ عدالت نے مسٹر زئی ایڈووکیٹ کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ محفوظ کر لیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام' خدمت اسلام کا عزم

"معروف سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام نے عزم ظاہر کیا ہے کہ وہ پاکستان اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ عمر کا آخری حصہ پاکستان میں گزاریں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ایک باصلاحیت سائنس دان ہیں اس لیے پاکستانی قوم یقیناً ان کی خدمات سے مستفید ہو کر خوش ہوگی لیکن اب تک کسی پاکستانی حکمران یا جماعت نے نہ تو انہیں ملک کی خدمت کرنے سے روکا ہے اور نہ انہیں پاکستان سے باہر رہنے پر مجبور کیا ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ ایوب' یحییٰ اور بھٹو دور میں ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی' جس کا اعتراف ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا ہے۔ مگر ڈاکٹر نے بھٹو دور میں سرکاری مشاورت سے اس وقت استعفیٰ دے دیا تھا جب مسلم امہ کے پرزور مطالبہ

پر پارلیمنٹ نے بھٹو مرحوم کی ہی زیر قیادت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم مسلک افراد نے پوری قوم کے اس متفقہ فیصلے کو تسلیم کرنے کے بجائے اس کی مزاحمت کی اور ڈاکٹر صاحب بھی مشاورت سے مستعفی ہو گئے۔ مرحوم ضیاء الحق کے دور میں بھی ڈاکٹر عبدالسلام کی پاکستان میں پوری آؤ بھگت ہوئی مگر انہوں نے وطن واپسی گوارا نہ کی۔ اب ہو سکتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں وہ وطن واپسی کی راہ ہموار کر رہے ہوں لیکن ان سے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ وطن آ کر کس اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی' جس پر امت مسلمہ کا ایمان ہے اور ختم نبوت جس کا لازمی جزو ہے' یا مرزا غلام احمد قادیانی کے پیش کردہ "اسلام" کی' جس میں نئے نبی کی آمد کا دروازہ چوپٹ کھلا ہے۔ بہرحال سارے پہلو ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر رہنے چاہئیں اور انہیں وطن واپس لانے والوں کو بھی اس کا اندازہ ہونا چاہیے۔

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں!"

(ادارتی نوٹ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۲۷ مئی ۱۹۸۹ء)

"ایک موقع پر بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ پاکستانیوں میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے عزم کا فقدان ہے۔ عہد حاضر میں سائنس و ٹیکنالوجی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں اور وہی قومیں دنیا میں بالادست کردار اور باوقار مقام کی حامل ہیں جو سائنس و ٹیکنالوجی کے آفاق مسخر کر چکی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے علم کا حصول' انفس و آفاق کی حقیقتوں کا شعور و ادراک اور انہیں انسانی فلاح و بہبود کے لیے استعمال میں لانے کی سعی و تدبیر ایک مقدس مذہبی فریضہ ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے پاکستان کے غلط قواعد و ضوابط کا حوالہ بھی دیا ہے' جس کے باعث انہیں اٹلی کے تحقیقی مرکز کے لیے پاکستان سے باصلاحیت نوجوان لے جانے میں کامیابی نہیں ہو سکی۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے اس انٹرویو کے ردعمل میں روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے اپنے اداریہ "ڈاکٹر عبدالسلام کا شکوہ" کے عنوان سے لکھا:

"اس میں شک نہیں کہ ہمارے قوانین اور قواعد و ضوابط کا گورکھ دھندا ملکی تعمیر و ترقی کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ ہے' جو ایک صدی قبل کی سوچ اور نو آبادیاتی نظام کی پیچیدگیوں پر مبنی ہے اور یہ ایک طرفہ تماشہ ہے کہ

نسبتاً کم تر مفید شعبوں کے افراد اور طائفوں کی بیرون ملک روانگی کی راہ میں تو یہ قواعد و ضوابط کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں لیکن اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کا تعلق پاکستان کی ایسی اقلیت سے ہے، جسے برصغیر کے مسلمانوں اور بعد میں پاکستانیوں نے فراخدلی کے ساتھ اجتماعی دھارے میں ضم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور جعلی نبوت کے فسوں سے نجات حاصل کر کے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سرنگوں ہونے کی ترغیب دیتے رہے لیکن اس اقلیتی گروہ نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو مسلمان سواد اعظم سے بالکل الگ تھلگ رکھا بلکہ مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے اور مسلمانوں کی قابل احترام شخصیات کی توہین و تنقیص کی روش اختیار کیے رکھی اور اسلامی مملکت میں اس اقلیت سے تعلق رکھنے والوں کو جو مناصب عطا ہوئے، انہیں بھی گروہی مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کیا گیا اور عامتہ المسلمین کے مجموعی مفادات کو نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

سر ظفراللہ خان، مسٹر ایم ایم احمد اور ایسے ہی دوسرے افراد کا کردار ہماری قومی تاریخ کا حصہ ہے۔ جناب عبدالسلام بھی سابق حکومتوں کے سائنسی مشیر کے منصب پر فائز رہے لیکن اس دور میں انہوں نے پاکستان کی کیا رہنمائی فرمائی، اس سے قوم بے خبر ہے۔ اب بھی اس امر کا اندیشہ ہے کہ کہیں ڈاکٹر صاحب، قادیانی نوجوانوں ہی کو تو بیرون ملک لے جانے کے خواہش مند نہیں تھے، جنہیں حکومت نے قوم کی اجتماعی خواہشات کے احترام میں باہر لے جانے کی اجازت نہ دی ہو۔ بہر حال حقیقت حال کیا ہے، اس کی وضاحت تو حکومت ہی کر سکتی ہے"۔

(اداریہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ۲ نومبر ۱۹۸۹ء)

مولانا سمیع الحق کا پارلیمنٹ میں بیان

"سینیٹر مولانا سمیع الحق نے ارکان پارلیمنٹ پر اصل حقیقت واشگاف کی کہ ٹری است اٹلی میں واقع سائنسی انسٹیٹیوٹ میں مشہور سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے جو

بی بی سی لندن کو انٹرویو دیتے ہوئے پاکستانی طلبہ کی قلت' عدم رجحان اور لاپرواہی کی شکایت کی ہے' اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ پاکستانی قواعد و ضوابط اس کے لیے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں یا طلبہ میں فنی اور سائنسی تعلیم کا رجحان کم پایا جاتا ہے بلکہ دراصل واقعاتی حقیقت یہ ہے کہ اس کے پس منظر میں ڈاکٹر عبدالسلام کی اصل تحریک اور مشن کی تکمیل کو نقصان پہنچا ہے۔ چونکہ ٹری اسٹ کے سائنسی انسٹیٹیوٹ تک رسائی اور داخلہ سے فائز المرامی تک کے سارے مراحل' ڈاکٹر صاحب موصوف اور اسی گروہ سے تعلق رکھنے والی دوسری برگزیدہ شخصیتوں کی ممونیت' احسان مندی' شرائط کی جکڑ بندی' مخصوص ذہنی تربیت اور ایک مخصوص گروہ کے مفادات کے تحفظ کے معاہدوں اور مضبوط ضمانتوں سے گزرنا پڑتا ہے جو اہل ایمان اور غیرت مند مسلمانوں کے ایمان و کردار اور توحید و رسالت سے غداری کے مترادف ہے۔ مولانا سمیع الحق نے پارلیمنٹ میں کہا کہ ڈاکٹر عبدالسلام اور اس کے پیشرو مسٹر ظفراللہ اس راہ سے اب تک کتنے اہل ایمان اور نوجوان طلبہ کی جمیعت اسلامی کا جھٹکا کر چکے ہیں' انہیں ہدایت اور صراط مستقیم سے بھٹکا کر جہنم کے گڑھوں میں اوندھے منہ دھکیل چکے ہیں۔

مولانا سمیع الحق نے ارکان پارلیمنٹ پر واضح کیا کہ پاکستانی طلبہ میں سائنسی تعلیم کا رجحان اور اس فن میں کمالات کے حصول کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے اور الحمدللہ کہ وہ سائنسی تعلیم میں مہارت کی وجہ سے دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے ہیں مگر یہاں کے غیور مسلمان ایک معروف قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کے ذریعے اپنے بچوں کا جھٹکا نہیں کرانا چاہتے اور یہ ساری باتیں سینٹ کے ریکارڈ کا حصہ ہیں جب لندن میں مرزا طاہر نے اپنے آقایان ولی نعمت کی خوشنودی کے لیے پیش گوئی کی تھی کہ اب "پاکستان توڑ دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا' اللہ تعالیٰ اس ملک کو تباہ کر دے گا اور یہ ملک صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو جائے گا تو مولانا سمیع الحق نے پارلیمنٹ میں مرزا صاحب کی تقریر کی کیسٹ سنانے اور ملکی و قومی مجرموں کو بے نقاب کر کے واقعی سزا دے کر عدل و انصاف قائم کرنے کا مطالبہ کیا تھا' جس پر اس وقت کے وزیر قانون بھی اب کے وزیر باتدبیر کی طرح وکیل صفائی بن گئے تھے"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر کی گواہی

"قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں پچھلے دنوں پاکستان بلکہ عالم اسلام کے مایہ

ناز سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب نے کہا تھا کہ:

"نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ٹرسٹ کے انسٹیٹیوٹ سے بحیثیت ملک پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ کیونکہ سال میں ایک دو افراد کی تربیت ملک کے لیے سرے سے ناکافی ہے۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی' ص ۱۲' ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء)

ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب نے جو کچھ فرمایا صحیح فرمایا لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو پاکستان کے فائدے سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اسے قادیانیت سے غرض ہے۔ وہ سائنس و ٹیکنالوجی کے فروغ کے نام سے جو رقم وصول کر رہا ہے' گو وہ پاکستان کے نام سے لیتا ہے لیکن اس رقم کا اکثر حصہ قادیانیت کے فروغ پر خرچ ہوتا ہے۔

بہرحال اگر واقعی تیسری دنیا کے سربراہان حکومت اس قادیانی کے فریب میں آگئے اور اس قادیانی پر انہوں نے اعتماد کر لیا تو یہ ان ملکوں کے لیے تباہ کن ہوگا کیونکہ ڈاکٹر مذکور کا اصل مقصد ان ملکوں کے خفیہ راز حاصل کر کے اپنے ان آقاؤں کو پہنچانا ہے جن سے اس نے نوبل پرائز لیا اور جن کا یہ تنخواہ دار ایجنٹ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تیسری دنیا کے ممالک اس غدار اور جاسوس سے خود بھی بچیں گے اور دوسروں کو بھی بچائیں گے"۔

(اداریہ ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی)

پاکستان سوسائٹی برائے فروغ تعلیم' سائنس و ٹیکنالوجی

"پاکستان سوسائٹی برائے فروغ تعلیم سائنس و ٹیکنالوجی کا مرکزی دفتر برطانیہ لندن میں ہے جبکہ پاکستان کے مختلف بڑے شہروں میں اس کے ذیلی دفاتر موجود ہیں۔ اس سوسائٹی کے سربراہ ڈاکٹر عبدالسلام ہیں۔ اس کا نائب صدر ایک انگریز سر جارج پورٹر ہے جو لندن کی رائل سوسائٹی کا صدر بھی ہے۔ سیکرٹری جنرل محمد نعیم اللہ انجینئر ہیں۔ ان کے دستخطوں سے جاری کردہ ایک لیٹر پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں کو بھیجا گیا' جس میں اندرون ملک آبی راستوں کے ذریعے جہاز رانی اور زبان کے متعلق تجاویز ہیں۔ ان دونوں مسئلوں پر ذہین طلباء کو پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اپنے لندن کے ایڈرس پر جواب لکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

پاکستان سوسائٹی برائے تعلیم فروغ سائنس و ٹیکنالوجی کا قیام بھی ایک فریب ہے۔

پاکستان کی یونیورسٹیوں میں یہ چٹھی بھیج کر مسلمان طلبہ پر ایک جال پھینکا گیا ہے کہ اگر کوئی طالب علم اس چٹھی پر درج مسائل پر پی ایچ ڈی کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی راہنمائی اور معلومات کے لیے اس سوسائٹی کے سربراہ سے رابطہ قائم کرے گا اور یہ مرزائی سربراہ اس طالب علم سے تعلق قائم کر کے اس کو مرزائی بنانے کی کوشش کرے گا۔ یہ مرزائیوں کا بہت ہی خطرناک اور پرانا طریق کار ہے کہ وہ کسی بہانے سے لکھے پڑھے لوگوں سے تعلق استوار کر کے انہیں مرزائیت کے دام میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سوسائٹی کا صدر مرزائی اور نائب صدر انگریز ہو' اس سے پاکستان اور مسلمانوں کے متعلق خیر اور بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مرزائیوں اور انگریزوں کا آپس میں پرانا رشتہ اور تعلق ہے۔ مرزائیوں کے پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ ہی انگریزوں کے ایماء پر کیا تھا اور انگریزوں نے اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر اس کی جھوٹی نبوت کو پروان چڑھانے کی کوشش کی تھی۔

پاکستان سوسائٹی برائے فروغ تعلیم سائنس و ٹیکنالوجی کے جاذب نظر نام سے ادارے کا قیام اور اس کی طرف سے پاکستان کے مسلمان طلباء سے رابطے کی کوشش بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔

اس لیٹر کے آخری حصہ میں مسلمان طلبہ کو گمراہ کرنے اور انہیں ایک نئے فتنہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس لیٹر میں انگلستان میں مذہبی علوم ترک کرنے کا تذکرہ بھی اپنے اندر خاص معنی رکھتا ہے۔ ترکی مسلمانوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نماز اور قرآن ترکی زبان میں پڑھتے ہیں' صریح جھوٹ ہے۔ کمال اتاترک کے لادین اور الحادی زمانے میں بھی ترکی مسلمانوں نے قرآن پاک اور نماز اصل عربی میں پڑھی۔ ترکوں کے متعلق جو کچھ اس لیٹر میں لکھا گیا' پاکستان کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی پاکستان سوسائٹی برائے فروغ تعلیم سائنس و ٹیکنالوجی نے دروغ گوئی اور دجل سے کام لیا ہے۔ وہ پاکستان کی نئی نسل کو اپنی ملکی زبان میں نماز اور قرآن پڑھنے کا تصور دے کر ایک نئے فتنے میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔

پاکستان دشمنی

"قیام پاکستان کے بعد سے قادیانی اپنی سرگرمیوں میں کس قدر منظم اور بااثر رہے ہیں۔ اس کا کم و بیش ہر اہل وطن کو علم ہے۔ بھٹو صاحب کے دور میں یہ اپنے انتہائی

عروج پر تھے۔ حد یہ ہے کہ ان کا آدمی ایئرمارشل ظفر چودھری ملک کی فضائیہ کا سربراہ بن گیا تھا اور اسی دور میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ہوا کہ ربوہ کے سالانہ جلسے پر پاک فضائیہ کے طیاروں نے پھول برسائے اور سلامی دی۔ مئی ۱۹۷۴ء میں ربوہ ریلوے اسٹیشن پر مسلمان طلبہ کی جو مارپٹائی اور ظلم و تشدد ہوا' وہ بھی اسی دیدہ دلیری کا نتیجہ تھا کہ پاکستان میں انہیں روکنے اور ٹوکنے والا کوئی نہیں رہا تھا۔ پاکستان کی سول سروس' فوج اور سائنس و ٹیکنالوجی کے ادارے ان کے خاص ہدف ہیں اور ان میں شروع ہی سے انہیں ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت آگے بڑھایا گیا ہے۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن' **پنسٹیک**' ڈیفنس سائنس اور تمام اہم سائنسی اداروں میں ان کی کھیپ موجود رہی ہے اور یہ ہمیشہ اونچے اور حساس عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ اسی لیے پاکستان میں ان کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی قدم اٹھایا نہیں جا سکتا۔

پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ نے جب کئی ماہ کی سماعت اور کارروائی کے بعد ستمبر ۱۹۷۴ء میں متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تو طاقتور لابی بھڑ گئی اور غیض و غضب میں آ گئی۔ اس فیصلے کے کچھ عرصے بعد برطانیہ کے ایک مقام پر قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے یہ بیان دیا کہ وہ مملکت جس میں (بقول ان کے) احمدی مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہو' اب اس کا وجود دنیا کے نقشے پر باقی نہیں رہنا چاہیے۔ مرزا ناصر احمد کے اس واضح پالیسی بیان کے بعد یہ ہر قادیانی کا نصب العین اور مشن قرار پایا۔ اپنے مقصد کے اس کھلم کھلا اظہار کے بعد اگر کوئی پاکستانی' قادیانی لابی کو محب وطن اور ملک کا خیرخواہ سمجھتا ہے تو وہ یا تو معصوم ہے یا پرلے درجے کا منافق ہے۔

مرزا ناصر احمد کے اعلان کے بعد قادیانی لابی کی وفاداریاں یکسر بدل چکی تھیں اور اس کا نصب العین پاکستان کو مضبوط و طاقت ور بنانے کے بجائے دنیا کے نقشے سے (نعوذ باللہ) ختم کرنا ٹھہر گیا تھا۔ اس نکتے کی وضاحت کے بعد یہ سمجھنا بڑا آسان ہے کہ ۱۹۷۴ء سے اب تک ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف ڈاکٹر عبدالسلام اور ان کی قادیانی لابی ایک عرصے سے کیا سازشیں کرتی رہی ہے"۔

(ماہنامہ "سائنس ڈائجسٹ" کراچی' ستمبر اکتوبر ۱۹۸۴ء)

ڈاکٹر عبدالسلام کی بھارت دوستی

"رسوائے زمانہ قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام گزشتہ دنوں پاکستان اور بھارت

کے دورے پر آئے۔ بعد ازاں وہ کھٹمنڈو تشریف لے گئے' جہاں ڈاکٹر عبدالسلام نے بھارت کے اگنی میزائل کے کامیاب تجربے کا نہ صرف خیرمقدم کیا' بلکہ بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کو اس کامیابی پر مبارک باد بھی دی۔ پاکستان کے دورے کے دوران قادیانی سائنس دان سب سے پہلے سامراجی آماجگاہ اور سازشوں کی کمین گاہ یعنی اپنے ہیڈ کوارٹر ربوہ تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کا حالیہ دورہ بڑا معنی خیز اور ڈرامائی دورہ تھا۔ ہمیں ان کی نقل و حرکت اور آمد و رفت پر قطعاً اعتراض نہیں۔ ایک پاکستانی شہری کی حیثیت سے انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آزادانہ وطن عزیز تشریف لائیں' یہاں قیام کریں لیکن ڈاکٹر عبدالسلام کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ہماری دینی غیرت اور ملی حمیت کا مذاق اڑائیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام کا بھارت کا دورہ بھی معنی خیز ہے۔ کیونکہ موجودہ برسراقتدار جماعت بھارت کے ساتھ نہ صرف دوستانہ تعلقات استوار کرنا چاہتی ہے' بلکہ وہ بھارت کے معاملے میں نرم گوشہ بھی رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے اسی پالیسی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت یاترا کی۔ اگنی میزائل کے کامیاب تجربے پر بھارتی حکومت کو خراج تحسین پیش کیا۔ قادیانیوں کے بارے میں نرم پالیسی اور رواداری کا سبق دینے والے سیاسی راہنماؤں کو سوچنا چاہیے کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک طرف محب وطن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری وہ ہمارے ازلی و ابدی دشمن نمبرا کے ساتھ دوستی اور محبت کی پینگیں بڑھانے میں اس حد تک آگے چلے گئے ہیں کہ وہ ایٹمی ہتھیار' جو ہمارے ہی خلاف استعمال ہونے کی توقع ہے' ان کا خیر مقدم کرتے ہیں"۔

(اداریہ ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' ۲۶ مئی ۱۹۸۹ء)

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا موجودہ دورہ کسی خفیہ مشن کا حصہ ہے

اس عنوان سے محترم عبدالرحمٰن یعقوب باوا لکھتے ہیں:

"یہودیوں کا انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اہل ہنود کے لیڈر بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی سے ملنے گزشتہ دنوں دہلی گیا۔ وہاں ان کے درمیان کیا باتیں ہوئیں اور کیا طے پایا' اس کا دونوں کے سوا کسی اور کو علم نہیں۔ البتہ ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ مسلم دشمنی میں ہمارے لیے دونوں برابر ہیں۔ اگر ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی بھارت کے وزیراعظم راجیو کو پاکستان کے سائنسی راز فراہم کر رہے ہوں تو کوئی بعید نہیں۔ ہم نے تو اسی موقعہ پر لکھ دیا تھا کہ وہ:

"بھارت ایسے موقع پر جا رہے ہیں جبکہ پاکستان سے خوشگوار تعلقات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ اسرائیل اور قادیانی نہیں چاہتے کہ پاک بھارت تعلقات اچھے رہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی یقیناً ان تعلقات پر اثر انداز ہوں گے۔ حکومت پاکستان کو ان کی حرکتوں پر نظر رکھنی چاہیے"۔

(ہفت روزہ "ختم نبوت" اداریہ جلد نمبر ۴، شمارہ نمبر ۳۴، ص ۹)

یہ نہیں معلوم کہ ہماری حکومت نے ہماری باتوں کا نوٹس لیا یا نہیں؟ البتہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے دورہ بھارت کے بعد فوری نتائج جو سامنے آئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ پاک بھارت تعلقات بہتر بنانے کا جو عمل گزشتہ دو ماہ پہلے دونوں ملکوں کے لیڈروں کی ملاقات کے بعد شروع ہوا تھا، اس کی تکمیل میں مشکلات پیدا ہوتی نظر آتی ہیں۔

گزشتہ دنوں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے پاک بھارت تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے بھارت کا دورہ کیا۔ راجیو سے ملاقات کی۔ اس سے یہ امید پیدا ہوچلی تھی کہ اب بھارت سے دوستانہ فضا قائم ہوگی۔ پاکستان نے اپنی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں ذرہ برابر کسر نہیں چھوڑی۔ بھارت کی طرف سے مسلسل طرح طرح کی الزام تراشیوں کے باوجود پاکستان نے ہمیشہ سنجیدگی کا ثبوت دیا تاکہ اعتماد کی فضا قائم رہے۔ اس فضا کو مزید مستحکم بنانے میں پاکستان، بھارت کے وزیراعظم راجیو گاندھی اور بھارتی وزیر خارجہ بلی رام بھگت کے دورہ کا منتظر تھا لیکن بلی رام بھگت کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ فی الحال یہ دورہ ممکن نہیں۔ قوم یہ جاننا چاہتی ہے کہ وہ کونسا ہاتھ ہے، جو خفیہ کام کر رہا ہے۔ بھارتی وزیراعظم کے دورے کی منسوخی اور پاک بھارت تعلقات کی یکایک تبدیلی میں یقیناً ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا ہاتھ ہے۔

کیا قوم کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ قادیانی گروہ نہ صرف اسلام کا دشمن ہے، بلکہ ملک و ملت کا بھی غدار ہے۔ ثبوت چاہیے تو دور جانے کی ضرورت نہیں۔ آنجہانی چودھری ظفراللہ قادیانی نے ریڈکلف کے سامنے قادیانی مفاد میں کام کیا، جس کی وجہ سے ضلع گورداس پور ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا۔ مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کرنے میں مرزا غلام قادیانی کے پوتے ایم ایم احمد قادیانی کا کردار بھی کسی سے مخفی نہیں اور اب دیکھئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا دورہ بھارت بھی کیا فساد مچاتا ہے۔

قارئین نے بھارت کے وزیر خارجہ بلی رام بھگت کا وہ بیان، جو انہوں نے لوک سبھا میں دیا تھا، اگر نہیں پڑھا تو وہ ریکارڈ میں لانے کی خاطر ہم لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے

کہا کہ:

"پاکستانی ترجمان اور سینٹ و قومی اسمبلی میں وزیر مملکت برائے امور خارجہ کے بیانات ناپسندیدہ ہیں اور ان سے بھارت کی اقلیتی برادری میں غیر صحتمندانہ دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھارت کے داخلی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہے..... انہوں نے کہا کہ بھارت نے پاکستان میں فرقہ ورانہ فسادات' جمہوری حقوق نہ دینے اور احمدیوں سمیت اقلیتوں کی مذہبی آزادی پر پابندیوں سے متعلق تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی' مورخہ ۲۶ فروری ۸۶ء)

ہمیں عدم مداخلت کا درس دینے والے بھارت سے کوئی پوچھے کہ مشرقی پاکستان میں ۷۱ء میں کس اصول کے تحت ہمارے خلاف فوج کشی کی تھی؟ کہاں گیا تھا اس وقت ان کا یہ اصول یا دوسری بات جو فوری طور پر ہمارے سامنے آئی ہے' وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے دورہ بھارت کے دوران قادیانیوں کے ایک وفد نے بھارت کے وزیراعظم سے ملاقات کی۔ اس کی تفصیل اخبار کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

"نئی دہلی ۲۵ فروری (فارن ڈیسک) بھارتی قادیانیوں کا ایک وفد بھارتی وزیراعظم راجیوگاندھی کے پاس یہ شکایت لے کر پہنچا کہ پاکستان میں قادیانیوں کو بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا بھارتی حکومت قادیانیوں کی مدد کرے۔ بھارتی خبر رساں ایجنسی یو۔ این۔ آئی کے مطابق گزشتہ روز صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ۵ اراکین کے ایک وفد نے دارالحکومت میں وزیراعظم راجیوگاندھی سے ملاقات کی اور انہیں ایک میمورنڈم پیش کیا گیا جس میں یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ پاکستان کے قادیانی مخالف آرڈیننس کے خلاف حقوق کمیشن میں سوال اٹھانے کے لیے بھارت کی مرکزی حکومت سے مدد کرنے کی درخواست کی۔ وفد کے رہنما مسٹر عاجز نے کہا کہ وفد نے اپنے روحانی مرکز قادیان (ضلع بٹالہ) کو ترقی دینے کی بھی وزیراعظم سے درخواست کی"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" کراچی' ۲۶ فروری ۱۹۸۶ء)

بھارتی قادیانی وفد کا اس طرح پاکستان کے خلاف بھارتی حکومت سے امداد مانگنا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کوئی مشن لے کر بھارت گئے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قادیانی سربراہ مرزا طاہر کا کوئی پیغام لے کر گئے ہوں۔ بھارتی قادیانیوں کا

یہ اقدام مرزا طاہر کے اشارہ پر ہوا ہے۔ یقیناً غداری کے مترادف ہے۔ مسلم قوم ایسے غداروں کو کبھی معاف نہیں کرے گی"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا عظیم کارنامہ

اس عنوان سے صاحبزادہ طارق محمود لکھتے ہیں:

"فروری کے پہلے ہفتے ڈیفنس کالج میں نیشنل ڈیفنس اور آرمڈ فورسز جنگی کورسوں کے شرکاء کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستانی فوج کے چیف آف سٹاف جناب مرزا اسلم بیگ نے نشاط آفریں انکشاف کیا ہے کہ پاکستان نے زمین سے زمین پر مار کرنے والے دور مار میزائلوں کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔ میزائلوں کی کارکردگی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مرزا اسلم بیگ نے بتایا کہ متعلقہ میزائلوں کی رینج ۸۰ کلومیٹر سے تین سو کلومیٹر تک ہے۔ یہ میزائل پانچ سو کلوگرام تقریباً تیرہ من وزن ساتھ لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میزائلوں میں راہنمائی کرنے کا خودکار نظام بھی موجود ہے۔

یہ بلاشبہ اس سال کی سب سے بڑی خبر ہے اور تہلکہ مچا دینے والا انکشاف ہے۔ جدید میزائلوں کے کامیاب تجربے سے جہاں پاک فوج اور ہم وطنوں کے حوصلے بلند ہوں گے' وہاں پاکستان کے دشمنوں کی صفوں میں یقیناً صف ماتم بچھ جائے گی۔ میزائلوں کی تیاری کا یہ خوش کن تجربہ بعض ذرائع کے مطابق جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی زندگی میں کامیاب ہوگیا تھا۔ لیکن صدر مرحوم نے بعض وجوہ ملکی اور بین الاقوامی حالات کے پیش نظر اسے مخفی رکھا۔ وہ اس کا اعلان کسی مناسب وقت پر کرنا چاہتے تھے لیکن قدرت نے انہیں اس کی مہلت نہ دی۔ میزائلوں کی تیاری کا منصوبہ مرحوم صدر کے دور میں ۱۹۸۵ء میں ڈیزائن ہوا تھا۔

میزائلوں کی تیاری اور کامیابی کا سہرا عظیم محب وطن سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے سر ہے' جن کی شبانہ روز محبت اور خلوص کے طفیل پاکستان کو ایک عظیم کامیابی نصیب ہوئی۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ قادیانیوں کی یہ خواہش اور کوشش تھی کہ پاکستان ایٹمی طاقت نہ بن سکے۔ اس کا عملی مظاہرہ ڈاکٹر عبدالسلام کے زمانے میں ہوا' جنہوں نے ایٹمی توانائی کمیشن جیسے حساس ادارے میں قادیانی برادری اور پاکستان کے الہامی دشمنوں کو بھرتی کیا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے اپنے بھائی

سمیت ۳۰ / ۳۵ قادیانیوں کو ایٹمی توانائی کمیشن کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا تاکہ اس ادارہ پر قادیانیوں کی گرفت مضبوط ہوسکے اور وہ اپنی پالیسی کے مطابق من مانی کر سکیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی ناقص کارکردگی اور مطلوبہ نتائج میں تاخیر دیکھ کر ذوالفقار بھٹو مرحوم کو یقین آگیا کہ قادیانی پاکستان کو ایٹمی طور پر طاقتور نہیں دیکھنا چاہتے ورنہ اس سے قبل ذوالفقار علی بھٹو قادیانیوں کے بارے میں غلط فہمی کا شکار تھے۔

وہ قادیانی مسئلہ کو صرف ملاؤں کی جنگ خیال کرتے تھے۔ انہوں نے قادیانیوں کے سیاسی عزائم اور سازشوں کو بھانپ کر محسوس کیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام جیسے متعصب قادیانی ایٹمی توانائی کمیشن میں محض وقت ضائع کرنے اور پاکستان کی دولت کو برباد کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر رہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کو بھی اسی تلخ تجربے سے دو چار ہونا پڑا۔ عبدالسلام کو نوبل پرائز ملنے کے بعد وہ بھی حسن ظن کا شکار ہوگئے تھے۔ لیکن بالاخر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم پر بھی یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ قادیانیوں کی وفاداریاں پاکستان کی نسبت اپنے آقاؤں سے وابستہ ہیں اور وہ انہی کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام جیسے کٹر قادیانی اپنی جماعت اور اس کے سربراہ کے حکم کی تعمیل کو صدر پاکستان کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں۔

۱۹۸۴ء پر امتناع قادیانیت آرڈی نینس کا اجراء ہوا تو ڈاکٹر عبدالسلام نے اسلام اور پاکستان دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے احتجاجاً ملک کو چھوڑ دیا اور پاکستان کو لعنتی ملک قرار دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ایٹمی توانائی کمیشن کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو اس ادارہ کو نئے خطوط پر استوار کیا۔ قومی جوہر نے جوہروں کو پہچانا اور اس میں تعینات کیا۔ ایٹمی توانائی کمیشن میں اچھے اور محب وطن انجینئروں کی ٹیم تشکیل پائی۔ میزائلوں کا کامیاب تجربہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی سرپرستی میں انہی حضرات کی معاونت اور محنت کا مرہون منت ہے۔

جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے پاکستان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ وطن عزیز کی پھیلی ہوئی ہزاروں میل لمبی سرحدیں دفاعی نکتہ نظر سے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ پاکستان بلاشبہ عالم اسلام کا قلعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی برادری پاکستان سے بہتر امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے۔ عالم اسلام اور خصوصاً عرب ممالک کے دلوں میں پاکستان کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اگر پاکستان مضبوط ہوگا تو عالم اسلام کو بھی تقویت ملے گی۔ چونکہ سب کے مفادات مشترکہ ہیں۔ پاکستان ایٹمی توانائی کے میدان میں جس قدر طاقتور ہوگا' سارا عالم اسلام اس سے استفادہ حاصل کر سکے گا۔ اسرائیل' عربوں کے لیے نہیں بلکہ

پورے عالم اسلام کے لیے ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ دفاعی ہتھیاروں کے سلسلہ میں عربوں کو یورپ کا دست نگر بننا پڑتا ہے۔ پاکستان کے اندر میزائلوں کا کامیاب تجربہ اور تیاری اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ پاکستان اپنے اور عرب ممالک کے دفاع کے سلسلہ میں غیروں کا محتاج ہونے سے بچ سکتا ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ پاکستان جو ایٹمی طاقت کا ہیڈ کوارٹر ہے' کی حفاظت کی جائے چونکہ اسرائیل کے ہاتھوں عراق کے ایٹمی گھر کی تباہی کے بعد پاکستان کے ایٹمی مرکز کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پاکستان کے مخلص اور محب وطن سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اس سلسلہ میں جو گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں' ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے' کم ہے۔ دوسروں کو امن کا درس دینے والے ممالک دھڑا دھڑ اسلحہ بنا رہے ہیں۔ تباہ کن ایٹمی ہتھیار تیار کر رہے ہیں۔

ہمسایہ ملک ہندوستان دن رات اسی جنون میں مبتلا ہے۔ ایک بڑا ملک اگر ایٹمی ہتھیار بنا سکتا ہے تو اس کے مقابلے میں ایک چھوٹے ملک کو اپنے دفاع اور بقا کے لیے یہ حق کیوں حاصل نہیں؟ ان حالات میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے پاکستان کی سربلندی اور سرفرازی کے لیے تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان بلاشبہ قائداعظم کے بعد دوسری بڑی محبوب اور مقبول شخصیت ہیں' جنھوں نے کسی صلے کی تمنا' ستائش کی پرواہ اور نمود و نمائش کا اظہار کیے بغیر ایسا یادگار کارنامہ سرانجام دیا ہے جس پر پاکستانی قوم کے سر فخر سے بلند ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان بلاشبہ ہمارے قومی ہیرو ہیں۔

ریڈیو پاکستان سے جناب ڈاکٹر عبدالقدیر کا جو انٹرویو نشر ہوا ہے اور بعد ازاں قومی اخبارات میں شہ سرخیوں سے منظر عام پر آیا ہے' اسے ہر پاکستانی نے سراہا ہے اور اس پر بے حد خوشی و مسرت کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اعلان کیا ہے کہ پاکستان ہر قسم کے میزائل خواہ طیارہ شکن ہوں یا ٹینک شکن ہوں' بنانے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ میزائل تو بے شمار ملک تیار کر رہے ہیں۔ امریکہ اور یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ایسا میزائل ایک لاکھ ڈالر میں تیار ہوتا ہے جب کہ پاکستان میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی سرپرستی میں تیار ہونے والا میزائل صرف ۲۵ ہزار ڈالر میں تیار کیا گیا ہے۔ اگر میزائل زیادہ تعداد میں تیار کیے جانے لگیں تو میزائلوں کی تیاری میں اخراجات میں یقیناً مزید کمی ہوگی اور اس طرح زرمبادلہ بھی بچ جائے گا۔ یہ بھی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ذہانت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انہوں نے سستا اور معیاری میزائل تیار کر کے دنیا والوں کو ورطہ حیرت

میں ڈال دیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے انکشاف کیا کہ نوشہرہ میں اعلیٰ فوجی اور ماہرین کی موجودگی میں میزائل کی پہلی اور افتتاحی آزمائش کی گئی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے انٹرویو کی تفصیل اخبارات میں شائع ہوچکی ہیں' جن سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اگر متعلقہ مطلوبہ چیزیں دستیاب ہو جائیں تو پاکستان اور بہت کچھ باآسانی سے تیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ رب العزت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پے در پے کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار فرمائے اور انہیں پاکستان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم ڈاکٹر صاحب کے لیے یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں قادیانیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ فرمائے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان۔۔۔۔۔ زندہ باد"

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' جلد نمبر ۲۵' شمارہ ۴۶-۴۷' ۳ مارچ ۱۹۸۹ء)

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف قادیانی بیوروکریسی کی سازش

"پاکستان کے بین الاقوامی شہرت کے حامل سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ملک و ملت کے لیے شاندار خدمات کے صلے میں دیا جانے والا ملک کا اعلیٰ ترین اعزاز سرخ فیتے کی نظر ہوگیا ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق صدر مملکت نے خواہش ظاہر کی تھی کہ یورینیم کو طاقت ور بنانے کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں' ان کے پیش نظر انہیں ملک کا اعلیٰ ترین اعزاز ملنا چاہیے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کیبنٹ ڈویژن کے متعلقہ حکام نے ان کی زندگی اور کامیابیوں کے بارے میں کوائف بھی جمع کر لیے تھے لیکن اگست کے پہلے ہفتہ میں جب سول اعزاز پانے والوں کی فہرست کو حتمی شکل دی جا رہی تھی' کیبنٹ ڈویژن کے ایک اعلیٰ قادیانی افسر نے حکومت کو ان خدشات سے آگاہ کیا کہ ڈاکٹر اے کیو خان کو اعلیٰ ترین اعزاز دینے سے ایک بڑی طاقت اپنی ناراضگی کا اظہار کر سکتی ہے۔ چنانچہ ان کا نام اعزاز پانے والوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۶ ستمبر' ۱۹۸۴ء)

پوری قوم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ملک میں بیوروکریسی کی گرفت بڑی مضبوط ہے اور انہی کا راج ہے۔ کیونکہ یہاں صدر مملکت کی خواہش تک کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کیا ہم ان حالات میں یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ملک میں نفاذ اسلام کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکے گا! عالمی شہرت یافتہ مسلمان سائنس دان ڈاکٹر اے کیو خاں کی خدمات پر ہم بجا

طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان کو ملک کی خدمات پر سول اعزاز نہ دیا جانا۔۔۔۔ ان کے ساتھ سراسر ظلم ہے۔ قادیانی طائفہ ڈاکٹر اے کیو خان کو برداشت نہیں کر سکتا اور ان کی کامیابیوں اور شہرت سے خوفزدہ ہے۔ اس لیے انہیں آگے لانا نہیں چاہتا کہ کہیں بین الاقوامی مارکیٹ میں قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کی قیمت نہ گر جائے۔ یہ سب کچھ قادیانیوں کی شرارت ہے۔ وہ اپنے آلہ کار کے ذریعے ڈاکٹر اے کیو خاں سے اس انٹرویو کا انتقام لینا چاہتے ہیں' جو انہوں نے ہفت روزہ "چٹان" لاہور کو دیا تھا۔ جس میں انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو نوبل انعام ملنے کی حقیقت واضح کر دی تھی"۔

پاکستان کے نامور سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف بھارتی و قادیانی پروپیگنڈہ

"ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان کے نامور سپوت اور مایہ ناز سائنس دان ہیں۔ انہوں نے پاکستان میں سائنسی ترقی خصوصاً کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ کی ترقی کے لیے خصوصی دلچسپی لی اور اب بھی دلچسپی لے رہے ہیں لیکن جو لوگ یا گروہ پاکستان کا دشمن ہے' یا جنہیں پاکستان کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی' وہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے خلاف ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ بھارت' جس نے پاکستان پر کئی مرتبہ حملہ کیا اور پاکستان کو دو نیم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ اب بھی پاکستان کی ایٹمی ترقی کے بہانے اس کا تیا پانچہ کرنے کی سوچ میں ہے۔ اس سلسلہ میں جس چیز کا سب سے زیادہ واویلا کیا جا رہا ہے' وہ کہوٹہ کا ایٹمی پلانٹ اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ذات ہے۔

پاکستان کے موقر اخبار جنگ نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے خلاف بھارتی ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈہ کا سختی کے ساتھ نوٹس لیتے ہوئے ۲۸ جنوری ۱۹۹۲ء کو لکھا تھا:

> "مغربی اور بھارتی ذرائع ابلاغ پاکستان کی ایٹمی ٹیکنالوجی کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ بھارتی ریڈیو نے یہ بے پر کی اڑائی ہے کہ پاکستان کے ممتاز سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کا خفیہ دورہ کیا ہے چونکہ پاکستان' ان مسلمان ریاستوں سے اپنے روابط بڑھا رہا ہے ان ریاستوں میں بڑی تعداد میں ایٹمی تنصیبات بھی ہیں جو آزادی کے بعد ان کے حصے میں آئی ہیں۔ امریکہ بھی پاکستان اور وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کے درمیان تعلقات کے قیام سے خائف ہے۔ اس لیے مغربی اور بھارتی ذرائع

ابلاغ کی ملی بھگت سے ایسا بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ پاکستان کی ایٹمی پالیسی کو دنیا کی نگاہوں میں خطرناک ثابت کیا جا سکے۔ اس قسم کے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیا جانا ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کو وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں سے تعلقات کے قیام میں ہرگز تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ بھارت چاہتا یہی ہے کہ وہ اس تاخیر سے فائدہ اٹھا کر وہاں اپنا اثر و رسوخ قائم کر لے۔ دراصل یہ پروپیگنڈہ بھارتی ذرائع ابلاغ کا ڈاکٹر عبدالقدیر فوبیا میں مبتلا ہو جانے کا منہ بولتا ثبوت ہے جو ان کے اعصاب کو شل کر رہا ہے"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان میں جس قسم کی ایٹمی ترقی چاہتے ہیں' وہ کسی ملک کے خلاف نہیں ہے لیکن بھارت پھر بھی اس سے حد درجہ خائف ہے۔

ہمارے خیال میں اس پروپیگنڈے کے پس پردہ قادیانی لابی کی سازش کارفرما ہے کیونکہ کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ سے جب یہودی انعام یافتہ قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کو لاتعلق کیا گیا تو وہ ہر ممکن طریقے سے ڈاکٹر عبدالقدیر کو بدنام کرنے پر اپنا پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ چونکہ اب بھی وہاں قادیانی موجود ہیں' اس لیے ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کے خلاف پروپیگنڈے میں انہیں کا ہاتھ ہے۔ ہم ایک عرصہ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ کہوٹہ کا ایٹمی پلانٹ انتہائی حساس اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی نگہداشت اور وہاں ہونے والے کام کو رازداری میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہاں اگر ایک بھی قادیانی موجود ہے تو وہاں کا کوئی راز' راز رہ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے سب سے پہلے وہاں سے مکمل طور پر قادیانیوں کا انخلاء بہت ضروری ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف پروپیگنڈے کے بارے میں مسلم لیگ کے سینٹر طارق چودھری کا بیان بھی کافی غور طلب ہے جو روزنامہ "جنگ" لاہور ۲۲ر جنوری میں شائع ہو چکا ہے۔

"ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے عالمی شہرت یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر اے کیو خان کی کردار کشی کی شدید مذمت کی ہے اور الزام لگایا ہے کہ یہ مہم قادیانی چلا رہے ہیں۔ کردار کشی کی مہم کے لیے ۱۵ لاکھ روپے تقسیم کیے گئے ہیں۔ منگل کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ گنتی کے چند لوگ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو روکنے اور بدنام

کرنے کی جو مہم چلائے ہوئے ہیں' ڈاکٹر خان کے خلاف مہم بھی اس کا حصہ ہے۔ بنی گالا میں ایک مکان کے حوالے سے ڈاکٹر خان کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور دسمبر سے اب تک کوئی ایسا دن نہیں جس روز ان کے خلاف کوئی مضمون شائع نہ کرایا گیا ہو۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر خان پر نکتہ چینی کرنے والوں کو صرف ایک مکان دکھائی دیتا ہے جس سے ماحول آلودہ ہونے کا خدشہ ہے۔ انہیں چیئرمین سینٹ' پیر پگاڑا' سرتاج عزیز' فاروق لغاری' اعتزاز احسن' لیفٹیننٹ جنرل تنویر نقوی' ایڈمرل سعید' کرنل محمود اور طارق احسن پر کوئی اعتراض نہیں جن کی زمینیں بھی بنی گالا میں ہیں"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۲۲ جنوری ۱۹۹۲ء)

جناب طارق چودھری صاحب کے بیان سے بھی اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ واقعی قادیانی ڈاکٹر صاحب کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ چودھری صاحب موصوف حکومت کے ایک رکن ہیں۔ جب انہیں اس بات کا علم ہوچکا ہے کہ قادیانی لابی ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہی ہے تو وہ حکومت کے ایک ذمہ دار رکن ہونے کی حیثیت سے قادیانیوں کے خلاف نوٹس کیوں نہیں لیتے۔ حکومت کو مجبور کیوں نہیں کرتے کہ وہ قادیانیوں کا سختی کے ساتھ نوٹس لے؟

ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف بھارتی اور قادیانی پروپیگنڈہ ایک ساتھ ہی شروع ہوا ہے اور اس کی ابتداء قادیان بھارت میں ہونے والے قادیانیوں کے صد سالہ جشن سے ہوئی ہے جو پچھلے ماہ منعقد ہوا تھا' جس میں قادیانی لیڈر مرزا طاہر بھی پہنچا تھا جسے وہی پروٹوکول دیئے گئے جو کسی ملک کی اہم ترین شخصیت کو دیے جاتے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو قادیانیت کی تبلیغ و تشہیر کرتا رہا اور انہیں مسلمان قرار دیتا رہا۔ مرزا طاہر کے بارے میں اس نے کہا کہ "وہ خدا سے باتیں کرتا ہے" ایک طرف قادیانیت کی تشہیر و تبلیغ اور دوسری طرف ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف پروپیگنڈا یہ بھارتی حکام اور قادیانی لیڈروں کی ملی بھگت سے ہی شروع ہوا اور ابھی تو ابتدا ہے۔ آگے چل کر قادیانی اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ حکومت اب قادیانیوں کے بارے میں دو ٹوک اور واضح پالیسی اختیار کرے۔ قادیانی سانپ ہیں اور سانپ کو پالنا دانش مندی نہیں' حماقت ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ ان سانپوں کا سر کچل دے۔ قبل اس کے کہ وہ ملک اور قوم کو کوئی گزند پہنچائیں"۔ (اداریہ ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی)

"ڈاکٹر قدیر کے دشمن پاکستان کے دشمن"

اس عنوان سے نامور صحافی جناب عبدالقادر حسن لکھتے ہیں:

"ذوالفقار علی بھٹو نے ایٹمی توانائی پر کام کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے بعد انہیں پھانسی پر چڑھانے والے بھی آئے اور ان سے اقتدار چھیننے والے بھی۔ لیکن پاکستان کی کسی حکومت نے بھی ایٹمی ترقی کی رفتار میں کمی یا اسے ختم کرنے کے لیے کوئی سودا نہیں کیا۔ دنیا کی سپر طاقتیں کہوٹہ کی دیواروں سے سر توڑتی رہیں اور کوئی دباؤ' کوئی دھمکی اور کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو پاکستان کے حکمرانوں پر آزمایا نہ گیا۔ لیکن آفرین ہے پاکستان کے حکمرانوں پر کہ انہوں نے کم از کم ایٹم کے معاملے میں کسی دھمکی اور کسی دباؤ کی پروانہ نہ کی اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ امریکہ اور اس کے ساتھیوں نے پاکستان کا حقہ پانی بند کر رکھا ہے مگر ہمارے حکمران پیٹ پر پتھر باندھنے پر تیار ہیں لیکن ایٹم کی ترقی اور اس میں تحقیق کے سلسلے کو توڑنے پر تیار نہیں ہیں اور وجہ صرف یہ ہے کہ ملک کی سلامتی کا یہ سب سے بڑا اور پاکستان کی حد تک واحد ذریعہ ہے اور ملک رہے گا تو کسی کی حکومت بھی رہے گی۔ پاکستانی ایٹم بم کی دشمن طاقتوں نے ہر طرف سے مایوسی کا سامنا کرنے کے بعد اب ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے اور ان لوگوں کی زندگی حرام کرنے کی ناپاک سعی شروع کر دی ہے' جو سکون اور اطمینان کے ساتھ ایٹمی ریسرچ کی تجزیہ گاہوں میں رات دن مصروف رہتے ہیں۔ اس طرح وہ ان ہاتھوں کو کاٹنا اور ان ذہنوں کو ماؤف کر دینا چاہتے ہیں جن کی جدوجہد سے پاکستان اپنے دفاع اور سلامتی کا سامان بہم کر رہا ہے۔

میں پاکستان کے محب وطن لوگوں کو ہوشیار کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستانی ایٹم کو سبوتاژ کرنے کے لیے پاکستان کے دشمنوں نے پاکستان کے اندر سے نئے میر جعفر اور میر صادق تلاش کر لیے ہیں۔ مسلمانوں کو ہمیشہ اندرونی غداروں نے نقصان پہنچایا اور ان کے ہاتھوں سے مسلمان سلطنتیں تباہی سے دو چار ہوئیں۔ آج پھر کچھ ایسی ہی صورت پیدا کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا گیا ہے اور ہمارے ایٹم بم کے خالق اور پاکستان کی ایٹمی توانائی کے بانی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف مہم شروع کر دی گئی ہے۔ اسلام آباد کے ایک انگریزی اخبار نے یہ مہم شروع کی ہے اور اسلام آباد میں امریکہ کے دو بڑے لوگوں کی آمد کے بعد سے یہ سلسلہ چلا ہے۔ مسلسل شائع ہونے والے مضامین اور خطوط کے ذریعہ جن میں سے کچھ جعلی اور فرضی ناموں سے بھی شائع کیے جا رہے ہیں' یہ ثابت کرنے کی جسارت کی جا

رہی ہے کہ ڈاکٹر قدیر خان ایک بدعنوان انسان ہیں اور ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اسلام آباد کے قریب راول جھیل کے پاس ایک قطعہ اراضی حاصل کیا ہے اور یہاں وہ مکان بنا رہے ہیں، جس سے اتنی گندگی خارج ہوگی کہ اس سے جھیل کا پانی خراب ہو جائے گا اور اسلام آباد والے گندا پانی پیئیں گے۔

یہاں جن دوسرے لوگوں نے بنی گالہ کے اس دیہات میں قانونی طور پر زمین حاصل کی ہے۔ ان میں صرف ڈاکٹر قدیر خان نہیں پیر صاحب پگاڑا، سرتاج عزیز، طارق مصطفیٰ، کرنل محمود علی، سینیٹر پیر برکات، سردار آصف علی، لیفٹیننٹ جنرل تنویر نقوی، ایڈمرل سعید محمد خان، چودھری اعتزاز احسن، فاروق لغاری، ڈاکٹر ایم زیڈ کے نیازی اور کئی افسر اور سیاست دان بھی شامل ہیں لیکن مہم صرف اور صرف ڈاکٹر قدیر خان کے خلاف چل رہی ہے اور یہی بات کہ صرف ڈاکٹر صاحب کو نشانہ بنایا گیا ہے، بدنیتی اور بددیانتی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ کیا گندگی صرف ڈاکٹر قدیر خان کے گھر سے نکلے گی اور دوسروں کے گھروں میں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ پاکستانی ایٹمی توانائی کے خلاف اور ڈاکٹر قدیر کو پریشان کرنے کے لیے امریکی سازشوں نے یہ حربہ شروع کیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کے خلاف سازش کا بھانڈا یوں پھوٹ گیا کہ دوسرے سب لوگوں کو چھوڑ کر صرف ڈاکٹر صاحب کو نشانہ بنا لیا گیا۔

جو لوگ کبھی اپنے نام سے اور کبھی دوسرے جعلی ناموں سے ڈاکٹر صاحب کے خلاف لکھ رہے ہیں، یہ سب انگریزی زبان کے صحافی ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ نام نہاد ترقی پسند ہیں اور زیادہ تر ایک فرقے (قادیانی، ناقل) سے تعلق رکھتے ہیں جو پاکستان میں اقلیت قرار پانے کے بعد اس ملک کی دشمنی میں سب سے آگے ہیں

کچھ لوگ روس کی شکست و ریخت سے بوکھلائے ہوئے ہیں اور ان کا غصہ اب پاکستان پر نکل رہا ہے جس نے افغانستان میں روس کی تباہی کی بنیاد رکھی اور پہلا پتھر مارا۔ شروع دن سے لے کر آج تک ایٹمی پروگرام کے بہت بڑے حامی اور جاںنثار صدر غلام اسحاق کے خلاف یہ لوگ سیاست کے ذریعہ لگے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر قدیر کے خلاف راول جھیل کو گندا کرنے کے بہانے سے اور یہ راول جھیل جس سے اسلام آباد کو پینے کا پانی ملتا

ہے' کوئی صاف ستھری جھیل نہیں ہے۔ یہ کسی صاف و شفاف چشمے سے نہیں اور نہ ہی کسی بہتے ہوئے دریا سے بھرتی ہے بلکہ یہ بارش کے پانی سے بھرتی ہے جو پہاڑوں سے آتا ہے۔ اگر اس کا رقبہ کم ہوتا تو اسے آپ کسی گاؤں کا تالاب اور جوہڑ کہہ سکتے تھے لیکن رقبے میں بڑا ہے۔ اس لیے جھیل کہلاتا ہے۔ یہ مصنوعی جھیل غیر صحت مند پانی کی جھیل ہے۔ اس میں جنگلی سوروں' گیدڑوں وغیرہ اور جنگل میں چرنے والے مویشیوں اور خود جنگل کا فضلہ اور گوبر' بارش میں بہہ کر آتا ہے۔ سی ڈی اے' اسلام آباد کا گند بھی اس کے قریب ہی جمع کرتی ہے جو بارش میں مزید گندا ہو کر اس سارے علاقے میں تعفن پھیلاتا ہے۔ ماحول کی صفائی کا جو بہانہ بنایا گیا ہے' اس کا سب سے پہلا دشمن سی ڈی اے اور بذات خود یہ جھیل ہے' جس کا پانی صاف کیے بغیر اسلام آباد کے شہروں کو فراہم کر دیا جاتا ہے۔

اس جھیل میں بارش کا پانی جن پہاڑی گزرگاہوں سے ہو کر آتا ہے' وہاں بنی گالہ کے علاوہ کئی دوسرے دیہات بھی موجود ہیں۔ ان سب کا کوڑا کرکٹ اور غلاظت اسلام آباد والوں کے اس پانی میں جمع ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے مکانوں کے لیے زمین' دیہات کے مالکان سے خریدی ہے اور قانون کے مطابق قیمت ادا کر کے اپنے نام منتقل کرائی ہے اور مکان تعمیر کیے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں سی ڈی اے سوتی رہی ہے اور اسے یاد نہیں آیا کہ کوئی ایسا پارک بھی ہے جس کے دائرے میں یہ زمین آتی ہے۔ لیکن جب سے پاکستان دشمنوں کا بیرونی اشارہ ملا ہے' ماحول کی پاکیزگی سے محبت بھی جاگ اٹھی ہے اور کہیں سے کوئی ضابطے بھی برآمد ہوگئے ہیں اور یہ سب صرف اور صرف اس وقت ہوا جب کسی سازشی ذہن کو یہ دور کی کوڑی سوجھی ہے کہ اس مہم سے ڈاکٹر قدیر خان کو پریشان کیا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی کسی دوسرے مالک مکان کا نام نہیں لیتا' صرف ڈاکٹر قدیر کا نام لیا جاتا ہے۔ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی شخصیت اس قدر صاف اور دیانت و امانت کا حسین مرقع ہے کہ اس کے خلاف کسی کو اور کوئی بات نہیں مل سکی۔ پرندوں کے شائق اس سائنس دان کو کسی کھلی جگہ پر سکون کے چند لمحے نہ مل سکیں' بس یہ ہے ان لوگوں کا واحد مقصد۔

جن لوگوں کی نظروں سے گاہے بگاہے میرے کالم گزرتے ہیں' ان کو معلوم ہے کہ پاکستان کے اس محسن کے ساتھ میری غائبانہ عقیدت کا کیا عالم ہے۔ اگر مجھے وہ اپنے مکان کی کسی دیوار میں چن دیں تو میں اسے پاکستان پر جان قربان کرنے کی لازوال سعادت

سمجھوں گا اور ایک میں ہی نہیں اس ملک کا ہر فرد اس شخص کی محبت سے سرشار ہے جو سیاستوں سے دور ملک کے لیے ایٹم کے خطرناک ذرات سے الجھتا رہتا ہے اور وہ فلم اس کے دماغ میں گھومتی رہتی ہے جو اس نے کبھی ہالینڈ میں اپنے قیام کے دوران دیکھی تھی۔ یہ مشرقی پاکستان کے سقوط کی فلم تھی۔ وہ اپنے وطن عزیز کی توہین برداشت نہ کر سکا اور اس نے عہد کر لیا کہ میرے ملک پر پھر ایسا وقت کبھی نہ آئے گا اور اس عہد کے ساتھ اس نے یورپ کی شاہانہ زندگی ترک کر دی اور پاکستان آگیا۔ اس نے کئی برس پہلے میرا کوئی کالم پڑھ کر مجھے ایک خط لکھا اور کہا کہ ہمارے ذمہ جو کام تھا' وہ ہم نے کر دیا ہے اور یہی وہ کام ہے کہ پاکستان کی طرف اب اس کے دشمن آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے اور پاکستان کے اندر پاکستان کے دشمن' محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا وجود نہیں دیکھ سکتے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۶ مارچ ۱۹۹۲ء)

سی۔ ڈی۔ اے کو مکان گرانے کے بجائے قانونی کارروائی کرنا چاہیے تھی۔۔۔ ڈاکٹر قدیر

"معروف ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے حالیہ "بنی گالا آپریشن" کو خلاف قانون قرار دیتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ اس "آپریشن" کے دوران بہت سے مکانات کو ناجائز تعمیرات کی آڑ لے کر گرایا گیا اور نہایت قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ انہوں نے کہا کہ سی ڈی اے کو نوٹس دیئے بغیر لوگوں کے مکانات منہدم کر کے اور انہیں سرمایہ اور قیمتی سامان سے محروم کر کے ہراساں کرنے کے بجائے قانونی کارروائی کرنا چاہیے تھی۔

ممتاز ایٹمی سائنس دان نے اس تاثر کو بھی غلط قرار دیا کہ بنی گالا کے علاقے میں ہونے والی تعمیرات کے باعث راول جھیل کے پانی میں کثافت پیدا ہو رہی تھی۔ انہوں نے کہا کہ دنیا بھر میں عمارات جھیلوں کے کنارے ہی تعمیر کی جاتی ہیں۔

دریں اثناء بنی گالا کے بہت سے مکینوں نے علاقے میں ہونے والے اس حالیہ "آپریشن" کو ڈاکٹر قدیر خان کے خلاف قادیانی لابی کی طرف سے

چلائی جانے والی مہم کا حصہ قرار دیا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' یکم جولائی ۱۹۹۲ء)

ڈاکٹر قدیر خان ـــــــــــــــ ایک ناجائز تجاوز؟

اس عنوان سے نامور صحافی جناب عبدالقادر حسن لکھتے ہیں:

"جس ملک میں وزیراعظم کے دفتر کو ایک اندھا حافظ بیوقوف بنا سکتا ہے' اس میں اور کیا کچھ نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود یہ توقع نہ تھی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان جیسے شخص کو اپنا گھر بچانے کے لیے سٹے آرڈر (حکم امتناعی) لینا پڑے گا۔ جس وقت میں نے حکم امتناعی والی یہ خبر پڑھی' میری زبان سے بے ساختہ اناللہ و انا الیہ راجعون نکل گیا۔ معلوم ہوا کہ وفاقی حکومت کے لیے ڈاکٹر قدیر خان کا یہ زیر تعمیر گھر ناجائز تجاوزات میں آتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اس ملک اور اس قوم کے لیے ڈاکٹر صاحب بذات خود ایک ناجائز تجاوز ہیں۔ جس شخص نے پاکستانیوں کے دلوں سے دشمن کا خوف دور کیا' جس نے دھوتیوں' بودیوں اور پگڑیوں کا راستہ روکا' جس نے پہلے تن تنہا اور پھر بعض حکمرانوں کے تعاون سے پاکستان کو اس کے دشمن نمبرایک کے لیے ناقابل تسخیر بنا دیا' وہ اس ناشکری قوم اور اس بے حس' بے درد اور بے وطن انتظامیہ کے لیے ناجائز تجاوز نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے ملک کے پاس جس کے ایک چھوٹے سے حقیر ٹکڑے پر واقع اس کو اپنا گھر بچانے کے لیے عدالت سے حکم امتناعی لینا پڑے' کیا جواز ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب جیسی نعمت سے سرفراز رہے۔ ملک کو دو ٹکڑے کر کے ہم نے قائداعظمؒ کا احسان اتار دیا اور اب باقی ماندہ کو دشمن سے بچانے والے کی زبردست توہین کر کے ہم اس کا احسان بھی اتار دینا چاہتے ہیں۔

ادھر کچھ عرصہ سے امریکی نیو ورلڈ آرڈر آنے کے بعد اسلام آباد کا ایک مخصوص حلقہ ڈاکٹر قدیر خان کے پیچھے پڑ گیا ہے تاکہ ایٹم بم کے خالق کو ذہنی طور پر اس قدر پریشان رکھا جائے کہ وہ بددل ہو کر اس کام کو یا تو ترک کر دے یا پھر ایسے انتہائی مشکل سائنسی کام کے لیے جس لگن اور انہماک کی ضرورت ہوتی ہے' اس سے محروم ہو جائے۔ یہ بات میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں اور آئندہ بھی قوم کے کمزور حافظے کو مسلسل یاد دلاتا رہوں گا تاکہ وہ قوم جو اپنے اس محسن پر جان چھڑکتی ہے' ہوشیار رہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مخالفین کا

مسلسل پروپیگنڈہ اور ان کو ذہنی پریشانی اور اذیت سے دو چار کرنے والوں کی ہمتیں اس قدر بڑھ گئی ہیں۔ ماحول کی صفائی کے نام پر انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے گھر پر بلڈوزروں سے حملہ کر دیا۔ میں نے اس حملہ کے نتیجے میں جو بربادی ہوئی ہے' اسے دیکھا ہے۔ گزشتہ دنوں اس جائے واردات کو دیکھنے کے لیے میں اسلام آباد چلا گیا اور وہاں سے بنی گالا کے چھوٹے سے گاؤں میں جس کی ٹوٹی ہوئی دیواریں اور بھاری بھر کم بلڈوزروں سے کچلی اور مسلی ہوئی سڑکیں کسی غنیم فوج کی آمد کا پتہ دے رہی تھیں' گھروں کو توڑتے ہوئے وزارت ماحولیات کا توپخانہ مکانوں کو گراتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور دیواروں کے ساتھ ساتھ انسانوں کے جسم بھی گرتے رہے۔ گولیوں سے پانچ پاکستانی جاں بحق ہوگئے اور کئی زخمی ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر سے باہر سڑک پر بلڈوزروں کو بار بار پھرایا گیا' جس سے سڑک ٹوٹ گئی لیکن ڈاکٹر صاحب کا مکان ایک محب وطن افسر کی کارروائی سے انکار پر گرایا نہ جا سکا۔ ڈاکٹر صاحب کا مکان فی الحال تو بچ گیا ہے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ کوئی نابینا' ان کے مکان تک بھی پہنچ جائے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۹۲ء)

نشان پاکستان

"۲۳ مارچ ۱۹۹۷ء کو محسن پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پہلی مرتبہ پاکستان کا اعلیٰ ترین سول اعزاز "نشان پاکستان" دیا گیا۔ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے معروف صحافی عبدالقادر حسن اپنے کالم "ایک دیو مالائی شخصیت" میں لکھتے ہیں:

"بار بار کہی ہوئی بات کو ایک مرتبہ پھر سن لیجئے کہ اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور اور بڑے ملک سے ہم جو پنجہ آزمائی کے موڈ میں رہتے ہیں اور ہمارا دشمن ہم پر کچکچاتا رہتا ہے' مگر اس کا کچھ بس نہیں چلتا تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ایک پاکستانی نے اپنے وطن عزیز میں ایک ایسی طاقت بھر دی ہے کہ دشمن اس کے سامنے بے بس ہوگیا ہے۔ ہمارے ایمان کی طاقت تو کرپشن کھا گئی ہے یا غریبی نے ہمیں کفر کے قریب کر دیا ہے اور جو بچ گئے ہیں وہ بوجوہ بے بس ہوگئے ہیں لیکن مادے کی پرستار اس دنیا میں انسانوں نے صرف

مادی قوت پر بھروسہ کرنا شروع کر رکھا ہے اور اس شخص نے اس ملک کو اسی مادی قوت سے بھر دیا ہے۔ وہ حکم یاد آتا ہے کہ ہلکے ہو یا بھاری' خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو اور یہ بھاری ہونا اسلحہ سے لیس ہونا ہے اور آج کا بھاری اسلحہ ایٹم کا اسلحہ ہے جو سب کچھ آن واحد میں برباد اور نابود کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری پیہم غلطیوں اور نافرمانیوں کے باوجود ہم پر ترس کھاتا رہتا ہے۔

اس کی ایک صورت عبدالقدیر خان نام کے ایک نوجوان کی صورت میں کئی برس پہلے پاکستان کو تحفہ میں ملی۔ ہمارا کوئی عمل ایسا ضرور تھا جس کا ہمیں یہ پھل ملا۔ میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں اور آج اسے دہراتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے جو یورپ میں مقیم تھے' جب ٹی وی پر مشرقی پاکستان میں ہماری شکست کی فلمیں دیکھیں تو ان کے دل میں ایمان کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اٹھی اور طے کیا کہ وہ وطن عزیز پر پھر ایسا وقت کبھی نہ آنے دیں گے اور آج وہ روئے زمین کے ایسے چند انسانوں میں سے ہیں' جنہوں نے کوئی بہت بڑا عہد کیا اور وہ پورا کر دیا۔ اس عہد کو پورا کرنے میں ان کی جدوجہد ایک عالمی داستان بن کر زندہ ہوگئی۔ چنانچہ آج جب حکومت پاکستان کا نمائندہ ان کو اعزاز دیتے ہوئے یوں تعارف کراتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ایک دیومالائی شخصیت بن چکے ہیں تو وہ اس سائنس دان کی اسی جدوجہد کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایک لوک گیت بن کر ہر غیرت مند پاکستانی کے دل میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

ڈاکٹر صاحب کو یہ اعلیٰ ترین اعزاز قدرے تامل کے بعد دیا گیا۔ ایسا ہوا کہ جب اعزازات طے ہو رہے تھے تو مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو "نشان پاکستان" کا اعزاز دینے کی تجویز ہے لیکن کہیں کوئی رکاوٹ پیش آ رہی ہے۔ جناب حامد ناصر چٹھہ اس کمیٹی کے چیئرمین تھے جو قومی اعزازات کی حتمی سفارش کرتی ہے۔ انہی دنوں جونیجو مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں چودھری صاحب کے گھر پر منعقد ہونے کی اطلاع ملی۔ میں وہاں پہنچا تو چند مسلم لیگی لیڈر اس وقت پہنچ چکے تھے۔ میں نے اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا تو سب نے کہا کہ اس پر کون پاکستانی اعتراض کر سکتا ہے۔ اتنے میں چودھری صاحب اس کمرے میں داخل ہوئے' میں نے مدعا بیان کیا کہ ظاہر ہے مجھے اس معاملے میں صرف ایک پاکستانی کی حیثیت سے دلچسپی ہے اور چودھری صاحب سے عرض کیا کہ وزیراعظم بے نظیر ان کی ہر بات مانتی ہیں اور ڈاکٹر صاحب تو بھٹو مرحوم کے زمانے میں پاکستان آئے تھے اور پھر میں

نے ان دونوں کے تعلق کے بارے میں کچھ بیان کیا اور کہا کہ آپ اس مجوزہ اعزاز کی سفارش کریں بلکہ اس کی یقین دہانی کرائیں۔ جواب میں چودھری حامد ناصر نے اس رکاوٹ کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس مجوزہ اعزاز سے ایک درجہ نیچے کا اعزاز ڈاکٹر صاحب کو ملا ہوا ہے۔ اسے اپ گریڈ کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ سوائے ڈاکٹر عبدالسلام کے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کا نام سن کر تمام مسلم لیگی لیڈروں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ چودھری صاحب آپ کی بات پر حیرت ہو رہی ہے' آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ نے کیا مثال دی ہے۔ جونیجو لیگ کے سربراہ کی اس بات پر میرا دل ٹوٹ گیا۔ انہوں نے جو موازنہ کیا' اس پر ان کے ساتھیوں سمیت سب کو حیرت تھی۔ میں وہاں سے اجازت لے کر مزید کچھ کہے بغیر چلا آیا لیکن مجھے یقین تھا کہ معاملہ ایسا ہے کہ کوئی شخص بھی ایسی غلطی کرنے سے پہلے بار بار سوچے گا"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۳۰ مارچ ۱۹۹۷ء)

کس حیثیت میں ایوارڈ دیا گیا

"قومی اسمبلی کے وقفہ سوالات میں آج مشہور قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو نشان امتیاز کا سول ایوارڈ دینے پر گرما گرم بحث ہوئی اور یہ نکتہ اٹھایا گیا کہ آیا یہ ایوارڈ ڈاکٹر عبدالسلام کو مسلمان کی حیثیت سے دیا گیا ہے یا غیر مسلم کی حیثیت سے۔ لیاقت بلوچ نے کہا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اس سول ایوارڈ کے حوالے سے سرکاری ذرائع ابلاغ' ڈاکٹر عبدالسلام کو مسلمان سائنس دان کے طور پر متعارف کراتے رہے ہیں۔ اس کے جواب میں سرکاری بنچوں کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو محض سائنس دان ہونے کے ناطے نشان امتیاز کا ایوارڈ دیا گیا ہے"۔

(روزنامہ "جسارت" کراچی' ۲ دسمبر ۱۹۸۶ء)

عربی اور اردو زبان کے خلاف سازش

"ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی پچھلے دنوں پاکستان آئے اور انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں عربی زبان کے خلاف جو باتیں کی ہیں' وہ انتہائی تکلیف دہ اور قابل مذمت ہیں۔ عربی قرآن کی زبان' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اہل جنت کی زبان ہے۔ کوئی بھی

مسلمان عربی زبان کے خلاف بات سننے کو تیار نہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں عربی اصلاحات کو غیر مانوس قرار دیا۔ قادیانیوں کو عربی زبان سے کیسے محبت ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ قادیانی' "رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایک جعلی نبی پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے پہلے ڈاکٹر عبدالسلام نے لندن کی ایک تقریب میں بھی اردو زبان کو مسخ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اس سے قبل اس نے گورنمنٹ کالج لاہور کے مجلّہ ماہنامہ "راوی" جلد۷ دسمبر ۱۹۸۹ء جو ۱۲۵ سالہ جشن کا خصوصی شمارہ ہے) کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

> "میں چاہوں گا کہ پاکستان میں ایک نئی اردو پیدا ہو جو پرانی اردو' سندھی' بلوچی' پشتو' انگریزی' پنجابی اور جھنگ کی منفرد بولی کا امتزاج ہو۔ جو یگانگت اور قومیت کا احساس بڑھائے"۔

چونکہ ڈاکٹر کے دل میں کھوٹ ہے اس لیے مذکورہ بالا بیان سے اس کے دل کا کھوٹ باہر آگیا ہے۔ یہ نہ صرف اردو جو بین الصوبائی ہے اور پاکستان کے تمام صوبوں میں بولی جاتی ہے' اس کے خلاف سازش ہے بلکہ سندھی' بلوچی' پشتو وغیرہ کے خلاف بھی سازش ہے۔ اس لیے ہم تمام زبانوں کے ادیبوں' دانشوروں اور اہل علم کو چاہیے کہ وہ قادیانیوں کی سازش کو سمجھیں۔ ہمیں یہاں مصر کے مرحوم صدر جمال عبدالناصر کا مقولہ یاد آگیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "فلسفہ انقلاب" میں لکھا ہے:

> "اگر سمندر کی تہہ میں دو مچھلیاں بھی باہم گر برسرپیکار ہوں تو سمجھ لیجئے کہ اس چپقلش میں بھی سیاست افرنگ کی کارفرمائیاں ہوں گی"۔

پنجاب کی تعلیمی پالیسی

"محکمہ تعلیم پنجاب میں آج کل جو افسران تعینات ہیں' ان کے بارے میں عوام الناس کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر شاید اب تک ذہنی بلوغت کو نہیں پہنچے۔ پنجاب کے دور دراز کے اضلاع سے آنے والے اکثر غرض مندوں کے پاس وسیلہ نہیں ہوتا' جس کے زور پر وہ افسر مجاز سے مل سکیں۔ جن کے پاس "پرچی" ہوتی ہے' ان کو پہلے بلا لیا جاتا ہے۔ کچھ بالانشیں ٹیلیفون کر کے اپنے آدمی بھیج دیتے ہیں اور انہیں بھی اندر بلا لیا جاتا ہے۔ یہ تو محکمے کے عمومی حالات ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ بعض اطلاعات کے مطابق سترہ گریڈ سے اوپر کے سب سے زیادہ قادیانی افسر محکمہ تعلیم میں ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ پنجاب کی تعلیمی پالیسی کی ذمہ داری بھی مبینہ طور پر قادیانی نوبل پرائز یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام

کے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے اور وہ پچھلے ڈیڑھ ماہ میں دو دفعہ پاکستان آ چکے ہیں۔ لاہور میں سیکرٹری تعلیم پنجاب کو ان کے ساتھ رہنے کی ہدایت تھی۔ بظاہر یہ کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام سے سائنسی پالیسی پر تبادلہ خیال کیا جا رہا ہے مگر محکمہ تعلیم کے باخبر حلقوں کے مطابق وہ پنجاب کی مکمل تعلیمی پالیسی ترتیب دیں گے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون"۔

(ہفت روزہ "ندا" لاہور' ۲۲ مارچ ۱۹۸۸ء)

ڈاکٹر عبدالسلام کی پراسرار بیماری اور سترویں سالگرہ

❑ "نوبل انعام یافتہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام ایک نامعلوم بیماری کے باعث چلنے پھرنے سے قطعی طور پر معذور ہوگئے ہیں اور صرف وہیل چیئر کے ذریعے حرکت کر سکتے ہیں۔ وہ ان دنوں اٹلی میں مقیم ہیں"۔

(روزنامہ "پاکستان" لاہور' ۱۸ جولائی ۱۹۹۲ء)

❑ "نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام اٹلی میں شدید علیل ہیں۔ ان پر فالج کا ایک اور حملہ ہوا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۲۶ جون ۱۹۹۳ء)

"پھر خبر آئی ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام ان دنوں اٹلی میں ماہرین کی نگرانی میں زیر علاج ہیں اور وہ ایک پیچیدہ بیماری "پروگریسیو سپرانیو کلاپالسی" کا شکار ہوگئے ہیں۔ اس بیماری کے باعث وہ اٹھنے بیٹھنے اور بات کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور ان کی یادداشت بھی ختم ہوگئی ہے۔ مذکورہ بیماری کا شکار' خبر کے مطابق برطانیہ میں صرف چار سو افراد ہوئے' جن میں ڈاکٹر عبدالسلام بھی شامل ہیں۔ خبر میں ان کی عمر ۶۵ سال ظاہر کی گئی تھی۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی خطرناک بیماری Supranuclear Palsy (PSP) Progressive آخری دم تک تشخیص نہ ہو سکی۔ ماہرین کے مطابق اس بیماری کا شکار مریض تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے اور کسی دوائی سے کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔

أ "پروگریسیو سپرانیو کلا پالسی" ایک پراسرار اور خطرناک فالج کی شکل ہے' جس میں مریض اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے اور پاگلوں جیسی حرکات کرتا رہتا ہے۔ ماہرین کے مطابق چونکہ یہ ایک نئی بیماری متعارف ہوئی ہے' جس کا مستقبل قریب میں علاج ممکن نہیں ہے۔ بعض لوگ اسے خدائی عذاب سے تعبیر کرتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی' حکیم نور الدین' مرزا بشیر الدین' امتہ الحفیظ اور سر ظفراللہ خان ایسے ہی عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی اس پراسرار بیماری کا علم ہوتے ہی حکومت پاکستان نے انہیں برطانیہ میں مقیم اپنے ہائی کمشنر کے ذریعے ۲۰ ہزار ڈالر کا چیک بھجوایا' جسے ڈاکٹر عبدالسلام کے لواحقین نے وصول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ حکومت پاکستان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور یہ رقم اس بیماری کی تحقیق میں خرچ ہونی چاہیے تاکہ جلد از جلد اس کا علاج دریافت ہو سکے۔ لہٰذا ڈاکٹر عبدالسلام کے ورثاء کی خواہش پر یہ رقم اس بیماری کی تحقیق کرنے والے ادارہ عالمی صحت کو دے دی گئی۔

پھر یہ خبر آئی کہ:

❑ "پاکستان کے نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام بیماری کے سبب اپنی یادداشت سے محروم ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ان دنوں برطانیہ میں مقیم ہیں اور ان کی عمر ۶۵ سال کے لگ بھگ ہے۔ ان کے قریبی ذرائع نے بتایا کہ دنیا کے بہترین ڈاکٹر ان کا علاج کر رہے ہیں"۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۱۶ر اکتوبر ۱۹۹۵)

ڈاکٹر عبدالسلام کے بیٹے احمد سلام نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کچھ عرصہ سے "پروکریسو سپرائیو کلا پالسی" کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ پارکنسن بیماری کی طرح یہ بیماری ایک لاکھ میں سے ایک کو ہو سکتی ہے اور برطانیہ میں صرف چار سو افراد اس بیماری میں مبتلا ہیں۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۸ر اکتوبر ۱۹۹۵)

بعض بیماریاں مخصوص حالات کا اظہار کرتی ہیں۔ مثلاً مغربی معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی نے ایڈز جیسی مکروہ بیماری کو جنم دیا' جس کی ہلاکت سے مغرب لرزہ براندام ہے اور جنوبی امریکہ کے ملکوں میں ہاگ وائرس کی ایک بیماری پھیلنے کی علامات ہیں' جس میں مریض کی شکل مسخ ہو کر سور جیسی ہو جاتی ہے اور یہ بیماری یقیناً ایڈز سے زیادہ خوفناک نظر آتی ہے اور اس کی پشت پر بھی ایڈز والے عوامل کارفرما ہیں۔ اسی طرح روحانی بے راہ روی ایسی جسمانی بیماریوں کا باعث ہو جاتی ہے' جن کا تعلق غور و فکر اور اظہار و خیال سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑی بیماری کفر و شرک میں مبتلا ہونے اور اس سے بھی شدید تر' ارتداد' زندقہ اور شان رسالتؐ میں گستاخی کرنے کو اختیار کر لینا ہے۔ موخرالذکر روحانی امراض میں مبتلا بدبختوں کا انجام عبرت ناک ہوا کرتا ہے۔ ڈاکٹر

عبدالسلام **کا تعلق** ایسے ہی بدبخت گروہ سے ہے اور اس مذہب کے تقریباً تمام لوگ ایسے ہی پیچیدہ اور عبرتناک امراض میں مبتلا ہو کر جہنم رسید ہوتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ "ڈاکٹر" صاحب کے ساتھ خدا تعالیٰ کا سلوک مرزا قادیانی کی مندرجہ ذیل تحریروں کی روشنی میں کیا ہوا؟

۱ - فالج سخت بلا ہے ("حقیقت الوحی"" ص۲۲۳' "روحانی خزائن"" جلد۲۲' ص۲۳۳)

۲ - فالج نہایت سخت دکھ کی مار ہے' قہر ہے' غضب الٰہی ہے۔ ("انجام آتھم"" ص۲۶' "روحانی خزائن"" جلد۱۱' ص۲۶)

۳ - فالج خبیث مرض ہے۔ ("اربعین"" نمبر۳' ص۳۵' حاشیہ "روحانی خزائن"" نمبر۱۷' ص۴۱۹)

۴ - اور خود خدا تعالیٰ نے فرمایا "اے عبدالحکیم تو مفلوج ہونے سے بچایا جائے گا کیونکہ اس میں شماتت اعداء ہے۔ ("تذکرہ" مجموعہ الہامات' ص۶۷۱' از مرزا غلام احمد قادیانی)

تازہ خبر ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی سترویں سالگرہ پاکستان میں سرکاری و نیم سرکاری سطح پر تزک و احتشام سے منائی جا رہی ہے۔ سنجیدہ حلقوں میں اس خبر پر حیرت کا اظہار کیا گیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی سالگرہ منانے کی کوئی خبر آج تک تو شائع نہیں کی گئی۔ اب سترویں سالگرہ منانے کا اعلان ہوا اور پاکستانی حکومت نے سرکاری سطح پر سیمیناروں اور تقریبات کا بندوبست کرنا شروع کر دیا۔ سرکاری اور حزب اختلاف کے سرکردہ لیڈروں کی طرف سے مبارک باد کے بیانات نشر ہونے لگے۔ سینٹ کے چیئرمین نے تو یہ تک کہہ دیا کہ:

> "اسلام آباد (این این آئی) چیئرمین سینٹ وسیم سجاد نے کہا ہے کہ پروفیسر عبدالسلام نے پاکستان میں ایٹمی پروگرام کی بنیاد فراہم کر کے اسے ترقی یافتہ ممالک کے شانہ بشانہ ۲۱ ویں صدی میں داخل ہونے کے قابل بنایا ہے۔ پیر کے روز قائداعظم یونیورسٹی کی فزکس سوسائٹی کے زیر اہتمام نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کی ۷۰ ویں سالگرہ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پروفیسر عبدالسلام زندہ ہیرو ہیں اور سائنسی میدان میں ان کی تیسری دنیا خصوصاً

پاکستان کے لیے خدمات ناقابل فراموش ہیں"۔

(روزنامہ "جسارت" کراچی' ۳۰ جنوری ۱۹۹۶ء)

عوامی نمائندگی کے ایک اور مدعی نے علماء کرام کو اپنے بیان میں اس طرح ڈانٹنا شروع کر دیا کہ:

"کراچی ۲۹ جنوری (اسٹاف رپورٹر) قومی محاذ آزادی کے سربراہ معراج محمد خان نے شہرہ آفاق نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو ۷۰ ویں سالگرہ پر مبارک باد پیش کی ہے اور ملکی خدمات کے حوالے سے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اپنے ایک بیان میں انہوں نے مولوی حضرات کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی کردار کشی کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ کچھ لوگ ملک سے اور بعض لوگوں سے ملک پہچانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی شخصیت بھی ایسی ہے جن سے پاکستان دنیا بھر میں شناخت کیا جاتا ہے۔ لہٰذا مولوی حضرات ڈاکٹر صاحب کی کردار کشی سے باز رہیں اور ان کی خدمات کا اعتراف کریں"۔

(روزنامہ "امن" کراچی' ۳۰ جنوری ۱۹۹۶ء)

بے چارے ڈاکٹر عبدالسلام اپنی تمام تر صلاحیتوں اور جنوب مشرقی ایشیاء کے ملکوں پر عظیم احسان کرنے کے باوجود اپنی صحت کے زمانہ میں سالگرہ کی ایسی تقریبات سے کیوں محروم رہے؟ اچانک پاکستانی حکمرانوں اور لیڈروں کو اپنی غلطی کا احساس کیسے ہوگیا؟ ساری سالگرہیں روکھی پھیکی گزر گئیں۔ اب سترویں سالگرہ کو دھوم دھام سے منا کر کیا سارے احسانات کا یکبارگی بدلہ چکایا جا رہا ہے؟ یا ساری کارروائی کسی خفیہ اشارے پر ہو رہی ہے اور یہ کسی خوفناک طوفان کا پیغام ہے؟---- یہ سوال ذرا سنجیدگی کے ساتھ مسئلہ کو سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے!

ڈاکٹر عبدالسلام کون ہیں؟ قومی اسمبلی اور سینٹ کا کوئی ممبر اس حقیقت سے لاعلم نہیں ہو سکتا کہ قادیانی گروہ کو ۱۹۷۴ء میں جب غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا تو اس مسئلہ کے ہر پہلو پر بحث ہوئی تھی کہ قادیانیت اسلام کے بالکل خلاف انگریزوں کے اشارے پر وجود میں آنے والا نیا اختراعی مذہب ہے اور قادیانی' مسلمانوں کے ہمیشہ دشمن ثابت ہوئے ہیں۔ اس گروہ کو جب بھی موقع ملا' مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے سے دریغ نہیں کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندان نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ عراق پر حملے میں انگریزی فوج کی ہمراہی میں رہے۔ تمام اسلامی دنیا میں انگریزوں کی جاسوسی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کی نازک گھڑی میں عین وقت پر باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا انکار کر کے گورداسپور کو ہندوستان کے حوالے کروا دیا جس کے نتیجہ میں کشمیر آج تک پاکستان کے لیے خطرناک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جنگ کشمیر میں قادیانی کمانڈر کا کردار بریگیڈیئر گلزار نے اپنے تازہ مطبوعہ انٹرویو میں خوب بتایا ہے۔ ۱۹۴۹ء' ۱۹۵۱ اور ۱۹۷۳ء میں فوجی انقلاب کے ذریعے پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کی سازشیں تیار کیں۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان کو بے مقصد جنگ میں جھونک دیا۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں ایم ایم احمد نے اہم کردار ادا کیا۔ اس گروہ کے سرکردہ فرد وزیر خارجہ سر ظفراللہ قادیانی نے قائداعظم کے جنازہ میں یہ کہہ کر شرکت سے انکار کر دیا کہ مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر۔ قومی اسمبلی کی پوری کارروائی مطبوعہ شکل میں مختلف پیراؤں میں بازار میں دستیاب ہے۔ پیپلز پارٹی کے سابق رہنما اور سینٹ کی ذمہ دار کرسی پر براجمان سیاست دان سمیت تہنیت شائع کرانے والے ان تمام لیڈروں کی ماضی کے تمام تاریخی حقائق سے اس طرح چشم پوشی کا مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بقول جسٹس صمدانی جو گروہ ختم نبوت کی سنگلاخ زمین میں نبوت کا پودا اگا سکتا ہے' جس گروہ کا بانی قرآن کریم کی آیات کو توڑ موڑ کر اپنی وحی قرار دے لیتا ہو' اس گروہ کے ایک فرد کو پاکستان ہی نہیں' جنوب مشرقی ایشیاء کے لیے ایٹمی قوت کا ہیرو قرار دے دیا جائے تو یاد رکھیے حقائق اپنی جگہ کبھی نہیں چھوڑ سکتے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا مقام نہیں گرایا جا سکتا۔ اسی طرح جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابدی غلامی کا جواء اتار کر انگریزی نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی غلامی کا قلاوہ گلے میں ڈال لیا ہو' اس کی کردار کشی کا الزام علماء پر عائد کرنا باعث حیرت ہے۔

کسی عیسائی' ہندو' یہودی' کیمونسٹ کہلانے والے کو ان ناموں سے پکارنا کردار کشی کے زمرے میں نہیں آ سکتا تو قادیانی کو قادیانی کے لقب سے یاد کرنا کس قانون یا اخلاق کی رو سے کردار کشی کہلائے گا؟ جب کہ اسلام میں ہر وہ شخص کافر (انکار کرنے والا) ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی اور نبی کا پیروکار ہو۔ قرآن

کے علاوہ کسی اور وحی پر ایمان رکھتا ہو' سنت نبوی کو چھوڑ کر کسی اور طریقے کو ذریعہ نجات سمجھتا ہو' اسلام کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال جانتا ہو وغیرذلک۔ البتہ قادیانی' کافروں کی دوسری اقسام سے بوجوہ شدید ترین کافر ہیں۔ انہی میں سے دو بڑی وجوہ نئے جعلی نبی پر ایمان اور اس کے باوجود اپنی علیحدہ شناخت کے بجائے مسلمان ہونے پر اصرار بھی ہے۔

سترویں سالگرہ پر گرمجوشی کے حالیہ رنگ سے **طبعا**" یہ سوال سطح ذہن پر ابھرتا ہے کہ دو عشروں سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے پاکستان کو لعنتی ملک قرار دے کر کوچہ جاناں میں مستقل بسیرا کر لیا۔ پاکستانی لیڈروں کو اس کے فراق نے آج تک بے کل نہ کیا۔ اب تیسرا عشرہ شروع ہوچکا تو یکایک قصائد فراق پڑھے جانے لگے۔ طاق نسیان سے ایٹمی موتیوں کی لڑیاں نمودار ہونے لگیں۔ آخر یہ انقلاب کیسا؟ کسی خفیہ ڈوری نے کٹھ پتلیوں کا تماشا تو نہیں دکھایا؟

(اداریہ ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی)

لطیفہ یا جہالت

نیشنل اکیڈمی برائے میڈیکل سائنسز پاکستان کے "سائنس دانوں" نے اپنی سائنٹیفک سوچ کا اظہار کرتے ہوئے نئی مغربی پیچیدہ بیماری "پروگریسیو سپرانیو کلا پالسی" کے شکار ڈاکٹر عبدالسلام کو ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے نیشنل اکیڈمی برائے میڈیکل سائنسز آف پاکستان کا مشیر مقرر کر لیا ہے۔ سرکاری خبر رساں ایجنسی اے پی پی کی خبر کے مطابق یہ پہلی دفعہ ہوا کہ پاکستان میں سائنس دانوں نے پاکستان کے واحد نوبل انعام یافتہ سائنس دان کو عملی طور پر مانا ہے

(روزنامہ "دی نیوز" لاہور ۲ر مارچ ۱۹۹۵)

ڈاکٹر عبدالسلام' مرزا طاہر اور قادیانی جماعت میں اختلافات

☐ "جماعت احمدیہ ربوہ' نئے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر انتشار کا شکار ہوگئی ہے۔ چنانچہ آج ربوہ میں نئے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں حتمی اعلان سے قبل مسجد مبارک کے باہر زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی اور دو گروپوں میں نصف گھنٹہ تک ہاتھا پائی ہوتی رہی۔ خلافت کے ایک امیدوار مرزا رفیع احمد جو مجلس مشاورت کے اجلاس سے واک آؤٹ کر

کے باہر آ گئے تھے' کو ایک کار میں ڈال کر اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے جماعت احمدیہ کی مجلس مشاورت کا اجلاس آج دوپہر ڈیڑھ بجے کے قریب ربوہ کی مسجد مبارک میں شروع ہوا۔ اجلاس کے شروع ہوتے ہی مسجد کی بیرونی دیوار کے تمام دروازے مقفل کر دیے گئے اور کسی کو ان دروازوں کے قریب نہ جانے دیا گیا۔ اس عرصہ میں جماعت کے ہزاروں ارکان باہر کھڑے انتخاب کے اعلان کا انتظار کرتے رہے۔ اڑھائی بجے کے قریب مرزا رفیع احمد مجلس مشاورت کے اجلاس سے واک آؤٹ کر کے باہر آئے اور اپنے حامیوں کو لے کر چوک میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے ایک بس کی پچھلی سیڑھی پر کھڑے ہو کر مختصر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں نے خلافت کے اصولوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور انہیں انتخاب خلافت سے خارج کر دیا ہے جو صراصر ناانصافی ہے۔

مرزا رفیع احمد نے کہا کہ میں جان دے دوں گا۔ آپ میری جان لے لیں۔ اس پر مرزا طاہر احمد کے حامی بھی وہاں جمع ہو گئے اور انہوں نے مرزا رفیع کو بس سے اتار لیا۔ اس پر ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ چوک میں دونوں گروپوں کے حامیوں میں تقریباً نصف گھنٹے تک ہاتھا پائی ہوتی رہی۔ اس عرصہ میں مرزا رفیع احمد کو ایک کار نمبر اے۔ جے۔ کے ۳۰۰ میں زبردستی بٹھانے کی کوشش بھی کی گئی مگر ان کے حامیوں نے یہ کوشش ناکام بنا دی جس کے بعد مخالف گروپ کے ارکان مرزا رفیع احمد اور ان کے حامیوں کو ان کے گھر کی طرف جانے والی سڑک پر دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ سڑک بند کر دی گئی تاکہ کوئی بھی شخص مرزا رفیع احمد کے پاس نہ پہنچ سکے۔

اس واقعہ کے بعد مرزا رفیع احمد اپنے گھر چلے گئے۔ سوا تین بجے "مسجد" سے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا گیا کہ مجلس مشاورت نے متفقہ طور پر مرزا طاہر احمد کو جماعت احمدیہ کا چوتھا خلیفہ منتخب کیا ہے' جس کے بعد مرزا طاہر احمد نے اپنی تقریر میں کہا کہ وہ بہت گنہگار ہیں۔ تاہم جماعت نے ان کے کندھوں پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں' وہ انہیں نبھانے کی پوری کوشش کریں گے۔ پانچ بجے کے بعد مرزا ناصر احمد کی تدفین کی رسومات ادا کی گئیں' جن میں سابق وزیر خارجہ چودھری ظفراللہ خان' ایم۔ ایم۔ احمد اور جماعت احمدیہ کے دیگر لیڈر بھی شریک ہوئے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ روز بھی ایک گروپ نے یہ نعرے لگائے تھے کہ خلیفہ ایک مخصوص کنبے کے بجائے ان میں سے منتخب کیا جائے۔ اس طرح اب جماعت احمدیہ تین گروپوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ جن میں ایک مرزا طاہر احمد اور دوسرا مرزا

رفیع احمد کا حامی ہے جبکہ تیسرا گروپ' خلیفہ کا انتخاب' جماعت کے عام ارکان میں سے چاہتا ہے۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۱۱ جون ۸۲ء)

❑ "احمدیہ جماعت ربوہ کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد کی وفات کے بعد سربراہی کے مسئلہ پر جماعت میں جو بحران پیدا ہوا ہے' وہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ مرزا طاہر احمد اگرچہ اپنے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد اور ان کے حامیوں کو جماعت سے خارج کر چکے ہیں' تاہم مرزا رفیع احمد کے خصوصی ترجمان نے بتایا ہے کہ مرزا رفیع احمد کی بیعت کرنے کے لیے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں احمدی ان کی رہائش گاہ پر پہنچتے ہیں لیکن ان کے مکان سے نامعلوم افراد جواب دیتے ہیں کہ ہمیں مرزا رفیع احمد کے بارے میں کوئی پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ ہم تو صرف مکان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ترجمان نے انکشاف کیا ہے کہ ابھی تک عالمی شہرت کے حامل مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) سابق ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی حکومت پاکستان اور معروف سائنس دان ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام نے مرزا طاہر احمد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ انہوں نے مزید انکشاف کیا کہ مرزا رفیع احمد کے ہزاروں حامیوں نے اپنی الگ تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کر کے تمام ضروری لائحہ عمل مرتب کر لیا ہے۔ اس تنظیم کا صدر مقام ربوہ ہوگا۔ ترجمان کے مطابق مرزا رفیع احمد کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ جس کی وجہ سے ربوہ کی اسی فیصد آبادی میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۲۰ جون ۸۲ء)

❑ "قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد کے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد شدید علیل ہوگئے ہیں اور ان کی حالت تشویش ناک بیان کی جاتی ہے۔ ربوہ کے اکثر حلقوں کے مطابق انہیں لاہور منتقل کر دیا گیا ہے۔ ادھر مرزا طاہر احمد کے حقیقی بھائی مرزا مبارک احمد جو مرزا طاہر احمد کے مدمقابل سربراہی کے امیدوار تھے' بوجہ "علالت" امریکہ چلے گئے ہیں۔ جماعت میں سربراہی کا بحران شدید ہوتا جا رہا ہے۔ مرزا طاہر احمد نے "قصر خلافت" کی از سر نو تعمیر کی نگرانی پر اپنے داماد اور مرزا ناصر کے بیٹے مرزا لقمان کو مامور کر دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مرزا طاہر احمد نے جماعت کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد کے کمروں کو سربمہر کر دیا ہے۔ چونکہ "قصر خلافت" کی عمارت گرائی جا رہی ہے' اس لیے مرزا طاہر احمد نے

گیسٹ ہاؤس کے دو کمروں پر مشتمل اپنا دفتر قائم کر لیا ہے اور ایک کمرہ مرزا ناصر کی دوسری بیوی طاہرہ کے لیے مخصوص کر دیا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۲۹ جون ۸۲ء)

❑ "معلوم ہوا ہے کہ جماعت احمدیہ کے مرزا ناصر احمد کی وفات کے بعد جماعت کی سربراہی کے ایک امیدوار مرزا رفیع احمد کو ربوہ کے مدرسہ احمدیہ سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ مرزا رفیع احمد نے جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد کے خلاف انتخاب میں حصہ لیا تھا مگر انہیں انتخاب سے فارغ کر دیا گیا۔ بعد ازاں انہوں نے مرزا طاہر احمد کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح دونوں کے درمیان اختلافات بڑھنے سے جماعت احمدیہ اندرونی خلفشار کا شکار ہو گئی۔ ادھر پتہ چلا ہے کہ مرزا ناصر احمد نے وفات سے قبل جس لیڈی ڈاکٹر سے شادی کی تھی' اس کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۱۵ جولائی ۱۹۸۲ء)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ناصر کی دوسری شادی کے سلسلہ میں ہم بعض خاص باتوں کا ذکر بھی کرتے چلیں۔

معروف قادیانی پروفیسر نصیر احمد کی ایک چھوٹی بہن ڈاکٹر طاہرہ لجنہ اما اللہ (قادیانی عورتوں کی تنظیم) کی اہم عہدیدار تھی۔ پروفیسر صاحب اس کی شادی کے لیے کوشاں تھے۔ ڈاکٹر طاہرہ اپنے حسن و جمال کے حوالہ سے قادیانی حلقہ میں بے حد معروف تھی۔ علامہ سلطان اپنی تصنیف "قادیانیوں کی عریاں تصویریں" میں لکھتے ہیں کہ "یہ دوشیزہ اپنے قاتلانہ نخروں کے ساتھ جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد کے بڑے صاحبزادے مرزا لقمان احمد (جو قادیانی جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد کے داماد ہیں) کو کئی بار "درشن" دے چکی تھی۔ اس کی چشم نیم باز اور شوخ قہقہے اس متوقع خلیفہ کے کلیجہ پر چھری چلا جاتے۔ جب وہ خلیفہ کی رائل فیملی کے گھر آ نکلتی تو یوں محسوس ہوتا جیسے بارش کی رت میں کوئی مورنی ناچ رہی ہے"۔

مرزا لقمان اور ڈاکٹر طاہرہ کا عشق پروان چڑھتا رہا۔ آخر مرزا لقمان نے اپنی والدہ سے اپنے دل کی بات کہہ دی اور ڈاکٹر طاہرہ سے دوسری شادی کرنے کی اجازت چاہی۔ ماں نے اجازت دے دی لیکن اس بات کی بھنک مرزا طاہر احمد کے کانوں میں پڑی تو اس نے مرزا ناصر احمد سے بات کی اور کہا کہ اگر اس کی بیٹی کے مقابلہ میں کوئی دوسری سوکن

لائی گئی تو وہ اس سلسلہ میں سخت قدم اٹھائیں گے۔ مرزا ناصر احمد نے جماعت احمدیہ میں انتشار روکنے کی خاطر مرزا لقمان کو دوسری شادی کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔

ادھر نیرنگی دوراں دیکھیے کہ ڈاکٹر طاہرہ کے سلسلہ میں میں جو رشتے آئے' ان کے ناموں کی لسٹ بنا کر انہوں نے اپنے پیر و مرشد مرزا ناصر احمد کے پاس دعا کے لیے بھیجی کہ اس کے لیے وہ مناسب نام اس لسٹ میں سے بتا دیں۔ مرزا ناصر نے لسٹ میں درج شدہ سارے نام کاٹ کر اوپر اپنا نام لکھ دیا اور لسٹ پروفیسر صاحب کو واپس کر دی۔ انہی دنوں خلیفہ کے لیے بیوی کی اہمیت پر مرزا ناصر نے خطبے بھی دینے شروع کر دیے کہ "میں نے استخارہ کر کے معلوم کیا ہے کہ یہ رشتہ ہمارے لیے انتہائی بابرکت اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کا باعث ہوگا"۔ نیز چند کاسہ لیس قسم کے مشہور قادیانی بزرگ استخارہ کرنے بیٹھ گئے۔ ان بزرگوں میں مولوی عبدالمالک' صوفی غلام محمد اور دوست محمد شاہد پیش پیش تھے اور قادیانی اخبار "الفضل" میں ان کی طرف سے بیانات آنے لگ گئے کہ استخارہ میں اس کے رشتہ کے بارہ میں بشارت ہوئی ہے کہ بہت پائیدار' خوشگوار اور طرفین کے لیے باعث برکت اور خوشگوار ازدواجی زندگی دونوں کو ہوگی اور طرفین کے لیے باعث راحت ہوگی۔ ان بزرگوں اور سب چمچوں' لوٹوں کی مبارک سلامت کے شور میں "بڈھا گھوڑا لال لگام" کے مصداق یہ شادی ہوگئی اور مرزا ناصر احمد اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ ہنی مون منانے اسلام آباد چلے گئے۔ اس پر جماعت احمدیہ کے مخالف لاہوری گروپ نے طنزاً یہ کہنا شروع کر دیا کہ "پچ بیٹے نے تیار کروائی تھی لیکن بیٹنگ باپ نے شروع کر دی"۔

تھوڑا عرصہ بعد جب مرزا ناصر کی وفات ہوئی تو نئی بیوی حمل سے تھی۔ خطرہ تھا کہ کہیں وراثت کے چکر میں طاہرہ کو ختم ہی نہ کروا دیا جائے۔ اس خدشہ کی طرف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مکرم مولانا اللہ وسایا صاحب نے ربوہ کی مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر خطبہ جمعہ میں اظہار فرمایا اور پھر وہی ہوا' جس کا خدشہ تھا۔ مرزا طاہر احمد نے ایک سازش کے تحت ڈاکٹر طاہرہ کو ادویات کھلا کر اس کا حمل ضائع کروا دیا' جس پر طاہرہ کو خطرناک حالت کے پیش نظر ۲۵؍ جون ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد کے ہسپتال میں داخل کروایا گیا' جہاں طاہرہ کے جسم سے خون کے لوتھڑے خارج ہوتے رہے۔ یہ سب کچھ مرزا طاہر نے اس لیے کیا کہ پیدا ہونے والا بچہ "رائل قادیانی فیملی" کا ممبر کہلوائے گا اور جماعت احمدیہ کی اربوں روپے کی اندرونی اور بیرون ممالک جائیداد میں سے وراثت کا حق دار ہوگا۔ طاہرہ اس صدمہ سے کئی ماہ نڈھال رہی۔ ارباب نبوت کے شہزادوں نے حمل تو ضائع کروا

دیا مگر اس طرح مستقبل میں ایک متوقع وارث سے محفوظ ہوگئے۔ گو طاہرہ کی زندگی بچ گئی مگر ان اندوہناک واقعات کے نتیجہ میں پروفیسر نصیر احمد پر دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ جان سے گئے۔ اب میڈم طاہرہ ربوہ میں ایک زندہ لاش کی طرح زندگی گزار رہی ہے۔ حقوق انسانی کی تنظیموں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

اسی طرح خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کی دوسری بیوی لوئس جانسن جو لندن سے ڈاکٹر عبدالسلام کے تابوت کے ساتھ پاکستان آئی' سلام کی پہلی بیوی امتہ الحفیظ اور بیٹیوں عزیزہ' آصفہ اور بشریٰ کی اشتعال انگیزی پر بے حد بدتمیزی کی۔ یہی وجہ ہے کہ سلام کے بیٹے نے اپنے باپ کے جنازہ پر قادیانی جماعت کے متعلق کہا تھا کہ "یہ اب ہمارے نہیں رہے"۔

بالکل یہی سلوک ڈاکٹر عبدالسلام کی سوتیلی ہمشیرہ مسعودہ بیگم (جو ڈاکٹر عبدالسلام کے والد چودھری محمد حسین کی پہلی بیوی سعیدہ بیگم کی اکلوتی بیٹی تھیں) کی زندگی میں ان کے ساتھ کیا گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

❏ "قادیانی جماعت میں نئے سربراہ کے انتخاب پر اختلافات شدید ہوگئے۔ مشہور قادیانی رہنما سر ظفر اللہ خان اختلافات کو دور کرانے میں ناکام ہو کر لندن واپس چلے گئے۔ ان کے ساتھ مرزا ناصر احمد کے بھائی اور فارن مشنری انچارج مرزا مبارک احمد بھی بیرون ملک چلے گئے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۲۶ جولائی ۸۲ء)

❏ "قادیانیوں کے صدر مقام ربوہ میں قادیانی جماعت کی جنگ اقتدار عروج پر پہنچ چکی ہے اور اب بیرون پاکستان مختلف ملکوں میں ان کے مشن بھی اس کھینچا تانی میں شریک ہوگئے ہیں اور متعدد مشنوں نے موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ نیز جماعت کے بیرونی مشنوں کے سربراہ مرزا مبارک احمد کو جماعت کا نیا سربراہ منتخب کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئی ہیں۔ ان باغی عناصر نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ جماعت احمدیہ کا نیا صدر مقام مغربی جرمنی میں منتقل کر دیا جائے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران بھی قادیانی ہیڈ کوارٹر کو مغربی جرمنی منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اس صورت حال سے قادیانی فرقے کے سربراہ مرزا طاہر احمد

کو سخت تشویش لاحق ہوگئی ہے۔ چنانچہ وہ اس پر قابو پانے کے لیے لندن روانہ ہوگئے ہیں جہاں بڑے بڑے قادیانی رہنما چودھری ظفراللہ' ایم ایم احمد' احمدی مبلغ اور تنظیموں کے سربراہ پہلے سے موجود ہیں۔ ادھر مرزا مبارک اور ان کے ساتھی قادیانی جماعت کو موجودہ سربراہ سے نجات دلانے اور مستقبل کے بارے میں صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ ان تمام مذاکرات میں مرزا مبارک احمد نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ طاہر احمد کے خلیفہ بننے کے فوراً بعد ہی علاج کے بہانے لندن چلے گئے تھے۔ وہ بیرونی مشنوں میں انتہائی فعال اور موثر شخصیت شمار ہوتے ہیں۔ مرزا ناصر احمد کے مرنے کے بعد بیشتر لوگوں نے مرزا مبارک احمد کو نیا خلیفہ بنانے کی تجویز کی تھی تاکہ قادیانی فرقہ انتشار سے محفوظ رہے لیکن ربوہ کی بیورو کریسی نے یہ تجویز اپنے مالی مفادات کے پیش نظر مسترد کرا دی لیکن قادیانیوں کی اکثریت مرزا طاہر کو اپنا سربراہ ماننے سے انکاری ہے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" کراچی ۳۱ جولائی ۱۹۸۲ء)

❑ "قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے جماعت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے مرزا رفیع احمد سمیت متعدد بااثر عہدیداروں کو جماعت سے نکال دیا ہے اور قادیانی تنظیموں انجمن احمدیہ' انصار اللہ' خدام الاحمدیہ اور دوسری اہم تنظیموں کے عہدیداروں میں رد و بدل کر کے اپنے گروپ کے حامیوں کی تقرری کی ہے۔ بیرونی مشنوں کی تجدید بیعت سے انکار کے بعد نئے مبلغ اور انچارج مقرر کیے ہیں۔ قادیانی ترجمان روزنامہ "الفضل" کے مطابق نئے سربراہ مرزا طاہر احمد نے لندن روانگی سے قبل اپنے خطبہ جمعہ میں تسلیم کیا کہ جماعت میں اختلافات موجود تھے اور اب جماعت خطرے سے باہر ہے۔ قادیانی جماعت سے بااثر افراد کے اخراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قادیانی روزنامہ "الفضل" نے مرزا بشیر الدین محمود کا ۸ مارچ ۱۹۵۸ء کا خطبہ جلی سرخیوں سے شائع کیا ہے کہ اگر میرا بیٹا خلافت کا خیال بھی دل میں لائے گا تو اسے اسی وقت احمدیت سے نکال دیا جائے گا اور جو شخص خلافت کا خیال دل میں لائے گا' چاہے وہ کسی کا بیٹا ہو' وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ مرزا طاہر احمد نے بیرونی مشنوں کی بغاوت اور اختلافات کو ختم کرنے کے لیے اپنے بیرون ممالک کے دورے کی روانگی سے قبل قادیانی مشن لندن کے انچارج شیخ مبارک احمد کے مشورہ پر متعدد بیرونی مشنوں کے مبلغوں کو تبدیل کر دیا ہے اور ان مبلغوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مرزا طاہر احمد نے بیرونی جماعتوں کو تلقین کی کہ وہ جماعتی اختلافات میں دخل نہ دیں۔ انہوں نے نئے مبلغوں کو ہدایت دی کہ بیرونی مشن میں اپنا

کردار صحیح طور پر ادا کریں کیونکہ مبلغوں کو جماعت کے ٹکڑے کرنے کے لیے بیرون ملک نہیں بھیجا جاتا۔ مرزا طاہر احمد اپنے بیرونی دوروں پر روانگی کے وقت اپنے ساتھ مرزا ناصر کے بیٹے مرزا انس احمد' الفضل کے ایڈیٹر مسعود احمد' انصار اللہ کے صدر چودھری حمید اللہ' خدام الاحمدیہ کے صدر مرزا محمود احمد کے علاوہ دوسری بااثر قادیانی شخصیتوں کو لے گئے ہیں"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" کراچی ۱۳ اگست ۱۹۸۲ء)

❏ "ربوہ کے انتہائی قریبی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ مرزا طاہر احمد کے رشتہ دار اور قادیانی جماعت کے سرکردہ رہنما مرزا رفیع احمد نے مرزا طاہر احمد کے ربوہ سے مسلسل بیرون ملک قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جماعت کی قیادت پر قبضہ کرنے کی سرتوڑ کوششیں شروع کر دی ہیں اور مرزا طاہر احمد اور مرزا رفیع کے حامیوں کے درمیان ایک دفعہ پھر اختلافات زور پکڑ گئے ہیں۔ یاد رہے کہ مرزا ناصر احمد کے مرنے کے بعد مرزا طاہر اور مرزا رفیع کے درمیان قیادت کا جھگڑا ہوگیا تھا جس میں مرزا طاہر کے حامیوں نے مرزا رفیع کو دبا لیا۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد کی بیٹی امت الحفیظ' جو ابھی زندہ ہیں' کی مداخلت سے مرزا رفیع اور مرزا طاہر کے درمیان صلح کرا دی گئی۔ عارضی طور پر یہ اختلاف دب گیا لیکن مرزا طاہر کے مسلسل بیرون ملک قیام سے مرزا رفیع نے قیادت سنبھالنے کے لیے جوڑ توڑ شروع کر دیا ہے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی' ۲۹ اگست ۸۴ء)

❏ "قادیانی جماعت کا سربراہ مرزا طاہر پاکستان کے خلاف من گھڑت اور بے بنیاد پراپیگنڈہ کرنے کے باوجود بیرونی ممالک سے حمایت حاصل کرنے میں بری طرح ناکام ہوگیا ہے اور اس کی پاکستان واپسی کی تمام امیدیں ختم ہوگئی ہیں۔ اب اس نے لندن کے قریب خریدی گئی تقریباً ۲۵ ایکڑ اراضی میں' جس کا نام "اسلام آباد" رکھا گیا ہے' اپنی جماعت کا مستقل ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس بات کا انکشاف آج ربوہ کے قریبی اور معتبر ذرائع سے ہوا ہے۔ مرزا طاہر کے اس فیصلہ کے بعد طاہر گروپ کے سرکردہ قادیانیوں نے بھی ربوہ سے نئے ہیڈ کوارٹر میں منتقل ہونے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ یاد رہے کہ مولانا اسلم قریشی کے وقوعہ کے بعد مرزا طاہر گرفتاری سے بچنے کے لیے خاموشی سے ملک سے باہر فرار ہوگیا تھا۔ اس کے بعد قادیانیوں کے سالانہ اجتماع پر بھی پابندی لگادی

گئی' جس سے قادیانی جماعت پر زوال آنا شروع ہوگیا۔ ان پابندیوں کے بعد مرزا طاہر نے اپنی جماعت کا بھرم قائم رکھنے کے لیے لندن کے قریب تقریباً ۲۵ ایکڑ اراضی خرید لی' جس کا نام اسلام آباد رکھا گیا ہے' جہاں پر ان کا سالانہ اجتماع جو ربوہ میں ہوتا تھا' ہوگا۔ مرزا طاہر کے اس فیصلہ کے بعد اس کا سوتیلا بھائی مرزا رفیع' جو کہ ایک عرصہ سے جماعت کی قیادت پر قبضہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا' پھر مصروف عمل ہے اور کسی بھی وقت وہ اس قیادت پر قبضہ کرنے کا اعلان کر سکتا ہے"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ۸ جولائی ۱۹۸۵ء)

❑ "قادیانی جماعت کی ہائی کمان نے مرزا طاہر احمد کے خلاف بغاوت کر دی اور ان کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ مرزا طاہر احمد نے جرمنی' بیلجیئم' امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں مبلغین کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے انہیں جماعت سے نکال دیا۔ تفصیلات کے مطابق قادیانی جماعت کے بیرون ممالک مشنوں کے مبلغین نے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد کی سخت اور آمرانہ پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے ان کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا۔ یاد رہے کہ جب سے مرزا طاہر احمد ۱۹۸۴ء سے ملک سے فرار ہو کر لندن میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں' انہوں نے بیرون ممالک خصوصاً یورپی ممالک میں قادیانی مشنوں کے انچارجوں پر اپنا دباؤ رکھا ہے اور ان کے بجائے اپنے خاص چہیتوں کو تعینات کر رکھا ہے' جو ان کے کاموں کی نگرانی اور خفیہ مخبری کرتے ہیں اور مشنوں کے سربراہوں کے کاموں میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور تنقید بھی کرتے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کے اس اقدام کے خلاف جرمنی' بیلجیئم' ناروے' امریکہ اور افریقی ممالک کے بہت سے قادیانی مبلغین نے مرزا طاہر احمد اور ان کے مقرر کردہ عہدیداروں کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا' جس پر مرزا طاہر احمد نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے اپنے سابق پرائیویٹ سیکرٹری مولوی مسعود احمد جہلمی' انچارج قادیانی مشن جرمنی' مولوی محمد صالح بیلجیئم' مولوی حافظ محمد صدیق امریکہ اور دیگر ممالک میں مشنوں کے افراد کو قادیانی جماعت کی بنیادی رکنیت سے خارج کر دیا ہے۔ قادیانی جماعت کی خواتین تنظیم کی بعض عہدیدار بھی اخراج کی فہرست میں شامل ہیں۔

علاوہ ازیں مرزا طاہر احمد نے اپنے چچازاد بھائی مرزا خورشید احمد کو جو ایک عرصہ سے بطور ناظر امور عامہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان تعینات تھے' کو بھی نافرمانی اور اختلافات

کی بنا پر تمام عہدوں سے علیحدہ کر کے اپنے خاص ساتھی ملک مسعود احمد ظفر کو مقرر کر دیا ہے۔ قادیانی جماعت کے سربراہ کی طرف سے تادیبی احکامات کے خلاف جماعت کی ہائی کمان میں ان کے خلاف نفرت اور بغاوت کے جذبات ابھرنا شروع ہوگئے تھے اور قادیانیوں کی اکثریت بیرون ممالک کے مبلغین کے خلاف مرزا طاہر احمد کے احکامات کی سخت مذمت کی جا رہی ہے اور ان کی بحالی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے"۔

(روزنامہ "پاکستان" لاہور' ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء)

❑ "قادیانی جماعت کے سابق خلیفہ مرزا ناصر احمد کے بیٹے مرزا فرید احمد اور جماعت کے موجودہ خلیفہ مرزا طاہر احمد کے درمیان ٹھن گئی۔ مرزا فرید احمد کا تعلق مرزا رفیع احمد گروپ سے ہے' جو مرزائیوں کا سنجیدہ طبقہ ہے اور مرزا طاہر کو جماعت کی امارت سے ہٹانے کے لیے سرگرداں ہے۔ اس گروپ نے مرزا طاہر پر صدر انجمن احمدیہ کے فنڈز خورد برد کرنے کا الزام لگایا ہے۔ اس سلسلہ میں معلوم ہوا ہے کہ ربوہ میں ہونے والی مجلس مشاورت کے بھی ہنگامے کی نذر ہونے کی توقع ہے۔ مرزا رفیع نے اعلان کیا ہے کہ اگر انہیں قادیانیوں کی سربراہی مل گئی تو سب سے پہلے ان لٹیروں کا احتساب کریں گے' جو مبینہ طور پر امور عامہ میں فراڈ کر کے جماعت کے پیسے پر عیش کر رہے ہیں۔ مرزا رفیع احمد' مرزا طاہر احمد کے سوتیلے بھائی ہیں"۔

(روزنامہ "پاکستان" لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء)

❑ "ربوہ میں قادیانی جماعت کی مجلس مشاورت اندرونی اقتدار کی کشمکش کی وجہ سے انتشار اور ہنگامہ کی نذر ہوگئی۔ بتایا گیا ہے کہ گزشتہ روز ایوان محمود ربوہ میں ہونے والی قادیانی مجلس مشاورت کا اجلاس ہوا جس میں مرزا طاہر احمد اور مرزا رفیع گروپ کے ارکان نے شرکت کی۔ اجلاس میں سالانہ بجٹ' ملک کے اندر ہونے والے حالات' قادیانی جماعت کو درپیش مسائل اور ملک کے دیگر علاقوں سے مبلغین کی رپورٹیں اور جماعتی نظم و نسق اور آئندہ کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے بارے میں تبادلہ خیال ہو رہا تھا کہ مرزا رفیع گروپ کا کسی نقطہ پر جھگڑا ہوگیا' جسے مرزا طاہر گروپ نے بزور طاقت دبانے کی کوشش کی لیکن مرزا رفیع گروپ احتجاجاً اس سے واک آؤٹ کر گیا۔ گزشتہ روز دوبارہ' ایوان محمود میں اجلاس ہوا' جس میں غیر معمولی انتظامات کیے گئے۔ خدام الاحمدیہ کے مسلح کارکنوں نے پوری عمارت کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور تلاشی لیے بغیر کسی کو اندر جانے

کی اجازت نہ دی گئی"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور ۴ اپریل ۱۹۹۳ء)

❑ "مرزا طاہر احمد نے اپنے بھائی مرزا رفیع احمد کو معاملہ فہمی اور سمجھوتے کے لیے لندن طلب کر لیا۔ باخبر حلقوں کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا رفیع احمد نے اٹھارہ ہزاری کے علاقے میں ۶۷۵ ایکڑ اراضی ۹۷ لاکھ روپے میں خرید کر نئی کالونی بسانے کا پروگرام بنایا' جس سے ان کے بھائی مرزا طاہر احمد ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ نے لندن میں اپنے خطبہ کے دوران اس امر پر اظہار ناراضگی کیا۔ جبکہ مرزا رفیع احمد پر نماز پڑھانے اور اپنے گرد لوگوں کو جمع کرنے کی پابندیاں تاحال برقرار ہیں' جن کو توڑ کر انہوں نے اپنی نئی خرید کردہ زمین پر وہاں اکٹھے ہونے والے قادیانیوں کی نماز میں امامت کا فریضہ ادا کیا۔ معتبر ذرائع کا کہنا ہے کہ ربوہ کی قبضہ گروپ کی قیادت کی مفاد پرستیوں اور شہریوں کے مسائل سے غفلت برتنے اور ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں سے نئی نسل' ان سے نالاں اور بیزار ہو چکی ہے' جو غریب احمدیوں کی فلاح و بہبود کے نام پر مختلف اقسام کے سالانہ کروڑوں روپے کے چندے جمع کر کے ہضم کر جاتی ہے اور ضرورت مند در در کی ٹھوکریں کھاتا رہ جاتا ہے جس وجہ سے لوگ تبدیلی کے خواہش مند ہیں اور وہ مرزا رفیع احمد کو اپنا ہمدرد اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں معلوم ہوا ہے کہ موجودہ قیادت کی لاپرواہی سے نئی نسل فحاشی اور بدی کے کاموں میں لگ چکی ہے' جس کو بچانے کے لیے اور ربوہ کی نااہل قیادت سے چھٹکارا پانے کے لیے نئی بستی بسانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے"۔

(روزنامہ "خبریں" لاہور ۲۴ جولائی ۱۹۹۳ء)

❑ "قادیانیوں کی نئی نسل نے مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندان کی اجارہ داری کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور چندوں کی آڑ میں اکٹھے کیے جانے والے کروڑوں روپے کے فنڈز کا حساب طلب کر لیا۔ گزشتہ روز "قصر خلافت" کے نواح میں خفیہ مقام پر ایک اجلاس میں "الاقراء" تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ دنیا میں "جماعت احمدیہ" واحد مذہبی جماعت ہے جو "اشاعت اسلام" کے نام پر مختلف چندوں کی مد میں ٹیکس وصول کر کے اپنی جائیدادیں اور بینک بیلنس بڑھاتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے چند ایکڑ اراضی چھوڑی تھی لیکن آج اس کے پڑپوتوں اور پوتیوں کے پاس ہزاروں ایکڑ اراضی' کروڑوں روپے کے بینک بیلنس اور جائیدادیں ہیں۔ مرزا طاہر احمد نے مردوں پر

بھی چندہ عائد کر دیا ہے۔ اجلاس میں موجود اہم نقاب پوش ارکان نے بتایا کہ چندوں کے نیٹ ورک میں نومولود بچوں سے لے کر مرنے والے تک کو عام چندہ کے علاوہ تحریک جدید' وقف جدید' جلسہ سالانہ' دارالضیافت' ہسپتال' ہر تنظیم کے لیے علیحدہ علیحدہ چندے اور مرزا طاہر احمد کی طرف سے نئی نئی سکیموں مثلاً صد سالہ جوبلی سکیم' بیوت الحمد' ناداروں کی امداد' یتیموں کی امداد اور ہر نئی عمارت کی تعمیر اور اخراجات کے نام پر چندے وصول کیے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ربوہ میں کئی گھرانے بدحال ہیں۔ اجلاس میں "خلیفہ گر" برادران مرزا غلام احمد ناظر اعلیٰ' مرزا خورشید احمد اور ربوہ کی قیادت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ ارکان نے کہا کہ یہ لوگ ۵۰ کروڑ روپے کے صد سالہ جوبلی فنڈ اور کروڑوں روپے کے بیوت الحمد فنڈز کا حساب نہیں دے سکتے۔ ۱۹۸۴ء سے پاکستان میں سالانہ جلسہ نہیں ہو رہا لیکن اس سلسلے میں کروڑوں روپے چندہ لیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ جماعت احمدیہ میں حقوق العباد اور اخلاق نام کی کوئی شے نہیں۔ اجلاس میں دارالقضاۃ کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ یہ ادارہ غیر قانونی طور پر ۹۹ فیصد تنسیخ نکاح کے فیصلے کر کے ہر سال سینکڑوں لوگوں کے گھر اجاڑنے کا ذمہ دار ہے۔ اجلاس میں قانون ساز اداروں سے مطالبہ کیا گیا کہ دارالقضاۃ کو فوری طور پر بند کر دیا جائے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۹ اگست ۱۹۹۳ء)

❑ "باخبر حلقوں کے مطابق جرمنی فرینکفرٹ میں جماعت احمدیہ کے پانچویں سہ روزہ جلسہ سالانہ کے ختم ہونے پر آئندہ سال سے امریکہ' کینیڈا' سپین اور افریقہ کے ممالک میں بھی سالانہ جلسے منعقد کیے جائیں گے جبکہ مرزا طاہر احمد کے ۱۹۸۴ء میں پاکستان سے فرار کے بعد لندن میں جلسے کیے جانے لگے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کی توحید کے موضوع پر تقاریر میں نشاندہی کیے بغیر 'جماعت احمدیہ میں بعض شورشوں کے سر اٹھانے کا بھی ذکر کیا گیا' جس پر معتبر ذرائع نے بتایا کہ مرزا رفیع احمد اور اہل دانش و فکر نے مرزا طاہر احمد کے دعویٰ مجددیت کو نہ صرف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اعتراض اٹھایا کہ وہ اسی قسم کا اظہار مرزا ناصر احمد کے متعلق بھی کر چکے ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق مرزا طاہر احمد اپنی سوال و جواب کی مجلسوں میں ظاہر کرتے ہیں کہ خلیفہ مجدد سے بڑھ کر تجدید کا کام کرتا ہے اور مجدد تیمم کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ خلیفہ آب ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ "آب آمد' تیمم برخواست" علاوہ ازیں ان باوثوق ذرائع کے مطابق اہل دانش و فکر نے الزام لگایا

ہے کہ مرزا رفیع احمد کی غیر محسوس انداز میں نسل کشی کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دونوں لڑکوں مرزا طیب کے گھر ایک سال سے اور مرزا صمد کے گھر عرصہ تین سال سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی"۔

(روزنامہ "جسارت" کراچی' ۱۸ ستمبر ۱۹۹۳ء)

❑ "حقیقی احمدی گروپ نے جماعت احمدیہ (قادیانیوں) کے سربراہ مرزا طاہر سے مطالبہ کیا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کے بدعنوان ناظران سمیت صدر عمومی کو فی الفور برطرف کرو ورنہ خود مستعفی ہو جاؤ اور نیا انتخاب کراؤ ورنہ انقلاب بھی آسکتا ہے' یہ مطالبہ اپنے آپ کو حقیقی احمدی گروپ ظاہر کرنے والے گروپ کے خصوصی اجلاس میں کیا گیا' اجلاس میں کہا گیا کہ عقل و خرد کا جدید دور ہے مگر مرزا طاہر احمد ایسی کشتی کے ملاح بنے بیٹھے ہیں' جس کے بادبان (ناظران مذکور) بوسیدہ اور چپو ناکارہ ہو چکے ہیں۔ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ لوکل انجمن احمدیہ کے صدر عمومی نے "غنڈے" پال رکھے ہیں' جو پولیس کو ساتھ لے کر شہریوں کے گھروں کی عزتوں کو پامال کراتے ہیں۔ علاوہ ازیں محلّہ نصیر آباد کے دو گھروں کی عزتوں کی پامالی پر ربوہ پولیس اور صدر عمومی کے خلاف منگل کو پھر احتجاج ہوا' جس میں شہریوں کی عزتوں کو ظالموں سے بچاؤ کے نعرے لگائے گئے۔"

(روزنامہ امت کراچی 23 اپریل 1997ء)

❑ "پاکستان میں قادیانی جماعت کے امیر مرزا منصور احمد کی موت کے بعد مرزا مسرور کی نامزدگی سے جماعت کے اندرونی حلقوں میں شدید خلفشار پیدا ہو گیا ہے۔ ربوہ کے قادیانی حلقوں میں اس فیصلہ سے شدید اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں مرزا فرید کو امیر بنایا جانا چاہئے تھا۔ قیادت لندن میں بیٹھ کر فیصلے کرتی ہے اور پاکستان میں مقامی حالات کو پیش نظر نہیں رکھتی۔ مرزا ناصر کی وفات کے بعد بھی مرزا رفیع کو امیر بنایا جانا چاہئے تھا لیکن مرزا طاہر کو نامزد کر دیا گیا اور یہی واقعہ اب دہرایا گیا ہے جس سے جماعت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ باغی گروپ کے ایک حامی نے جی این این سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ جھگڑا سامنے آنے کے بعد مرزا فرید کو غائب کر دیا گیا ہے اور وہ پرسوں سے کسی کو

نظر نہیں آ رہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ان کو انگلستان بھیج دیا گیا ہے مگر اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ جماعت احمدیہ کے اندرونی حلقوں میں اس بات سے شدید خلفشار پھیل گیا ہے اور خدشہ ہے کہ کہیں دونوں گروپوں کے درمیان تصادم نہ ہو جائے"۔

(روزنامہ پاکستان لاہور' ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء)

ڈاکٹر عبدالسلام سے مغائرت کیوں؟

❏ اس عنوان سے عمر پیام لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر عبدالسلام مخلص احمدی تھے۔ جماعت احمدیہ ربوہ پر ان سے بے وفائی کا الزام آتا ہے۔ خلاف عقل حکم تسلیم نہ کرنے پر مرزا طاہر احمد' ان سے خفا کیا ہوئے' گویا ساری جماعت خفا ہو گئی۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے خلاف جماعت ربوہ نے اپنے دلوں میں کینہ و بغض بھر لیا۔ ان کے بیماری کے آخری ایام میں انہیں یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ربوہ میں دعا کی تحریک تک نہیں کی گئی اور نہ ہی مرزا طاہر احمد نے اپنے خطبات میں اس امر کا ذکر کیا۔ ربوہ کے صحافیوں نے مرحوم کے خلاف نفرت کو شدت سے محسوس کیا' جسے پریس میں پیش کیا۔ اس پر ڈاکٹر انور سدید اور دیگر مفکروں اور دانشوروں نے ڈاکٹر عبدالسلام کی خدمات پر قلم اٹھایا۔ جن کے افکار کو قومی اخبارات سے نقل کر کے جماعت احمدیہ کے آرگن "الفضل" نے بادل نخواستہ شائع کیا اور مرزا طاہر احمد نے بھی ان کی تیمارداری کے لیے اپنے خداموں کو مقرر کیا' جنہیں ڈاکٹر عبدالسلام نے قبول نہ کیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی وفات کی خبر سنتے ہی مجھے جماعت احمدیہ ربوہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ مجھے جماعت احمدیہ یہاں بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی دکھائی دی۔ ایک گروپ ڈاکٹر عبدالسلام کے عقیدت مندوں کا اور دوسرا قبضہ گروپ کی شکل میں سامنے آیا۔ قبضہ گروپ نے ڈاکٹر عبدالسلام کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنے والوں کی تعداد صرف ۲۵ ہزار بتائی' جسے "الفضل" میں بھی شائع کیا گیا اور وفات کے بعد ربوہ کے صحافیوں کو ڈاکٹر عبدالسلام سے متعلق اور دیگر معلومات فراہم کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں تدفین میں شامل ہونے سے روک دیا۔ پی پی آئی کے رپورٹر سے بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا پریس بیج پھاڑ دیا۔ صحافیوں کو مرحوم کے لواحقین سے ملنے اور ان سے انٹرویو کرنے سے روک دیا۔ اسی طرح عقیدت مندوں کو جنازہ کو کندھا دینے سے روک

دیا۔ میت کو خدام احمدیہ نے اپنے نرغے میں لے کر قبرستان پہنچایا اور نرغے میں ہی دفن کیا۔ قبضہ گروپ نے نماز جنازہ کے وقت بھی تفریق سے کام لیا۔ صدر انجمن احمدیہ' تحریک جدید اور وقف جدید کے اعلیٰ افسران کو جنازے کی اگلی صفوں میں بلا لیا اور دوسروں کو پیچھے کر دیا گیا۔ مقرر کیے گئے رضاکاروں نے کسی دوسرے عقیدت مند کو اگلی صفوں میں شامل نہیں ہونے دیا۔ اس طرح تدفین کے وقت احاطہ کیے ہوئے خدام احمدیہ نے لندن سے آئے ہوئے ان کے عقیدت مندوں کو تدفین کی جگہ جانے سے سختی سے منع کر دیا۔ مجھے ان عقیدت مندوں کی منتوں اور عذرات وغیرہ سن کر اور خدام کے رویہ کی طرف دیکھ کر اندازہ ہوا کہ جماعت احمدیہ یقیناً جذبات سے عاری اور مردہ ہو چکی ہے۔

قبضہ گروپ نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے مشہور کر دیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کے جنازہ میں شرکت کے لیے اٹلی کے سفیر اور وفاقی و صوبائی وزیر اور مشیر ربوہ پہنچ رہے ہیں' جسے عقیدت مند گروپ نے بہت ہوا دی اور افواہ پھیلا دی کہ بی بی سی' وائس آف امریکہ اور وائس آف جرمنی کے نمائندے بھی آ رہے ہیں۔ جب یہ سب افواہیں ثابت ہوئیں تو عقیدت مند گروپ نے مقامی تین جانبدار نامہ نگاروں کو استعمال کر کے ان کے اخبارات میں یہ خبر شائع کروا دی کہ اٹلی کے سفیر اور وفاقی و صوبائی حکومتوں کے وزیروں نے تدفین میں شرکت کی۔ جبکہ ربوہ کے دیگر اخباروں اور ایجنسیوں کے نامہ نگاروں اور فیصل آباد سے آئے ہوئے ڈیلی ڈان اور اے پی پی کے نمائندوں کو ایسی کوئی بات نظر نہ آئی اور ان سب کی رپورٹنگ کو "مخالفانہ" کہہ دیا گیا۔

مجھے ربوہ کی اہل دانش اور آزاد خیال لوگوں سے رائے معلوم کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے جماعت احمدیہ کے دونوں گروپوں کی دوغلی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کے جنازے سے لوگوں کو سو اور دو سو فٹ دور رکھ کر عقیدت مندوں کے جذبات سے کھیلا گیا ہے۔ انہوں نے ربوہ کے پریس سے معاندانہ رویہ رکھنے اور بدتمیزی اختیار کرنے پر بھی شدید مذمت کا اظہار کیا اور کہا کہ دنیا بھر میں پریس کو عزت و وقار سے دیکھا جاتا ہے اور ہر ملک و شہر کی انتظامیہ پریس کو سہولتیں اور معلومات فراہم کرتی ہے مگر انجمن احمدیہ ربوہ مقامی صحافیوں کی تذلیل کر کے خوشی محسوس کرتی ہے"۔

(روزنامہ "وفاق" لاہور ۸ دسمبر ۱۹۹۶ء)

اور اب آخر میں ایک دلچسپ خبر ملاحظہ کریں۔

نوبل انعام یافتہ امریکی سائنس دان کا ایک اور "اعزاز"

"نوبل انعام یافتہ امریکی سائنس دان ڈینیل گیج ڈسک کو ایک بچے سے زیادتی کے جرم میں دو مسلسل سزاؤں کے تحت ۱۵ سال قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ ۷۳ سالہ ڈینیل گیج ڈسک جن کی تمام عمر دماغی امراض پر تحقیق کرتے ہوئے گزری' اپنی پہلی سزا کے تحت ۱۸ ماہ قید میں رہیں گے اور اس عرصہ میں انہیں بچوں سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں اپنی بقیہ سزا بھی بھگتنا پڑے گی۔ گیج ڈسک پر ۱۹ فروری کو الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے اپنے ۵۰ لے پالک بچوں میں سے ایک کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ گیج ڈسک نے ۱۹۶۰ء میں اپنے مغربی بحرالکاہل کے دورہ کے دوران بچوں کو امریکہ لانا شروع کیا اور ان کی تعلیم کے اخراجات برداشت کیے اور انہیں اپنے گھر پر رکھا۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۳۰ اپریل ۱۹۹۷ء)

غدار پاکستان

غدار کی سزا

غدار کی سزا موت　　جو داغ ہو جبیں کا
جو بوجھ ہو زمیں کا　　اس جسم کی قبا موت

○

تن اور من جو بیچے　　اپنا چلن جو بیچے
راز وطن جو بیچے　　اس کا معاوضہ موت

○

حلف و قسم عدولی　　ہے بات بے اصولی
انجام ظلم سولی　　ظالم کا خوں بہا موت

○

اغیار پر نوازش　　بدلے کا نام خواہش
مجرم کا جرم سازش　　منصف کا فیصلہ موت

○

جو دشمن کہوٹہ　　ظرف اس کا کتنا چھوٹا
اس کا وجود کھوٹا　　دو اس کو بارہا موت

○

جس کو ہوس دبوچے　　جو اپنا گوشت نوچے
جو ایڑیوں سے سوچے　　اس کا ہے راستہ موت

○

دل جس کا افلاطونی　　جس کی خرد جنونی
بانٹے جو بے سکونی　　اس شخص کی دوا موت

○

جو کافروں کا دل بر　　لعنت خدا کی اس پر
اس کے لیے مظفر　　تا عمر قید یا موت

(مظفر وارثی)

پاکستانی تاریخ کے اہم ترین راز

پہلی بار بے نقاب ہوتے ہیں!

- پاکستان کے ایٹمی راز اسرائیل تک کیسے پہنچے؟
- بھارتی ایٹمی دھماکوں میں ڈاکٹر عبد السلام نے کیا اہم کردار ادا کیا؟
- سابق وزیر خارجہ نے اسلامی بم کے خلاف سازش میں شریک ڈاکٹر عبد السلام کو کس مشکوک حالت میں دیکھا؟
- کون سی پاکستان دشمن شخصیات کے اسلامی بم کے مخالف سائنس دانوں سے خفیہ رابطے تھے؟
- پاکستان دشمن سائنسدانوں کو ہیرو بنا کر پیش کرنے والے دانشوروں کی فہرست میں کون کون سے پردہ نشینوں کے نام شامل ہیں؟
- وہ کون سا لمحہ تھا...... جب ضیاء الحق جیسا نرم گو شخص بھی سخت ترین زبان استعمال کرنے پر مجبور ہو گیا؟
- نوبل پرائز کی آڑ میں یہودی لابی کس طرح سازشیں کرتی ہے؟
- ڈاکٹر عبد القدیر خان کی فرضی قبر بنا کر جوتے مارنے والوں میں کون کون سے ملعون پاکستانی شامل ہیں؟
- قادیانی خلیفہ مرزا طاہر نے پاکستانی ایٹمی دھماکوں کا کس طرح تمسخر اڑایا؟

غدارِ پاکستان ایسے بے شمار خفیہ رازوں سے پردہ ہٹا رہی ہے!

پاکستان کے دشمنوں کو پہچاننا ......ان کے عزائم کو ناکام بنانا ہر محب وطن پاکستانی کا فرض ہے

یہ کتاب آپ کی رہنمائی کرے گی!